شہید حکیم محمد سعید نمبر

پندرہ روزہ **ہمدرد**، دہلی

سرپرست و رہنما

حکیم عبدالحمید

ایڈیٹر

حماد احمد

مرتب

ڈاکٹر خاور ہاشمی

فہرست

1 ابتدائیہ

2 حالات زندگی

3 رد عمل

4 خراج عقیدت

5 تاثرات

6 نقطہ نظر

ابتدائیہ

ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

17/اکتوبر 1998، برصغیر کی طبی دنیا کی تاریخ میں یوم سیاہ کے نام سے یاد رکھا جائیگایہی دن ہے جب حکیم محمد سعید کو پاکستان میں دہشت گردی اور قبائلی عصبیت کے ہاتھ شہادت نصیب ہوئی۔حکیم محمد سعید موجودہ صدی کی ایک ہمہ جہت اور تاریخ ساز شخصیت تھے۔جس زمانے میں ریڈ کلف کے بے حس قلم نے برصغیر کے دو ٹکڑے کئے اور دنیا کے نقشے پر ہندوستان اور پاکستان دو آزاد خود مختار ریاستوں کا وجود ہوا اس زمانہ میں حکیم محمد سعید اپنے برادر بزرگ محترم حکیم عبدالحمید صاحب کے ساتھ ادارہ ہمدرد کی تعمیر وترقی میں ہم تن مصروف تھے۔ انہوں نے نوزائیدہ مملکت پاکستان جانا پسند کیا۔ان کے فکر وعمل سے ثابت اور ظاہر ہے کہ انہوں نے پاکستان کو شاید اس لئے پسند کیا تھا کہ اسلامی علم وفنون ،تہذیب وتمدن، فکر وفلسفہ، قرآنی تعلیمات اور اسلام کی وسیع تر اور ہمہ گیر انسانی دوستی کو عام کرنے کیلئے انہیں زیادہ سازگار اور کھلی فضا ملے گی۔لیکن ان کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ پاکستان اقبال کی طرح ان کے تصور کا پاکستان نہ تھا۔حکیم محمد سعید نے اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی اس سلطنت میں اپنے وجود کی بقاء اور جواز کیلئے زندگی کے آخری لمحے تک جو ایک طویل جدوجہد کی داستان چھوڑی ہے وہ دراصل ان کی عظمت اوراستقامت کی دلیل ہے۔نہایت نامساعد حالات میں حکیم محمد سعید نے اپنی ذات، صفات اور معنی خیز سعادتوں کے جو چراغ روشن کئے وہ پاکستانی قوم کی راہوں کو ہمیشہ روشن کرتے رہیں گے۔قرآن حکیم ان کے فکر کی اساس اور سیرت رسول ان کیلئے ایک رہنما اصول تھی۔حکیم محمد سعید کی زندگی اور ان کے اعمال وافکار کا جائزہ لیجئے تو محسوس ہوگا کہ حکیم صاحب اس زندہ جاوید "مرد مومن کی تمام صفات وخصوصیات کے حامل تھے جس کا تصور اقبال نے پیش کیا ہے حکیم محمد سعید نے پاکستان کی قومی زندگی کے ہر گوشے پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ خصوصاً تعلیم اور طب کے میدان میں ان کی شاندار فتوحات عدیم المثال ہیں ۔طب یونانی کے بقااور ارتقاء کیلئے ان کی جدوجہد صرف پاکستان تک محدود نہ تھی ۔انہوں نے پوری دنیامیں طب یونانی کے فیض کو عام کیا۔برصغیر کے حاملین فن طب حکیم محمد سعید کی اس عظیم الشان جدوجہد اور بے مثل صلاحیتوں کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو انہوں نے طب یونانی کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کو عالمی سطح پر منوانے کیلئے صرف کی ہیں ۔ادارہ عالمی صحت (WHO) میں طب یونانی کو تسلیم کرانا انہی کا کارنامہ ہے۔

حکیم محمد سعید کی شہادت پر پورے پاکستان میں کہرام مچ گیاکئی روز تک تمام ذرائع ا بلاغ پر یہی المناک خبر چھائی رہی۔ ہندوستان میں بھی قومی پریس اور الیکٹرونک میڈیا نے اس اندوہناک خبر کو بڑی اہمیت کے ساتھ ملک کے عوام تک پہنچایا۔ چونکہ حکیم محمد سعید کی پوری زندگی پاکستان میں گزری تھی اس لئے ہندوستان میں اکثر لوگ انہیں ان کے برادر بزرگ محترم حکیم عبدالحمید صاحب کے تعلق سے جانتے تھے۔ ضرورت تھی کہ ایسی برگزیدہ شخصیت اور اس کے عدیم المثال کارناموں کے بارے میں کسی حد تک مربوط علم اطلاع ہندوستان کے حاملین علم وفن کیلئے فراہم کی جائے۔اس ضرورت کے پیش نظر راقم الحروف نے جناب حکیم عبدالحمید صاحب کی خدمت میں پندرہ روزہ ہمدرد کے ایک خاص نمبر کی اشاعت کی تجویز پیش کی جسے انہوں نے منظور فرمالیا۔لیکن میرے سامنے مواد کی فراہمی کا مسئلہ نہایت مشکل مسئلہ تھا۔اس کے دوخاص اسباب تھے۔ اول تو یہ کہ ہندوستان میں ایسے لوگ خال خال ہی ہوں گے جن کے سامنے حکیم محمد سعید کی پوری زندگی رہی ہے یا جن کو حکیم صاحب کے فکر وعمل کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔ دوئم یہ کہ حکیم صاحب کی شہادت کے بعد کا یہ دور ایک جذباتی دور ہے۔اس دور میں جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جارہا ہے وہ محض تاثراتی یاجذباتی ہے۔ ہاں کچھ عرصہ کے بعد تجزیاتی دور آئے گاجب

صاحبان علم وقلم حکیم صاحب کے بارے میں بہت کچھ لکھیں گے۔بہر حال "ہمدرد" کا حکیم سعید نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کو ان کی زندگی اور فکر وفہم کے ہر پہلو پر اس میں کچھ نہ کچھ علم و اطلاع فراہم ہوجائے۔

اس خصوصی نمبر کو جن حضرات کی پرزور تائید و حمایت حاصل رہی ان میں حکیم محمد خالد صدیقی کا نام سرفہرست ہے۔ خالد صاحب نے محض زبانی تائید وتوثیق پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سلسلے میں اپنے قیمتی مشوروں اور علمی تعاون سے بھی راقم الحروف کو نوازا ہے۔میں ان کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

قرآن حکیم کے سوا دنیا کی کوئی الہامی یا غیر الہامی کتاب، کوئی مذہب، کوئی فلسفہ، کوئی ازم ، فکر ونظر کا کوئی دبستان ایسا نہیں ہے جس نے زندگی ہی نہیں موت کو بھی نعمت قرار دیا ہے۔اس کے پیچھے بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو انسان کو برابر دعوت غور وفکر دیتی رہیں گی۔زندگی انسان کے اعمال اور جدوجہد کا ایک مختصر وقفہ ہے اور موت نقطہ آغاز ہے کبھی نہ ختم ہونے والے سفر کا۔ابدی سکون اور دائمی آسودگی کا۔قرآن حکیم کا فرمان ہے:

وَلاَ تقولو لمن یقتلُ فی سبیلِ اللّٰہ اَموات۔بل احیآ ءٌ وَ لکن لاَ تشعرون۔ (البقرہ ۱۵٤)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں ،مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔"

حکیم محمد سعید نے عمر بھر جہاد کیا۔اور جہاد کی اعلیٰ ترین منزل ومرتبہ شہادت ہے جوانہیں نصیب ہوا اور اسی لئے

ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(ڈاکٹر) خاور ہاشمی

مرتب



وزیراعظم پاکستان نواز شریف کے ساتھ

حکیم محمد سعید: حالات زندگی کی چند جھلکیاں

بچپن میں کپڑے کی ٹوپی اوڑھتے رہے۔ ہر جمعہ کو وہ خود اپنی ٹوپیاں دھوتے اور کلف دیتے قالب پر چڑھا کو دھوپ میں سکھنے کیلئے رکھا جاتا تھا بقول حکیم محمد سعید "ٹوپی سوکھ کر کڑک ہو جاتی اور ہم بڑے ٹھاٹھ سے اسے پہن کر اکڑتے تھے"۔

حکیم محمد سعید کے ماموں عنایت الٰہی نے ترکی ٹوپی متعارف کروائی حکیم محمد سعید بتاتے ہیں:

"ٹوپی کے اندر جو مونوگرام ہوتا اس میں ایک گولا ہوتا اور شیر اسے دھکیلتا ہوتا۔ ہمیں یہ ٹوپیاں اکثر عیدالفطر پر ملا کرتی تھیں ٹوپی کے پھندے کے ایک ایک تار کے کونے پر ہم سگریٹ کی پنیاں لپیٹ دیا کرتے تھے پھندنا چاندی سا چمک جاتا"۔

بچپن کے دنوں میں جو لوگ انسان کی زندگی میں داخل ہوتے ہیں وہ اس سنہری دور کی یادوں کا ایک ناقابل فراموش حصہ بن جاتے ہیں ایسا ہی ایک کردار قطبن کا تھا۔

مہرولی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزاروں کے علاقے سے ایک خاتون قطبن حکیم محمد سعید کے گھر آیا کرتی تھیں وہ ان کی والدہ کی سہیلی تھیں یہ دوستی اور محبت اس حد تک بڑھی ہوئی تھیں کہ جب وہ بھوک سے روتے اور ان کی والدہ مصروف ہوتیں تو وہ قطبن سے کہتیں کہ ذرا سعید کو اپنا دودھ پلا دو۔ قطبن کا اپنا بھی ایک بچہ تھا یوں وہ اس کا حق مار لیا کرتے تھے اکثر یہ بھی ہوتا کہ ایک طرف حکیم محمد سعید اور دوسری طرف ان کا اپنا بیٹا دودھ پی رہے ہوتے۔ حکیم محمد سعید نے بتایا کہ ان کے بچے کا نام شاید رمضانی تھا۔

حکیم محمد سعید مہرولی بھی جاتے رہے جہاں قطبن رہا کرتی تھیں۔ جب حکیم محمد سعید کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید بعارضہ دق بیمار ہوئے تو حکیم امجد علی خان نے تبدیلیٔ آب وہوا کی غرض سے انھیں قطب میں رکھا ان کو جو کمرہ ملا وہ اس عمارت میں تھا جہاں قطبن رہا کرتی تھیں۔

جب کبھی قطبن اپنے بیٹے کے ساتھ حکیم محمد سعید کے گھر آتیں تو ان کے آنے پر ان کے گھر میں سویاں تیار ہوتی تھیں حکیم محمد سعید بتاتے ہیں "ہمارے گھر میں سویوں کی ایک گھوڑی موجود تھی جس سے سویاں تیار کی جاتی تھیں"

انہی دنوں رمضانی کو پولیو ہوا اور پھر اس کی ایک ٹانگ ایسی خراب ہوئی کہ پھر کبھی ٹھیک نہ ہو سکی بڑا ہوا تو لکڑی کے سہارے چلنے لگا اپنا یہ دودھ شریک بھائی انھیں ہمیشہ یاد رہا۔

بچپن کی یادوں میں انھیں نانی جان کا آنکھوں کا اسپتال بھی اچھی طرح یاد ہے ان کی نانی اماں "ننھی بیگم" بڑی اکڑ والی خاتون تھیں ان کا تعلق پانی پت سے تھا اس اعتبار سے وہ بھی "پانی پتی" ہو چکی تھیں وہ جاکسو سے آشوب چشم کا علاج کیا کرتی تھیں بے شمار بچوں کا علاج انھوں نے اسی طرح کیا جاکسو بڑی تیز چیز ہے آنکھوں میں بری طرح لگتا ہے بچے بلبلا اٹھتے ہیں مگر وہ اچھے ہو جایا کرتے تھے۔

حکیم محمد سعید (شہید) ایک عظیم علمی اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے ان کی پوری زندگی پاکیزہ اصولوں کے تحت مسلسل محنت اور جدوجہد سے عبارت رہی۔زیر نظر مضمون میں ان کے حالات زندگی پر چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔یہ واقعات ستّار طاہر کی تصنیف "حیات سعید" سے لئے گئے ہیں۔

جب تک حکیم محمد سعید طبیب نہ بنے وہ کھیل کود کے بھی رسیا رہے شرارتیں جاری رہیں۔

عمر کے دسویں برس سے چودہ برس کی عمر تک فٹ بال بیڈ منٹن، گلی ڈنڈا جیسے کھیل کھیلتے رہے شطرنج میں اتنی مہارت حاصل تھی کہ 1975ء میں روس کے ایک میزبان کو ہرا دیا۔ کیرم بورڈ میں آل انڈیا وائی ایم سی اے میچ میں اپنی مہارت کی ایسی دھاک بٹھائی کہ اسٹرائک کرنے میں ایک داؤ میں سات آٹھ گوٹیں پاٹ دیتے تھے موٹر سائیکل کی بھی سواری رہے 1933ء میں ڈرائیونگ لائسنس حاصل کیا، مرغ لڑانے کا بھی شوق رہا حکیم محمد سعید بتاتے ہیں:

1952ء میں انڈونیشیا سے جو سوغاتیں لایا ان میں مرغ بازی کی ایک فلم بنا کر لایا تھا، گلام خوب لڑائی ہیں، پالیوں میں نام پیدا ہے، اکھاڑوں میں پہلوانی کی لڑنت دنگلوں میں کشتیاں لڑا ہوں، گاما سے ہمیشہ متاثر رہے۔ ان سے بڑی ملاقاتیں رہیں، گاما کا آخری عمر میں معالج بھی رہا جب دو سیر بادام کی ٹھنڈائی اور دس سیر گوشت کی یخنی پی جانے والا گاما ایک سیر دودھ نہیں پی سکتا تھا اور ہاتھ سے مکھی نہیں اڑا سکتا تھا یہ وہی گاما تھا جس نے ڈسکو جیسے قوی ترین انسان کو لندن کے اکھاڑے میں ستمبر 1910ء میں کئی فٹ اونچا اچھال دیا تھا میں نے ان سے طہارت سیکھی ہے زبردست انسان،

نمازی، پرہیزگار، تہجد میں یکتا، شرافت میں یکتا"۔

"اوکھلا دہلی کا واقعہ ہے جب جامعہ ملیہ بھی وجود میں نہیں آئی تھی حکیم محمد سعید کو کشتی رانی کا شوق تھا کشتی رانی کیلئے گئے تو وہاں کشتی بان سے اختلاف ہوا، تو تو میں میں سے بات بڑھی اور حکیم محمد سعید نے ایک مکا رسید کر دیا۔ بے چارے کے کئے دانت جھڑ گئے لوکھلے میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا، وہاں سے وہ کسی طرح بچ کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے مگر لوکھلا انتظامیہ نے تھانے میں رپورٹ درج کا دی سمن جاری ہوئے اور کئی پیشیاں ہوئیں بعد میں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔"

1927ء میں انھوں نے پہلی بار حج کیا جب ان کی عمر سات برس کے قریب تھی حکیم سعید کو اس حوالے سے ایک واقعہ ہمیشہ یاد رہا؛

"اسی کراچی میں جہاں آج میں رہتا ہوں، حج کو جاتے ہوئے (1927ء میں) جب ہمارا قافلہ کراچی میں مقیم ہوا تو میری شرارتوں پر بخار میں مبتلا بھائی جان نے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا تھا لو میرا پیشاب خطا ہو گیا تھا، شید وہ پہلا اور آخری طمانچہ تھا"

باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو مسٹر ممتاز حسین استاد مقرر ہوئے ماسٹر ممتاز حسین تھے تو استاد لیکن خود انھیں اپنی تعلیم مکمل کرنے کی بڑی آرزو تھی وہ بی ٹی کرنا چاہتے تھے اس لئے حکیم محمد سعید کو انھوں نے ایک دوسرے ماسٹر کے سپرد کر دیا۔ ماسٹر اقبال حسین اور ماسٹر ممتاز حسین دونوں بزرگوں نے جماعت اسلامی کے سرگرم رکن کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ اقبال صاحب نے حکیم محمد سعید کو بڑی محنت اور دلچسپی سے پڑھایا۔

اس زمانے میں حکیم سعید نے اپنے شوق کی خاطر سب سے پہل کتاب خریدی یہ سجاد حیدر یلدرم کی تصنیف "استدلال" تھی اس وقت ان کی عمر دس برس تھی بتاتے ہیں "کتب خانہ علم وادب مچھلی بازار، اردو بازار دہلی کے مالک جناب اشرف صبوحی کے بھائی نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا ان کو میرے انتخاب پر حیرت ہوئی"

حکیم محمد سعید زمانہ طالب علمی میں حساب میں بہت کمزور تھے بتاتے ہیں:

حساب (خواجہ دل محمد) کے بارے میں کم از کم تین سال تک ماسٹر اقبال حسین کو تڑیاں دیتا رہا ایک دن خود حساب نہیں کیا قاضی مشیر علی سے سوال حل کراتا رہا ماسٹر صاحب کو دکھاتا رہا اور ان کو اپنی زندگی بھر حساب میں میری غربت کا احساس نہیں ہوا"

حکیم محمد سعید نے یہ راز کھول دیا اور بڑے اطمینان سے کہا:

"نہ جانے اب ہمدرد کے حساب داں میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں کہ میں ان کے بتائے ہوئے حسابات کو غلط نہیں ہونے دیتا" اردو اور انگریزی کی تعلیم کے بعد عربی اور فارسی کی تعلیم کا آغاز ہوا اس کیلئے جناب قاضی سجاد حسین کے مزاج کے خلاف تھی اور وہ شرط یہ تھی کہ انھیں اپنے طالب علم کو گھر جا کر پڑھانا ہوگا وہ اس کے عادی نہیں تھے کہ کسی کے گھر جا کر پڑھائیں لیکن جب خلوص سے انھیں دعوت دی گئی اور گھرانے کا تعارف ان سے کرایا گیا تو وہ حکیم محمد سعید کو فارسی اور عربی پڑھانے پر آمادہ ہو گئے۔

اگرچہ میاں سعید کی دلچسپیاں متنوع تھیں تاہم وہ ایک ذہین طالب علم تھے اپنے طالب علم کے بارے میں ان کا یہ پہلا تاثر تھا۔ اب وہ چودہ برس کے ہو چکے تھے ان کا دلی رجحان صحافت کی طرف تھا حکیم محمد سعید اکثر کہا کرتے کہ "اگر میں حکیم نہ ہوتا تو ضرور صحافی ہوتا" مگر ان کے برادر محترم حکیم محمد عبدالحمید چاہتے تھے کہ وہ طب کی تعلیم حاصل کریں طبیب بنیں اور خاندانی روایات کو آگے بڑھائیں اور ہمدرد میں ان کے ساتھ کام کریں۔

چودہ برس کی عمر میں وہ طبی تعلیم کے حصول کیلئے طبیہ کالج گئے جسے مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان نے قائم کیا تھا ان کی عمر چودہ سال تھی اور داخلے کی عمر سے کم۔ اس لئے داخلہ دینے سے انکار کر دیا گیا معیار پر پورا اترنے کی شرط لازمی تھی اس لئے کالج کے رجسٹرار عبدالحفیظ صاحب نے اردو، انگریزی، عربی اور فارسی کا امتحان لے کر داخلہ دے دیا کیونکہ جس بنیادی تعلیم اور معیار کی شرط تھی کم عمری کے باوجود وہ پوری کرتے تھے بعد میں یہی شفیق استاد ہمدرد طبیہ کالج پاکستان کے پرنسپل مقرر ہوئے جو حکیم محمد سعید نے قائم کیا۔

1939ء میں حکیم محمد سعید نے طبیہ کالج سے اپنی تعلیم مکمل کر لی طب وہ بقول خواجہ حسن نظامی "تھری ایچ" محمد سعید بن چکے تھے یعنی ایک ایچ سے حاجی، دوسرا ایچ سے حکیم اور تیسرے ایچ سے حافظ قرآن۔ بچپن اور لڑکپن میں لاہور کا مشہور زمانہ بچوں کا رسالہ "پھول" مطالعے میں آیا بجنور کا "غنچہ" اور دہلی کا "پیام تعلیم" ان کے محبوب جرائد تھے اسی زمانے میں "معارف" اعظم گڑھ، "نگار" لکھنؤ، "ساقی" دہلی، "منادی" دہلی، "ریاست" دہلی اور "کارواں" لاہور کا مطالعہ بھی شروع کیا۔

حکیم محمد سعید بتاتے ہیں کہ شوکت تھانوی کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو انھوں نے پڑھی نہ ہو ملا رموزی کی گلابی اردو میں بھی ان کیلئے بہت دلچسپی تھی خواجہ حسن نظامی کی ہر کتاب پڑھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے دریا گنج دہلی سے تعارف ہوا ان کی تمام کتابیں ان کے مطالعے میں رہی ہیں۔ 1939ء میں وہ طبیہ کالج میں تعلیم مکمل کر کے فارغ ہو گئے اب حکیم محمد سعید باقاعدہ اور مکمل طبیب بن چکے تھے اب طب کی دنیا میں وہ لازوال نام کمانے والے تھے ہمدرد کی تعمیر نو میں مصروف ہونے والے تھے اور ایک عالم میں "دیسی طب" کو بھی متعارف کرانے والے تھے البتہ ان کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے بات اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب تک لیڈی میکڈانلڈ کا ذکر نہ ہو مسز میکڈانلڈ، کمانڈر انچیف پاکستان ایئر فورس، ایئر مارشل میکڈانلڈ کی اہلیہ تھیں۔ حکیم محمد سعید بتاتے ہیں:

"انگریزی زبان میں گٹ پٹ کرنے کی مشق کراچی میں کی میری استاد ایئر مارشل میکڈانلڈ کی اہلیہ تھیں۔"

یوں وقت کے ساتھ وہ انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل کرنے میں کامیاب

ہوئے۔

ہمدرد صحت

ایک انٹرویو میں حکیم محمد سعید سے ایک سوال پوچھا گیا:

"نوجوانی کے خواب کیا تھے؟"۔

انھوں نے جواب دیا تھا:

"بھائی میں نوجوان ہوا ہی کب؟ جب فن طب کو اپنایا تو یہ فن اپنے ساتھ بزرگیاں لے آیا"۔

اسے ان کا خواب کہہ لیں یا ان کا رجحان طبع، ان کا شوق صحافی بنتا تھا وہ طب کی طرف راغب نہیں تھے لیکن برادر محترم کی آرزو اور خاندان کی روایت کا احترام انھیں مقصود تھا بہر حال صحافت اور تحریر و تصنیف سے اس کا عشق قائم رہا۔

"ہمدرد صحت" کا اجراء دہلی سے حکیم عبدالحمید نے 1932ء میں کیا اس سے انھیں بہت دلچسپی تھی اس کے اولین مدیر خواجہ نیاز احمد مقرر ہوئے تاہم اس کی ادارت کی تمام تر ذمہ داری حکیم عبدالحمید کی تھی۔ 1933ء سے حکیم عبدالحمید کا نام بطور مدیر شائع ہونے لگا جلد ہی "ہمدرد صحت" نے اپنا مقام بنالیا۔ 1937ء میں بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید کا نام بطور مدیر شائع کیا تاہم یہ ان کی تربیت کا آغاز تھا ادارت کے تمام فرائض حکیم محمد سعید نے دراصل 1941ء میں سنبھالے یوں ان کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا اور تحریر و تصنیف کی بنیادیں رکھی گئیں۔ ہمدرد صحت ایک کثیر الاشاعت جریدہ تھا حکیم محمد عبدالحمید نے اس پر خاص توجہ دی تھی اور حکیم محمد سعید نے اسے پروان چڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

حکیم محمد سعید جب جنوری 1948ء میں پاکستان آگئے اور جب ہمدرد کی بنیادیں کچھ مضبوط ہوئیں تو انھوں نے پاکستان سے "ہمدرد صحت" کا اجراء کیا پاکستان میں "ہمدرد صحت" کا پہلا شمارہ جنوری 1951ء میں شائع ہوا لیکن اس کی جلدوں کا تسلسل دہلی سے نکلنے والی 19 جلدوں سے ہی برقرار رکھا گیا۔ چنانچہ اس کی جلد نمبر 20 کا پہلا شمارہ کراچی سے نکلنے والے "ہمدرد صحت" کا پہلا شمارہ تھا۔

میدان عمل

9/ جنوری 1920ء حکیم محمد سعید کا یوم پیدائش ہے اور 9/ جنوری 1940ء کو انھوں نے ہمدرد میں کام کا آغاز کیا۔

اب وہ مستند طبیب تھے صحافت کا آغاز کر چکے تھے دواسازی میں عملی حصہ تو انھوں نے بچپن میں اپنی بہنوں کے ساتھ گولیاں بنا کر ہی لینا شروع کر دیا تھا ان کے سامنے اپنے عظیم بھائی حکیم عبدالحمید کی محنت شاقہ، تدبر اور جانفشانی کی زندہ مثال موجود تھی اب وہ ان کے شانہ بشانہ ہمدرد میں کام کرنے اور ہمدرد کو ایک مثالی اور مضبوط و مستحکم ادارہ بنانے کیلئے میدان عمل میں اتر آئے تھے۔

ہمدرد جسکا آغاز حوض قاضی کی ایک چندفٹ کی دکان میں نہایت قلیل سرمائے سے ہوا تھا جو ایک سو روپے سے زیادہ نہ ہوگا ان کے والد ماجد حکیم عبدالمجید کا لگایا ہوا پودا تھا جس کی آبیاری میں ان کی والدہ محترمہ نے گرانقدر حصہ لیا تھا وہاں سے ہمدرد لال کنوئیں کی ایک دکان میں منتقل ہوا کاروبار کی برکت، دیانت اور صفائی ستھرائی کے بلند معیاروں نے اسے لال کنوئیں سے ہمدرد کی موجودہ جگہ منتقل کر دیا۔

ہمدرد کے بانی حکیم عبدالمجید 22/ جون 1922ء کو جب اللہ کو پیارے ہوئے تو ہمدرد کا کاروبار وسیع ہو چکا تھا اب کوچہ کاسغری میں اس خاندان کا اپنا مکان تھا جہاں 1918ء سے 1946ء تک مقیم رہے۔ 1946ء میں دریا گنج میں ایک کوٹھی میں چلے آئے جہاں پہلے ٹائمز آف انڈیا کا دفتر تھا۔

حکیم محمد سعید کا قتل

محمد سلیمان صابر

کراچی میں حکیم محمد سعید کا قتل اس بات کی علامت ہے کہ ایک کروڑ چالیس لاکھ کی آبادی والا یہ بندرگاہی شہر ابھی تک دہشت گردی اور انارکی کی لپیٹ میں ہے۔ گذشتہ تین سال کے دوران تقریباً تین ہزار افراد موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں لیکن اتنے افراد کا خون بہانے کے بعد بھی یہ ایک المیہ ہے کہ قاتلوں کا بے گناہ شہریوں کا خون بہانے سے ابھی دل نہیں بھرا۔ افسوس ہے کہ جو شخص گذشتہ پچاس سال سے پاکستانی عوام کی بے لوث خدمات انجام دے رہا تھا اور جس نے پاکستان میں طب یونانی کو بام عروج پر پہنچانے کیلئے مدینۃ الحکمت کے نام سے کراچی کے قریب ایک یونیورسٹی قائم کی تھی اسے اس کا صلہ یہ ملا کہ دہشت گردوں اور انسانیت کے دشمنوں نے ان کی اس طرح جان لے لی جس طرح وہ اور بہت سے سرکردہ لوگوں کی جانیں لے چکے ہیں۔ حکومت نے اگرچہ قاتلوں کے گرفتار کرانے کیلئے پچاس لاکھ روپیہ کے انعام کا اعلان کیا ہے لیکن وہ کتنا ہی رقم خرچ کرے حکیم محمد سعید اس دنیا میں آنے والے نہیں ہیں۔ وہ ایک پایہ کے حکیم تھے، دانشور، مصنف اور بہترین منتظم اور بہت سی دوسری خوبیوں کے مالک تھے۔ ہفتہ میں دوروز عام بیماروں کو دیکھنے کیلئے اپنے کلینک میں بیٹھتے اور کوئی فیس نہ لیتے انھوں نے سو سے زیادہ کتابیں لکھیں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کی بنا پر انھیں کچھ عرصہ قبل سندھ کا گورنر بھی مقرر کیا گیا۔ ایسی باصلاحیت شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔ وہ حکیم عبدالحمید صاحب متولی ہمدرد دواخانہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان ترک وطن کر گئے اور ہمدرد فاؤنڈیشن کا اسی طرح پاکستان میں جال پھیلایا جیسا کہ خود حکیم عبدالحمید صاحب نے یہاں ہندوستان میں اس کا جال پھیلایا ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب سال میں دو مرتبہ اپنے برادر بزرگ اور دوسرے اعزاء واقرباء سے ملنے آتے تھے اور اس طرح عملاً وہ دونوں حکومت کے درمیان دوستی اور برادرانہ تعلقات کی علامت تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان خاص طور سے حکیم عبدالحمید اور دیگر اعزاء کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

ردعمل

مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
اداریہ تہذیب الاخلاق لاہور		۹
اظہار حق کی سزا	مولانا اخلاق حسین قاسمی	۹
حکیم محمد سعید کا قتل	طاہر صدیقی ایڈووکیٹ	۱۰
روشنی بجھ گئی	مسعود احمد برکاتی	۱۰
حکیم محمد سعید شہید	رضوان احمد (کراچی)	۱۱
پوری انسانیت سوگوار ہے	حسن ثانی نظامی	۱۱
حکیم محمد سعید: سچائی کی آواز	حکیم محمد عثمان	۱۲
کیا اب کوئی مسیحا زندہ نہیں بچے گا؟	گلزار آفاقی	۱۳
حکیم محمد سعید دہلوی	رضوان احمد (پٹنہ)	۱۵
ایک ہمدرد کا قتل	اداریہ "عوام" نئی دہلی	۱۶
حکیم محمد سعید کی شہادت	غفران احمد (ایم اے)	۱۷
قابل مذمت	ماہنامہ البلاغ ممبئی	۱۸
ہمدرد کے حکیم محمد سعید کا قتل	اداریہ ہفتہ روزہ "نشیمن" بنگلور	۱۹
کراچی میں مسیحا کا قتل	اداریہ روزنامہ "اردو ٹائمز" ممبئی	۲۰
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے	اکبر رحمانی (مدیر "آموزگار" جلگاؤں)	۲۱

حکیم محمد سعید کا ہولناک قتل

اداریہ ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" لاہور نومبر 1998ء

کراچی کی اہم شخصیت سندھ کے سابق گورنر اور شام ہمدرد میں کسی نہ کسی اہم شخصیت کو مدعو کر کے ملک کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل پر تقریر کروانے والے حکیم محمد سعید کو 17 / اکتوبر 1998ء کی صبح 6 بج کر ایک منٹ پر نامعلوم دہشت گردوں نے گولیاں چلا کر قتل کر دیا۔ مرحوم نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہمدرد دواخانے میں داخل ہو رہے تھے کہ کار سواروں کی گولیوں سے ان کے ایک ساتھی حکیم اور گارڈ بھی ہلاک ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم سعید صاحب خود اپنی ذات میں اک انجمن تھے جب وہ قیام پاکستان کے بعد دہلی سے ہجرت کر کے کراچی پہنچے تو اس وقت وہ بالکل نادار تھے مگر اپنی ذاتی اہلیت، محنت، مشقت سے بہت جلد اہمیت کی حامل ایک شخصیت بن گئے۔ وضع داری کا یہ عالم کہ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک وقت بہت مختصر ناشتہ کرتے، ہمیشہ سفید رنگ کی شیروانی پہنتے اور اگر کبھی شاذ ہی بیماری کی صورت میں صرف طب اسلامی سے صحتیاب ہوتے۔ مرحوم اولاد نرینہ سے محروم تھے اور اپنی تمام جائداد واملاک کو ایک ٹرسٹ کی صورت دے دی۔ اکلوتی صاحبزادی ہے جو ٹرسٹ سے منسلک ہے اور ہمدرد ٹرسٹ کے زیر اہتمام تعلیمی اداروں میں خدمات انجام دے رہی ہے۔ مرحوم نے اپنی جائیداد کو وقف کر دیا تھا جس کے حاصل ہونے والی آمدنی کا زیادہ حصہ وہ فلاحی اور تعلیمی منصوبوں پر صرف کر رہے تھے مرحوم نے قوم کے سامنے اپنی شخصیت یوں پیش کی کہ کم کھانا کم سونا اور کم بولنا ان کی صحت کا راز ہے۔ تحقیقی کام کے لئے مدینۃ الحکمت نامی ادارہ قائم کیا اور جدید تعلیم کے فروغ کیلئے ہمدرد یونیورسٹی بنائی مرحوم کی زیر ادارت متعدد جریدے شائع ہوتے تھے سچ ہے۔

مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لئے جئے
جیتا ہے وہ جو مر چکا انسان کے لئے

حکیم صاحب تو گزر گئے مگر وہ علامہ اقبال کی اصطلاح میں بندہ بے لوث تھے رب العزت سے دعا ہے کہ۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نور رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن لاہور اور تہذیب الاخلاق نے اپنے اجلاس میں مرحوم کی ناگہانی موت پر رنج وغم کیا اور شہید قوم کے لئے فاتحہ خوانی کی اور دعا کی کہ اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام متعلقین کو صبر جمیل دے۔ آمین۔

اظہار حق کی سزا

مولانا اخلاق حسین قاسمی

ایک تعمیر پسند اور سلیم الفکر انسان کو حالات کی ہمہ جہت مجبوریاں بے صبری اور گرمی گفتار کی کس منزل پر پہنچا دیتی ہیں اور یہ منزل بے شعوری کے ساتھ نہیں آتی بلکہ وہ اصلا مقاصد کا معمار اپنے انجام سے باخبر ہوتا ہے اور پھر بھی وہ صلیب وسولی کی طرف قدم بڑھاتا رہتا ہے اس کی ایک تاریخی مثال حکیم محمد سعید مرحوم کا حادثہ قتل ہے۔ محترم حکیم عبدالحمید صاحب نے اپنے پوتے کی جانشینی کے سلسلہ میں جو تقریب منعقد کی اس میں میں نے حکیم محمد سعید صاحب کو ان کی ایک تازہ تقریر کی طرف متوجہ کر کے یہ عرض کیا کہ آپ کی یہ ناقدانہ تقریریں حکومت پاکستان کب تک برداشت کرے گی۔

مرحوم نے جواب میں کہا کہ مجھے حکومت سے کیا لینا دینا میں تو اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ پھر مرحوم نے پاکستان کے بارے مولانا آزاد کے تدبر اور تفکر کی تعریف کی۔

مرحوم محمد سعید جہاں اپنے بھائی کی طرح تعمیری منصوبہ ساز تھے وہیں تحقیق ومطالعہ کے آدمی بھی تھے، کراچی کی بگڑتی ہوئی حالت پر انکی تقریریں بڑی دانش مندانہ ہوتی تھیں لیکن ان تقریروں میں حکمرانوں پر نکتہ چینی میں شدت اور اشتعال کا گہرا رنگ بھی ہوتا تھا اور پھر پاکستانی اخبارات ان تقریروں کو نہایت اشتعال انگیز سرخیوں کے ساتھ شائع کرتے تھے۔

سنا ہے کہ مرحوم نے کچھ عرصہ پہلے اپنے بڑے بھائی سے اس بات کی اجازت حاصل کرنی چاہی تھی کہ وہ اب پاکستان کے بگاڑ پر خاموش نہیں بیٹھ سکتے، ظاہر ہے حکیم عبدالحمید صاحب نے انھیں منع کیا ہوگا۔ اجتماعی بگاڑ کے خلاف اظہار حق کی جرأت کو کس طرح قابل مذمت کہا جاسکتا ہے یہ تو اہل حق کا فریضہ ہے، لیکن جو تعمیری منصوبہ مرحوم نے پاکستان میں کھڑا کر دیا تھا اور اسے مزید وسعت دینے کا پروگرام ان کے سامنے تھا اور وہ ایک دوراندیش انسان کی طرح یہ بھی جانتے تھے کہ یہ سارا عظیم منصوبہ بظاہر اسباب صرف ان کے دم کی رونق ہے، پھر یہ صورت حال اس قسم کی جرأت گفتار کی متحمل نہیں تھی البتہ اگر مرحوم حکیم محمد سعید یہ سوچ رہے تھے کہ مہاجر مخالف تحریک انھیں خاموش رہنے پر بھی معاف نہیں کرے گی کیوں کہ بقول ان کے شہر قائد کو جس طبقہ نے ایک خوش حال شہر بنا دیا تھا اب اسے کنگال بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور مہاجر طبقہ کی محنت اور دانش مندی کے ہر نشان کو مٹانے کا ارادہ کیا جا چکا ہے تو پھر مرحوم کا رویہ درست تھا۔

تاریخ مرحوم سعید کے حادثہ قتل کو صرف دہشت گردی کا ایک معمولی واقع قرار نہیں دے گی بلکہ اس کے پس پردہ محرکات پر کھل کر بحث کرے گی اور اس حادثہ کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کے حادثہ قتل کے ساتھ دیکھے گی۔

اے کاش! مہاجرین نے جس اسلامی قومیت کے نعرہ پر ترک وطن کیا تھا اس کا وہ جادلہ آبادی کے دائرہ میں نہیں تھے، وہ اس سنہری نعرہ پر قائم رہ کر اپنے حقوق کی جدوجہد کرتے رہتے، لیکن ہندستانی قومیت سے پرہیز کر کے جو قومیت (مہاجر قومیت) انھوں نے اختیار کی اس کے سیاسی نتائج سے بے خبری انھیں کس حال میں پہنچائے گی؟ اس انجام کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مسلم تاریخ میں مختلف قومیں نظر آتی ہیں لیکن مہاجر قومیت صرف پاکستان کی دین ہے۔

حکیم محمد سعید کا قتل

طاہر صدیقی ، ایڈووکیٹ

روزنامہ "قومی آواز" مورخہ 18/ اکتوبر 1998ء (اتوار) جلی سرخی کے ساتھ ایک المناک خبر لایا کہ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے صدر اور صوبہ سندھ کے سابق گورنر حکیم محمد سعید صاحب اپنے باڈی گارڈ اور سکریٹری سمیت 17/ اکتوبر کو کراچی میں گولیوں سے بھون دیئے گئے۔

مرحوم طبیب حاذق ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی تھے۔ ایک بے مثال خودساز انسان تھے۔ نہایت ممتاز ادیب، دانشور اور مفکر بھی تھے۔ تقریباً ساری دنیا کی سیاحت کر چکے تھے۔ انھیں ابن بطوطہ ثانی کہا جاسکتا ہے کیوں کہ انھوں نے اپنا ہر سفر قلمبند کیا۔ مستقبل میں ان کے سفر نامے بلاشبہ اسی جذبہ اور شوق سے پڑھے جائیں گے جیسے ہم آج ابن بطوطہ کے سیاحتی تجربات اور مشاہدات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ان سے میری آخری ملاقات 8/ اپریل 1998ء کو (عید قرباں کے دن) حکیم عبدالحمید صاحب صدر ہمدرد فاؤنڈیشن ہندستان کی رہائش گاہ واقع 24۔ کوٹلیا مارگ، نئی دہلی میں ایک عصرانہ میں ہوئی تھی۔ اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید صاحب (جو مرحوم کی زندگی اور سیرت کے معمار تھے) کی طرح حکیم محمد سعید صاحب نے بھی پاکستان میں ہمدرد یونیورسٹی قائم کی اور اس کے چانسلر تھے۔ اردو ماہناموں ہمدرد صحت اور نونہال کے ایڈیٹر تھے۔ اس سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مرحوم نے اپنے ملک میں صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان کی سرحد پر تعلیم، سائنس اور کلچر کا ایک شہر مدینۃ الحکمہ قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ مرحوم کا طریقہ کار بھی بہت نرالا تھا۔ اپنے اداروں کے سارے انتظامی امور فجر کی نماز کے فوراً بعد طے کرتے تھے، سارا اسٹاف (متعلقہ افسروں کا) اپنی رہائش گاہ پر بلالیتے تھے۔ ہر ایک افسر کو کار کی سہولت دے رکھی تھی تاکہ کسی کو وقت پر پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔

پاکستان ریڈیو اور ٹی وی پر بھی پابندی سے ان کی تقریریں نشر ہوتی تھیں۔ زندگی کی دوڑ میں وہ ہر محاذ پر دکھائی دیتے تھے۔ کسی سے پیچھے یا کمتر رہنا انھوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کی نظر ہمیشہ ٹاپ پوزیشن پر رہتی تھی۔ شاید ان کی ڈائنمک شخصیت ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

میرے ایک نہایت مالدار موکل نے جو بہت سادگی پسند تھا اور نوٹوں کی گڈیاں مولی ہر پالک کے پتوں کے نیچے تھیلے میں رکھ کر چلتا تھا ایک سوال کے جواب میں کہا تھا "گولی ہمیشہ روشنی پر لگتی ہے" اس کا کہنے کا مطلب تھا کہ جو شخص جتنا اپنی روزمرہ زندگی میں نمایاں ہوتا جاتا ہے اس کی جان کو خطرہ بڑھتا جاتا ہے۔

روشنی بجھ گئی

مسعود احمد برکاتی

17 اکتوبر 1998 عیسوی (۲۵ جمادی الثانی ۱۴۱۹ ہجری) کا المناک حادثہ تمام دنیا کے علم میں آچکا ہے۔ قابل صد احترام حکیم محمد سعید نے اس تاریخ کو جام شہادت نوش فرمایا اور ہم اپنے رہنما اور محسن سے محروم ہوگئے۔

قارئین کرام! ہمدرد صحت کے مدیر اعلا اس رسالے کے سب کچھ تھے۔ ان کے علم، ان کی فکر، ان کے تجربے اور بصیرت سے ہم مستفید ہوتے تھے اور ہمدرد صحت کیلئے بہتر سے بہتر اور مفید سے مفید تر بنانے کی جدوجہد کرتے تھے۔ حکیم صاحب کو عوام کی صحت کا معیار بلند کرنے کی جو فکر اور لگن تھی اس دور میں اس کی مثال الشاذ کالمعدوم کی سی ہے۔ وہ ایک طبیب حاذق تھے اور مریضوں کی خدمت کو اپنی مصروفیات میں اولین حیثیت دیتے تھے۔ حکیم صاحب نے لاکھوں مریضوں کا علاج کیا۔ مطب کرنے کا انھوں نے اپنے کو اس قدر پابند کر رکھا تھا کہ وہ کسی مصروفیت کو اس کام میں آڑے نہیں آنے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حکیم صاحب صدر پاکستان کے مشیر طب (بہ مرتبہ وفاقی وزیر) رہے اور جب وہ گورنر سندھ رہے اس وقت بھی انھوں نے مطب نہیں چھوڑا اور اپنے مقررہ دنوں میں پاکستان کے چار شہروں میں مریضوں کو دیکھتے رہے۔ مریضوں میں فقیر اور وزیر کی تمیز نہیں تھی۔ فیس کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ حکیم صاحب کی شہادت بھی مطب کے دروازے پر ہی ہوئی۔

صحت عامہ کے لئے مطب کے علاوہ وہ تعلیم صحت کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس مقصد کے لئے نشر و اشاعت کے تمام ممکنہ ذرائع استعمال فرماتے تھے۔ حکیم صاحب نے کتابوں اور کتابچوں کی تصنیف و تالیف اور صحت کانفرنسوں کے علاوہ رسائل کے ذریعے سے بھی حفظ صحت کا شعور پیدا کرنے کی مسلسل جدوجہد کی اور آخر تک کرتے رہے۔ ہمدرد صحت ان کا محبوب رسالہ ہے۔ ایک انگریزی سہ ماہی مجلہ ہمدرد میڈیکس بھی باقاعدگی سے ان کی ادارت میں نکلتا ہے۔ ہمدرد صحت کی ترقی و خوبی کیلئے ہر تجویز اور ہر تدبیر سے خوش ہوتے تھے۔ جولائی 98ء میں ہمدرد صحت کے "صحت مند بڑھاپا" نمبر کی کامیابی اور مقبولیت سے نہایت مسرور اور مطمئن تھے اور اس کو بزرگوں کی ایک اچھی اور مستحسن خدمت کہتے تھے۔

آہ! اب حکیم صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن ان کی رہنمائی ہمیں اس معنی میں حاصل ہے کہ ان سے ہم نے جو تربیت حاصل کی ہے اور ان کی نگرانی میں کام کرنے سے جو تجربہ ہمیں حاصل ہوا ہے وہ ہمارا سہارا ہے۔ پھر مدیرۂ اعلا محترمہ سعدیہ راشد کی رہنمائی اور تعاون بھی ہمیں حاصل رہے گا۔ مجلس ادارت کے تجربے کار ارکان ہمدرد صحت کی خصوصیات کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے انشاء اللہ اسی جذبے سے کام کرتے رہیں گے جو حکیم محمد سعید شہید نے ہم میں پیدا کیا ہے۔

حکیم محمد سعید شہید

رضوان احمد (کراچی)

حکیم محمد سعید سے میری ملاقات 40 سال سے تھی۔ میری اہلیہ کے والد سید احمد رشید جو سرسید احمد خان کے پڑنواسے تھے حکیم صاحب سے دہلی میں قبل پاکستان بھی دوستی رہی۔ میں اپنی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ چند سال ان کا پڑوسی بھی رہا۔ پہلی رات جب ان کے پڑوس میں رہائش پذیر ہوا تو دیکھا کہ یہ درویش صفت انسان چھت پر چٹائی بچھا کر سو رہا تھا۔ رات اللہ تعالیٰ نے سکون اور نیند کے لئے بنائی لیکن رات کا کچھ حصہ رب العزت کیلئے گزارنا شہید کا معمول تھا۔ فجر کی نماز کے بعد ان سے فون پر گفتگو کا بہترین وقت ہوتا لیکن صرف چند منٹ، اسکے بعد وہ خدمت خلق کے فرائض کی ادائیگی کیلئے مطب کا رخ کرتے۔ اسی فرض کی ادائیگی میں وہ دنیائے فانی چھوڑ کر حیات جاودانی پاگئے۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔ اللہ مغفرت کرے۔ بڑے ہی نیک، خدا ترس اور پرہیزگار بندے تھے۔ عرصہ ہوا ایک دن بیت اللہ شریف سے واپسی پر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے گھر میں نفل کے بعد بیت الحکمت اور تعلیم گاہ ایک جامعہ کی شکل میں بنانے کا منصوبہ سوچا تھا۔ میری اہلیہ ان کی اہلیہ کو خالہ اور حکیم صاحب کو خالو کہتی تھیں۔ اس مرد مومن نے کہا کہ بیت الحکمت مدینۃ الحکمت میں دانشوروں کیلئے ایک بستی بساؤں گا اور نیر علی بی بی (میری اہلیہ) کو بھی ایک پلاٹ دوں گا۔ میری اہلیہ نے کہا خالو! جب میرا مکان بن جائے گا تو آپ روح افزاء کی ایک پائپ لائن بھی لگوا دیجئے گا۔ اس بات کو سن کر بہت ہنسے اور جب بھی ملاقات ہوتی تو اس فرمائش کو یاد کر کے بہت ہنستے تھے، جب سندھ کے گورنر بنے تو یوم پاکستان کے موقع پر گورنر ہاؤس میں مجھ سے تقریر کروائی اور لوگوں سے تعارف کرایا کہ "میں ان کی اہلیہ کا خالو ہوں۔" میں نے کہا مگر آپ میرے خالو بننے کے لئے تیار نہیں تو فرمایا کہ آپ میرے بھائی ہیں خالو کیسے کہنے دوں؟" چند سال قبل میں نے اپنا سارا کتابوں کا خزینہ حکیم صاحب کو تحفے میں دیدیا جو "رضوان کلیکشن" کے عنوان سے بیت الحکمت میں موجود ہے۔ اس میں قائد اعظم کے بارے میں دیگر دستاویزات کے ساتھ ان کے خطوط (اصل) تقریباً 350 موجود ہیں جسے بیرون ملک کی آرکائیوز کثیر رقم میں حاصل کرنا چاہتی تھیں چونکہ یہ دستاویزات میرا کلیکشن تو تھیں لیکن ملکیت قومی ہے ذاتی نہیں۔ یہ خطوط تین جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ پہلی جلد شائع ہوتے ہی اسلام آباد میں اس کتاب کی رونمائی صدر پاکستان کے ہاتھوں اسی ہفتے میں کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ واضح رہے کہ صدر پاکستان بربنائے عہدہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے "پیٹرن۔ ان چیف" ہوتے ہیں۔ اب حکیم محمد سعید شہید کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے قانونی طور پر حکیم صاحب کی دختر نیک اختر محترمہ سعدیہ راشد چانسلر ہمدرد یونیورسٹی اور چیئرپرسن ہمدرد فاؤنڈیشن کے فرائض ادا کریں گی۔ اللہ محترمہ سعدیہ کو وہی حوصلہ، جذبہ اور ملی خدمت، پاکستان سے محبت اور پاکستان کی تعمیر، راست بازی، وقت کی پابندی، نونہالوں سے شفقت، اخلاق کا پیکر اور بہت ساری انسان دوستی جیسے اوصاف عطا فرمائے۔ سرسید احمد خان نے مسلم یونیورسٹی کا خواب دیکھا لیکن ان کی زندگی کے بعد اس کی تعبیر سامنے آئی۔ حکیم محمد سعید کو اللہ نے نوازا کہ انھوں نے جو یونیورسٹی کا منصوبہ بیت اللہ شریف میں سوچا وہ ان کی زندگی ہی میں مکمل ہو گیا اور تعلیم کا چند سال پہلے آغاز بھی ہو گیا۔ اللہ اپنے اس برگزیدہ بندے کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

پوری انسانیت سوگوار ہے

حسن ثانی نظامی

مہاتما گاندھی کے قتل پر مشہور انگریز قلم کار برناڈشا نے کہا تھا کہ "آج معلوم ہوا کہ زیادہ نیک ہونا بھی کتنا خطرناک ہے۔" ہمدرد بھائیوں میں سے عالی جناب حکیم عبدالحمید صاحب مدظلہ العالی کے چھوٹے بھائی اور انہی کی مثال حکیم سعید نور اللہ مرقدہ کی نیکیاں اور خدمتیں ان کے لئے بلائے جان بن گئیں انھیں 17/اکتوبر کو موٹر سے اترتے وقت ستم کی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ابلیس نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ وہ ہر بھلے مانس کے لئے گھات لگا کر بیٹھے گا۔ لیکن جس سماج نے شیطان کو گھات لگانے کی اجازت دی۔ گھات کے مواقع فراہم کئے۔ وہ اپنی ذمے داری سے بچ نہیں سکتا۔ اس کو خدا کے سامنے دنیا و آخرت دونوں جگہ جواب دہی کرنی پڑے گی۔ جن لعینوں نے حکیم سعید صاحب کو قتل کیا ہے۔ ان کے قتل میں معاون ہوئے ہیں انھوں نے تاریخ کے بدترین مجرموں میں اپنا نام لکھوالیا۔ اور دوزخ میں جانے کے حکم نامے پر اپنے آپ دستخط کرائے اللہ تعالیٰ حکیم سعید صاحب مرحوم کے برادر بزرگ قبلہ حکیم عبدالحمید صاحب، خاندان کے دوسرے افراد خاص طور پر مرحوم کی صاحبزادی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ حکیم صاحب کی شہادت سے آج پوری انسانیت سوگوار ہے۔ یہاں حکیم صاحب مرحوم کی خدمتوں کو گنوانے کا موقعہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بات کہنی ضروری ہے کہ دیگر بے شمار نعمتوں کے ساتھ شہادت کا اعزاز بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما کر ہمیشہ کی زندگی بخش دی۔ ایسی زندگی جس کا ہمیں شعور چاہے نہ ہو۔ لیکن جس میں رزق تک کا وعدہ ہے۔ جس شان سے انھوں نے زندگی کا حق ادا کیا۔ اور جس شان سے دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ ان کے کام اور خدمتوں کا اپنی جگہ خود ایک اجر ہے۔ ایسا اجر جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ لیکن یہ چیز ہمارے غم کو انسانیت کے غم کو کم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ حکیم صاحب کا قلق ہر اس دل کو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ جو واقعی کسی انسانی سینے میں دھڑکتا ہے۔ مرحوم کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حافظ و ناصر رہے۔ حکیم صاحب کا سوگ پوری انسانیت کا سوگ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ڈھارس دے سہارا عطاء فرمائے۔ آمین۔

حکیم محمد سعید : سچائی کی آواز

حکیم محمد عثمان

سمجھ میں نہیں آتا بات کہاں سے شروع کروں اور کیسے شروع کروں۔ ہاتھوں سے بار بار آنکھیں ملنے کے باوجود دھندلاہٹ کم نہیں ہو رہی بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ دل اور دماغ اس سانحے کو قبول کرنے کو تیار نہیں، پورے بدن میں خون منجمد سا محسوس ہوتا ہے۔ سارے جسم کی توانائی گویا کسی نے نچوڑلی ہے اور ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم کئی من وزنی محسوس ہو رہا ہے، 17/ اکتوبر کی صبح تقریباً پونے سات بجے فون کی گھنٹی سنتے ہی بے اختیار منہ سے یہ آواز نکلتی ہے یاالٰہی خیر ہو، فون اٹھایا تو میرے برادر نسبتی کی آواز سنائی دی مطب ہمدرد آرام باغ کا راستہ پولیس نے بند کر رکھا ہے شاید وہاں کوئی سانحہ ہوا ہے اور غالباً یہ سانحہ حکیم صاحب کے ساتھ ہوا ہے، میرے سر سے لے کر پاؤں تک درد کی ایک لہر دوڑ گئی، مختلف جگہوں پر فون کے ذریعے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن کہیں رابطہ نہیں ہو سکا۔ میں فوراً مطب کی طرف دوڑا مطب پہنچا تو اپنی آنکھوں سے یہ دل خراش منظر دیکھا کہ مطب کے باہر خون ہی خون ہے، مطب کے با اعتماد ملازم خان چاچا نظر آ گئے، میں نے پوچھا حکیم صاحب خیریت سے ہیں خان چاچا بے اختیار مجھ سے لپٹ گئے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے، میرے ضبط کا بندھن بھی ٹوٹ گیا، کچھ دیر بعد خان چاچا نے بتایا کہ حکیم صاحب کو سول اسپتال لے جایا گیا ہے میں بھاگم بھاگ اسپتال پہنچا تو دیکھا کہ ایک کمرے میں اسٹریچر پر حکیم صاحب پُر سکون نیند سو رہے ہیں، دوسرے اسٹریچر پر ان کے معاون طبیب حکیم عبدالقادر رلدی نیند سو رہے تھے۔ دل سے آواز آئی کہ وطن عزیز کا آخری خیر خواہ آج ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ حکیم صاحب کا جسد خاکی لے کر جانے والی ایمبولینس کے پیچھے ان کی قیام گاہ ہمدرد ہاؤس کی گلی میں داخل ہوا تو ہر طرف لوگ ہی لوگ نظر آئے، پلکوں پر آنسوؤں کا سمندر سمیٹے ہوئے لوگ، ہر شخص دوسرے شخص سے لپٹ کر خود تو رو رہا ہے لیکن دوسرے کو دلاسا دے رہا ہے۔ ایک حکیم صاحب کی نواسیاں ماہم اور فاطمہ بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر نقیب الظفر، ڈاکٹر مبین، حکیم اقبال، تصویر حمیدی، برکاتی صاحب، زبیری، رحمٰن علی، عبدالعزیز، افضل حسین اور دیگر بہت سے احباب غم کی تصویر بنے موجود ہیں، غسل کے مراحل سے فارغ ہونے کے تھوڑی دیر بعد دوستوں اور اہل خانہ نے حکیم صاحب کا آخری دیدار کیا اور یہ سلسلہ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا، حکیم صاحب کے چہرے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ فرائض کو پوری دیانت داری سے ادا کرنے کے بعد اپنے قلب اور ضمیر کے پورے اطمینان کے ساتھ پُر سکون اور گہری نیند سو رہے ہیں۔ حکیم صاحب کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر طرف آہوں اور سسکیوں کا شور بلند ہوا کہ دل ڈوبنے لگا۔ جی چاہا کہ وقت کو یہیں روک لینا چاہئے اور حکیم صاحب کو جدا نہ ہونے دیا جائے، نماز جنازہ میں شریک ہر شخص غم کی ایسی تصویر بنا نظر آتا تھا کہ جیسے یہ نقصان اس کا ذاتی نقصان ہو۔ ہر چند کہ حکیم صاحب کے زیر سایہ کام کرنے کا عرصہ برسوں پر محیط نہیں ہے لیکن اس پورے عرصے کا ایک ایک لمحہ زندگی کی بہترین یادوں پر مشتمل ہے مجھ سمیت ادارۂ ہمدرد سے وابستہ ہر کارکن اس بات پر ہمیشہ فخر کرتا رہے گا کہ وہ حکیم محمد سعید کا ساتھی تھا۔ انھوں نے ہمیشہ ایک شفیق باپ کی طرح ہم سب کو اپنی اولاد کی طرح چاہا اور ہمیشہ ہم سب کو اپنا رفیق کار کہا بھی اور سمجھا بھی، حکیم صاحب کی پوری زندگی ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح موجود ہے۔ تصنع سے پاک انکساری ان کی شخصیت کا لازمی حصہ رہی۔ سخت محنت کی عادت نے انھیں کبھی سامان تعیش اور آسائشوں کا عادی نہیں بننے دیا۔ بارہ بارہ پندرہ پندرہ گھنٹے روزانہ کام کرنا ان کا معمول تھا۔ حسن اخلاق، شیریں سخنی اخلاص اور پابندی وقت ان کی ذات کا جزو لاینفک تھے۔ آخری تین دن انھیں تین عنوانات پر کام کرتے گزرے۔ جمعرات کے روز پی ٹی وی کراچی اسٹیشن پر انھوں نے علم کے فروغ اور عالم کے احترام کے حوالے سے بہت خوبصورت گفتگو ریکارڈ کروائی، جمعے کے روز ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں منشیات کے خلاف نونہالوں کی ذہنی تربیت میں مصروف رہے اور ہفتے کے روز مریضوں کی خدمت کرنے کے لئے مطب پہنچتے ہی شہادت کے مرتبہ عظمیٰ پر فائز ہو گئے۔ ایک بات اور جو میں نے حکیم صاحب محترم کی ذات میں بڑی شدت سے محسوس کی وہ تھی پاکستان سے غیر متزلزل محبت اور اسی محبت کے حوالے سے عموماً وہ ذمہ داران وطن عزیز کی توجہ تعمیر وطن کی طرف دلاتے رہتے تھے اور اس توجہ مبذول کرانے کے دوران کبھی بہت تلخ بھی ہو جایا کرتے تھے۔ 16/ اکتوبر بروز جمعۃ المبارک، ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی کی تقریب ختم ہوئی عموماً کوئی بھی تقریب ختم ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد حکیم صاحب ہوٹل سے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس روز انھوں نے تقریب ختم ہونے کے بعد خلاف معمول بہت زیادہ وقت نونہالان وطن کے ساتھ بیٹھ کر گزارا اور آٹوگراف دیئے۔ ان کی جدائی ان کے اہل خانہ، ہمدرد اور احباب کے لئے ذاتی نقصان سے کم نہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔ آمین

(جنگ کراچی 19/ اکتوبر 98ء)

کیا اب کوئی مسیحا زندہ نہ بچے گا؟

گلزار آفاقی

یہ خبر نہیں قہر تھا' جو بجلی بن کر مجھ پر ٹوٹا
عطا اور وفا پیکر جفا کا شکار ہو گیا
شفا بانٹنے والا دغا کا نشانہ بن گیا
علوم و فنون کی روشنیاں بکھیرنے والا نفرتوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔
مدینۃ الحکمت بنانے والا جہالت کے بیابانوں میں رلا دیا گیا۔
دست قاتل کیا اٹھا کہ ایک انسان اٹھ گیا' ایک جہان اٹھ گیا' ایک مسیحا ہم سے جدا ہو گیا۔
وہ کہ ایک حکیم تھا' حکمت والا
ایک مرد سعید تھا' سعد کاموں والا' سعد ساعتوں والا
ایک بندہ عجیب تھا' کہ چند ایک کو نہیں سارے جہاں کو عزیز تھا۔
حکیم محمد سعید' وہ مرد سعید' وہ بندہ عزیز اب ہم میں نہیں رہے۔
اناللہ وانا الیہ راجعون

وہ میرے لئے بہت مہربان ہستی رہے ہیں۔ اس خاکدان میں ایک ادارے اور تحریک کی سی وسعتیں اور جہتیں بسی ہوئی تھیں۔ میری شکستہ پائی کے دنوں میں ان کے متین چہرے پر کھلا ہوا تبسم' زندگی کی اندھی گلی میں روشنی اور امید کے دریچے وا کرنے کا باعث بنتا رہا۔ میں نے ان کے ہاں دوا' دعا اور شفا کی ایک ٹھنڈی اور رسیلی جوئے آب کو ہمیشہ رواں پایا۔ علم اور عمل کے آمیزے میں گندھا ہوا ایسا کردار' فہم و فراست سے آراستہ ایک مصلح' ماہر نباض اور ہمدرد حکیم ہی کا ہو سکتا ہے۔

یہ ساٹھ کی دہائی کا ذکر ہے۔ "شام ہمدرد" میرے اور حکیم محمد سعید صاحب کے درمیان تعلق کی وجہ بنی۔ ان دنوں لاہور کے موجودہ آواری ہوٹل کی جگہ پارک ہوٹل ہوا کرتا تھا۔ جہاں ہر مہینے ایک علمی و فکری محفل برپا ہوا کرتی' حکیم محمد سعید صاحب کا ٹھہرے اور سبک لہجے میں ڈھلا ہوا افتتاحیہ اور متعین موضوع کے حوالے سے کسی صاحب علم و حکمت کا کلیدی مقالہ اس محفل کی روح ہوتے تھے۔ میں ہائی اسکول کا ایک بے وسیلہ طالب علم تھا اور کسی اعتبار سے بھی شام ہمدرد کے مدعوئین کی فہرست میں شمولیت کی "اہلیت" نہ رکھتا تھا۔ تاہم علم کی پیاس مجھے کشاں کشاں اس محفل میں لئے جاتی۔ اکثر اوقات منتظمین کی طرف سے جھڑکیاں ملتیں اور مجھے جلسہ گاہ کے باہر کھڑے ہو کر علم و حکمت کے موتی چھنٹے پڑتے۔

ایک بار میں مختلف سائز کے خالی لفافے جیب میں ڈال کر متعلقہ ہوٹل پہنچ گیا اور دور کھڑا ہو کر شام ہمدرد میں آنے والے مہمانوں کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دعوت ناموں کے سائز کو حلقہ بصارت میں سمیٹتا رہا۔ جب ایک خاص سائز پر میرا یقین قائم ہو گیا تو میں اس سائز کا خالی لفافہ ہاتھ میں لہراتے ہوئے شام ہمدرد میں داخل ہو گیا۔

تقریب کے اختتام پر جب مدعوئین کی ایک غالب تعداد روح افزا اور کیک پیسٹریوں پر ندیدوں کی طرح ٹوٹ رہی تھی' میں ایک گوشے میں چند دوستوں کے جلو میں کھڑے حکیم محمد سعید صاحب کی طرف گیا اور علیک سلیک کے بعد انھیں تقریب میں داخل ہونے کیلئے اپنی اختیار کردہ "چالاکی" سے آگاہ کیا۔ ان کے چہرے پر تبسم کی لاٹ پھیل گئی۔

میں نے نہایت ادب سے گزارش کی کہ وہ شام ہمدرد کیلئے مدعوئین کی فہرست پر نظر ثانی کریں اور "شکم پرست" چوہیوں کی بجائے ان لوگوں کو ترجیح دیں جو ذہن کی پیاس بجھانے کے متمنی ہوں۔

قبلہ حکیم صاحب نے میری تجویز سے آدھا اتفاق اور آدھا اختلاف کیا۔ آدھے اتفاق کے تحت میرے لئے شام ہمدرد کا در کھل گیا اور آدھے اختلاف کے تحت انھوں نے کھانے پینے کے مینو میں قدرے اضافہ کر دیا وہ کہا کرتے تھے کہ آشوب زدہ معاشرے میں علم و ہنر کی ترغیب کیلئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

1970ء میں' میں جناب غلام اکبر کے رسالے "فلم ٹائمز" کے ادارتی عملے میں شامل ہوا۔ "اساس" کے ایڈیٹر مستنصر جاوید صاحب میرے بڑے شفیق سنیئر ساتھی تھے۔ "فلم ٹائمز" روایتی پھکڑ بازی اور فلمی اشتہا انگیزی کی بجائے ایک سنجیدہ اور متوازن جریدہ تھا جو فلم کو ہفت خوان سمجھتے ہوئے اسے سماجی تبدیلی کے ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا داعی تھا۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے پاکستانی صحافت میں فوروموں کا سلسلہ ہم نے ہی متعارف کروایا تھا۔ اس کے علاوہ اس پرچے کی خصوصیت اس کے موضوعات کی ندرت اور تازگی ہوتی تھی۔ ہر نیا شمارہ نئے نئے عنوانات سے آراستہ ہوتا۔

ایک بار ہم نے "آمنا سامنا" کے عنوان سے ایک فیچر متعارف کرایا۔ جس میں

ایک نامور فلمی شخصیت کے ساتھ زندگی کے کسی بھی شعبے کی نمایاں ہستی کا علمی سطح پر آمنا سامنا ہوتا۔ ایک زیر ترتیب شمارے کے لئے یہ موضوع طے ہوا "قومی صحت کی تباہی کی ذمہ دار۔ دو نمبر دوائیاں یا فلمیں"

مجھے یاد ہے ان دنوں شام ہمدرد کی تقریب لاہور کے پی سی تب انٹر کانٹی نینٹل میں ہونے لگی تھی۔ ایک ایسی ہی شام میں اپنے موضوع کے ساتھ حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ انھوں نے آمنے سامنے میں شمولیت کی فوراً حامی بھر لی۔

کب کریں گے آپ یہ پروگرام

آج ہی بلکہ ابھی

تو پھر لائیے اس آمنے (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے سامنے کسی کو

میں نے چند لمحے توقف کی اجازت چاہی۔ اتفاق سے اس روز جناب علی سفیان آفاقی نے شام ہمدرد میں حاضری کی بات کی تھی چنانچہ میں ان کی تلاش میں ادھر کو ہر جستیں بھرنے لگا۔ وہ جلد ہی میرے ہتھے چڑھ گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے "آمنا سامنا" شروع ہوگیا۔ مگر بات بہت پھیل گئی۔ میں حیران تھا کہ حکیم صاحب کو اپنے موضوع کے ساتھ فلم اور دیگر فنون پر بھی غیر معمولی علمی دسترس حاصل تھی۔ میں بہت خوش نصیب تھا کہ آمنا سامنا کے آخری حصے کی گفتگو کیلئے میری دعوت پر حکیم محمد سعید صاحب ایک فلمی رسالے کے دفتر تشریف لائے اور دیر تک علم و ہنر کے موتی بکھیرتے رہے۔

قبلہ حکیم محمد سعید کی ساری گفتگو کا ماحصل یہ تھا:

"کسی بھی بڑے اور عظیم مقصد کے حصول کیلئے صرف وہی حکم موثر اور دیرپا ہوتا ہے جو حکمت سے آراستہ ہو"۔

جب وہ صوبہ سندھ کے گورنر تھے تو مجھے ایک وفد کے ہمراہ ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک طویل تعطل کے باوجود ان کی شرافت اور یادداشت کا یہ عالم تھا کہ مجھے دیکھتے ہی نام لے کر پکارا اور گلہ کیا کہ میں نے ان سے سماجی تعلق ترک کردیا ہے۔

"آپ جانتے ہیں اس گورنر ہاؤس میں کیا کیا چیزیں پلتی رہی ہیں۔ ملک غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان، مارشل لاء"

انھوں نے مجھے یہ کہتے ہوئے روک دیا

"مگر میرا افتخار تو یہ ہے کہ اس عمارت کو میرے قائداعظم کی میزبانی کا شرف حاصل رہا ہے"۔

"گورنر ہاؤس میں رہنے کا تجربہ کیسا ہے"۔

"کچھ نہ پوچھئے یہ لوگ انسان کو بلیو بک کا قیدی بنا کر رکھ دیتے ہیں۔" پھر اپنے قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متبسم ہوئے

"مگر اسے کون قیدی بنا سکتا ہے۔"

کچھ عرصہ پہلے حکیم صاحب نے لاہور میں منعقدہ شام ہمدرد میں تقریر کرتے ہوئے ایک ایسی بات کہہ دی جو ان جیسے توازن بدوش اور حکیمانہ اسلوب حیات رکھنے والے شخص سے کوئی لگا نہ کھاتی تھی۔ اطلاعات کے مطابق انھوں نے کہا تھا کہ اس ملک سے ایک سو بڑے آدمی اکٹھے مار دیئے جائیں تو عوام روزانہ مرنے سے بچ جائیں گے۔

میں جانتا تھا کہ حکیم صاحب جیسے حساس شخص نے یہ فقرہ، معاشرتی آشوب اور ہمہ جہتی کرپشن کے تناظر میں کہا ہے۔ اس سے معاملے کی سنگینی کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود میں حکیم صاحب کی ایک سو افراد کو اکٹھے ہلاک کرنے کی تجویز سے اتفاق نہ کرسکا۔ کیونکہ یہ میری متعین رائے ہے کہ ایک سو سانپوں کو مارنے کی بجائے ان کے ڈنگ اور زہر نکال دینا چاہیے۔ دولت و ثروت کے سرچشموں پر موجود ان کے ناجائز تصرف اور قبضے ختم کردیئے جائیں تو یہ زہریلے اور خون خوار سانپ خود بخود دم توڑ دیں گے۔ میں نے اس اختلاف کو اپنے کالم "حرف آرزو" میں بھی بیان کیا۔ میری طرح فلم قبیلے کے دوسرے کئی محترم ساتھیوں نے بھی ان کے موقف پر متنوع تبصرہ آرائی کی۔ میرا تاثر یہ ہے کہ اس کے بعد حکیم صاحب نے غالباً اپنی رائے سے رجوع کرلیا تھا۔

حکیم محمد سعید صاحب نے تو معاشرے میں حد درجے بڑھتی ہوئی کرپشن بدعنوانی اور لوٹ کھسوٹ کے ذمہ دار عناصر اور معاشرے کو چمٹی ہوئی جونکوں کے خاتمے کی تجویز دی تھی اور اندھیر نگری اور بیماری پھیلانے والے جراثیم کے اتلاف کا مشورہ دیا تھا۔

مگر یہ دست قاتل نے کیا کیا؟

اس نے تو صحت، زندگی، علم اور روشنی کی ایک تحریک کو ایک تاریخ کو ٹھکانے لگا دیا۔

کیا ہمارا سماجی آشوب اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ اب یہاں کسی مسیحا کی سلامتی یقینی نہیں رہی۔

میرا لہو لہو دل پکار رہا ہے "کیا اب یہاں کوئی مسیحا زندہ نہ بچے گا۔؟

بقیہ حکیم محمد سعید دہلوی

کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید صاحب نے ہندوستان میں جو خدمات انجام دی ہیں انھیں بے حد قدر و قعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور سبھی حلقوں میں انکی عزت ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے انھوں نے اپنے پیچھے صرف ایک صاحبزادی سعدیہ راشد کو چھوڑا ہے اللہ تعالیٰ انھیں صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمدرد کی خدمات کی توسیع میں ان کے حوصلوں کو زیادہ کرے۔ حکیم عبدالحمید اور مرحوم حکیم محمد سعید دہلی کی دو ایسی درخشاں شخصیتیں ہیں جنھوں نے طب یونانی کی بے پایاں خدمات انجام دی ہیں اور اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب ایسی شخصیتیں ناپید ہوتی جارہی ہیں شاید اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بھائیوں کو جس سانچے میں ڈھالا تھا اس کے بعد وہ سانچہ ہی توڑ دیا۔

حکیم محمد سعید دہلوی

رضوان احمد (پٹنہ)

حکیم محمد سعید دہلوی کو گذشتہ 17ر اکتوبر کی صبح کراچی میں قتل کر دیا گیا وہ معمول کے مطابق نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد مریضوں کو دیکھنے کیلئے اپنے مطب تشریف لے گئے تھے اور گاڑی سے اتر ہی رہے تھے کہ 78 سالہ حکیم محمد سعید کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔

حکیم محمد سعید کوئی معمولی شخصیت نہیں تھے تقسیم ملک کے بعد ہی وہ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی آئے تھے اور نصف صدی تک اس ملک کی تعمیر نو میں حصہ لیا انھوں نے طب یونانی کی جو خدمات انجام دیں وہ بے مثال ہیں جہاں ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے ہندوستان میں ہمدرد وقف کے ذریعہ طب یونانی کا پرچم بلند رکھا وہیں ان کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید نے پاکستان کے چپے چپے پر طب یونانی کی چھاپ چھوڑی نہ صرف پاکستان انھوں نے ساری دنیا میں ہمدرد کی شاخیں پھیلا دیں ہمدرد نے محض طب یونانی کی خدمت نہیں انجام دیں بلکہ متعدد سماجی کاموں میں بھی اس وقف نے اپنے وسائل صرف کئے۔ کراچی کے پاس سوا ایکڑ رقبہ پر انھوں نے مدینۃ الحکمت کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی جس میں تمام اقسام کے علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی ہے یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو پاکستان میں تعلیمی شعبے میں نمایاں انجام دے رہا ہے انھوں نے کئی اخبارات ورسائل بھی نکالے۔ حکیم محمد سعید خود چھ درجن سے زائد کتابیں لکھیں اور بچوں کو اللہ رسول اور نبیوں کے حالات سے متعارف کرانے والی کتابیں شائع کی جنھیں نہ صرف پاکستان میں مقبولیت حاصل ہے بلکہ ہندوستان میں بھی ان کی یہ کتابیں ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں وہ صرف ہمدرد وقف کے صدر نشیں ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے اپنی زندگی کو ہی طب یونانی اور دوسرے علوم وفنون کیلئے وقف کر دیا تھا ان کی زندگی اپنی نہ تھی بلکہ عوام کی تھی اسی لئے نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد سے ہی نماز عشاء کے بعد تک وہ عوام کی خدمت میں لگے رہتے تھے ان کی زندگی بے مثال تھی وہ چاہے جنرل ضیاء الحق کی وزارت میں وزیر صحت رہے ہوں یا سندھ کے گورنر انھوں نے مریضوں کو دیکھنا ترک نہیں کیا اول اور آخر طبیب تھے اسی لئے جب گورنر تھے تب بھی مریضوں کو دیکھتے تھے نسخے لکھتے تھے اور انھیں دوائیں دیتے تھے اور اسی مشن میں جان بھی دے دی۔

حکیم محمد سعید سے میری شناسائی نہیں تھی مجھے اس بات کا علم ضرور ہے کہ میرے والد مرحوم (حکیم غبار بھٹی صاحب) سے ان کے ذاتی مراسم تھے وہ جس زمانہ میں ہمدرد دواخانہ دہلی سے وابستہ تھے اس وقت سے ہی ان کے حکیم عبدالحمید کے علاوہ حکیم محمد سعید صاحب کے تعلقات ہو گئے تھے اور جب والد صاحب دہلی سے منتقل ہو کر پٹنہ آگئے تب بھی ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ 1959ء میں جب والد صاحب نے ہمدرد دواخانہ سے استعفیٰ دیا تو کراچی سے حکیم محمد سعید صاحب نے انھیں خط لکھا تھا کہ آپ میرے پاس کراچی میں آجایئے تو ہم لوگ مل جل کر یہاں طب یونانی کی خدمت کر سکیں گے لیکن والد صاحب کو پتہ نہیں کیوں پاکستان سے الرجی تھی اسی لئے انھوں نے وہاں کا بھی کوئی دعوت نامہ قبول نہیں کیا اور پھر انھوں نے پٹنہ ہی رہنا پسند کیا البتہ حکیم محمد سعید صاحب سے ان کی خط و کتابت کا سلسلہ بہت بعد تک جاری رہا میں نے صرف ایک بار انھیں بہت نزدیک سے دیکھا تھا دس بارہ سال قبل میں دہلی میں تھا تو حکیم عبدالحمید صاحب کے دولت کدہ پر ایک تقریب تھی کراچی حکیم محمد سعید بھی تشریف لائے تھے ہمدرد دواخانہ کے چیف جنرل منیجر مرحوم شمش الرب صدیقی صاحب جن سے ہم لوگوں کے بڑے گھریلو مراسم تھے وہ مجھے اس تقریب میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور میرا تعارف حکیم محمد سعید سے کروایا تھا والد صاحب کا حوالہ دیتے ہی وہ بہت ہی گرم جوشی سے ملے تھے اسکے بعد جب میں 1991ء میں کراچی گیا تو ارادہ تھا کہ ان سے ملاقات کروں گا ہمدرد فاؤنڈیشن کے پبلکیشن افسر مسعود احمد برکاتی صاحب سے رابطہ قائم کیا تو پتہ چلا کہ حکیم صاحب غیر ممالک کے دورہ پر گئے ہوئے ہیں ان سے میری ملاقات نہیں ہو سکی لیکن میں ان کیلئے والد صاحب کا شعری مجموعہ سولوشام چھوڑ آیا تھا جسکی رسید کے طور پر انھوں نے مجھے خط بھیجا تھا اور بعد میں اس پر ہمدرد صحت میں تبصرہ شائع کیا تھا انھوں نے بہت اچھا اور مشفقانہ خط لکھا تھا کہ میں کراچی آیا اور ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

ان کے قتل کی خبر سن کر میں دم بخود رہ گیا جس نے ملک کی تعمیر نو میں اتنا اہم کردار ادا کیا ہو جس نے اپنی ساری زندگی عوامی کاموں کیلئے وقف کر دی ہو کیا اس کا انعام گولیوں کے ذریعہ سینہ چھلنی کر کے دیا جاتا ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ انھوں نے اپنی خدمات کے عوض ملک کو جو کچھ دیا ان کو اس کا یہ انعام ملا حالانکہ ان

(باقی صفحہ 14 پر)

ایک ہمدرد کا قتل

اداریہ "عوام" نئی دہلی

پاکستان میں ہمدرد کے بانی اور صوبہ سندھ کے سابق گورنر حکیم محمد سعید کو دہشت گردوں نے نماز فجر کے بعد ان کے مطب میں گولی ماردی۔ مملکت خداداد کے باشندوں نے یہ سلوک اس شخص کے ساتھ کیا جو ان کا ہمدرد تھا ان کے دکھ درد میں برابر کا شریک تھا اور جس نے اپنی ساری زندگی دوسروں کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی۔ ہزاروں مریض جس کے دست شفا سے فیضیاب ہوتے تھے وطن کے اس بے لوث خدمت گار کو پاکستان کے ان ظالم دہشت گردوں نے اپنی سفاکی اور تشدد کا نشانہ بنا ڈالا۔

حکیم محمد سعید ہندوستان کے مایہ ناز حکیم اور ملک میں اپنی نوعیت کی واحد یونانی تعلیم کی یونیورسٹی جامعہ ہمدرد کے بانی حکیم عبدالحمید کے چھوٹے بھائی تھے۔ ظالموں نے انھیں کل بعد نماز فجر اس وقت اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا جب وہ کراچی کے اپنے مطب میں مریضوں کو دیکھ رہے تھے۔ حکیم صاحب کا یہ معمول تھا کہ پشاور، اسلام آباد اور کراچی میں مطب کرتے تھے اور یہاں ہزاروں کی تعداد میں مریض ان کے دست شفا سے فیضیاب ہوتے تھے۔ حکیم محمد سعید جنرل ضیاء الحق کے زمانہ میں وزیر تعلیم تھے اور بعد میں صوبہ سندھ کے گورنر مقرر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ حکیم سعید کا ادبی دنیا میں بھی اپنا ایک الگ مقام تھا۔ حکیم صاحب نے متعدد سفر نامے لکھے جن میں کوریا کہانی، جرمنی نامہ اور یوروپ نامہ قابل ذکر ہیں۔ حکیم محمد سعید اخباروں کے لئے بھی مستقل کالم لکھتے رہے۔

پاکستان میں حکیم محمد سعید مرحوم اور ہندوستان میں ان کے برادر محترم حکیم عبدالحمید نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت کی کسی امداد کے بغیر اتنے بڑے پیمانے پر وہ صرف طبی بلکہ تعلیمی مشن کو زندہ رکھنے کا جو عظیم کارنامہ برصغیر میں ان بھائیوں نے انجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

پاکستانی معاشرہ میں قتل وغارت گری کا رجحان جس تیزی سے بڑھ رہا ہے وہ اس سب کے مستقبل کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ ایک مسلم معاشرہ میں جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن بنا بیٹھا ہے اس نے مملکت اسلامیہ کا دعویٰ کرتے کرتے اس ملک کو ایسے شرمناک موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جو خود اس کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے۔ کبھی مہاجروں کے خلاف اعلان جنگ ہے تو کبھی سنی شیعہ اور شیعہ سنی کے پیچھے تیغ بکف ہے۔ مساجد میں مسلمانوں کا قتل یہاں کے معمولات میں شامل ہو چکا ہے۔ جدھر دیکھئے ایک نراجی کیفیت طاری ہے۔ ہر طرف خون، بھائی کے ہاتھوں بھائی کا قتل، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، آبروریزی بدعنوانی غرض ہر معاملہ میں سرفہرست ہتھیاروں کی بہتات، انتظامیہ مفلوج، حکمراں بے دست وپا، اسلامی مملکت کا یہ نقشہ آزادی کے بعد سے ہی اس ملک کی علامت بن چکا ہے۔

آزادی کے بعد پاکستان میں بس جانے کا، مملکت خداداد کی خدمت کا یہ صلہ ملے گا یہ انھوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ حکیم صاحب انتہائی خلیق اور مشفق انسان تھے۔ آپ کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ ایسی صورت میں قتل کے اسباب کیا ہیں یہ ابھی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن ملک کے بہترین دماغوں کو موت کی نیند سلا دینے کا دہشت گردوں کا یہ عمل ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ آج سے برسوں قبل ہندوستان کو بھی دہشت گردوں کے ہاتھوں اسی قسم کا صدمہ اٹھانا پڑا تھا جب ملک کے ایک ماہر تعلیم اور اعلیٰ دماغ پروفیسر مشیر الحق کو دہشت گردوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ اس قسم کے نقصانات ملک کے لئے ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔ دہشت گردی کی یہ کارروائیاں پورے معاشرے کو بدنام کرتی ہیں اور اس کے نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ بانی ہمدرد کے قتل سے دہشت گردوں کا کون سا مفاد پورا ہوگا یہ کہنا مشکل ہے' لیکن اس قتل سے ملت اسلامیہ کا جو نقصان ہوا وہ پاکستان اپنی کھلی آنکھوں سے محسوس کرے گا۔ انسان کی ناقدری اور اپنے ایک محب کو قتل کرنے کا جو گناہ دہشت گردوں نے کیا ہے اس کا خمیازہ انھیں یقیناً بھگتنا پڑے گا۔ حکومت پاکستان کو چاہئے کہ وہ حکیم محمد سعید کے قاتلوں کو جلد سے جلد گرفتار کر کے انھیں کیفر کردار تک پہنچائے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ دہشت گروں کی پشت پناہی اور انھیں ہتھیاروں سے لیس کرنے کا جو انجام ہوتا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اگر اب بھی حکومت کی آنکھیں نہ کھلیں تو مسجد کے اماموں اور ذی علم شخصیتوں کے قتل کا یہ سلسلہ پاکستان کو تباہ کردے گا۔



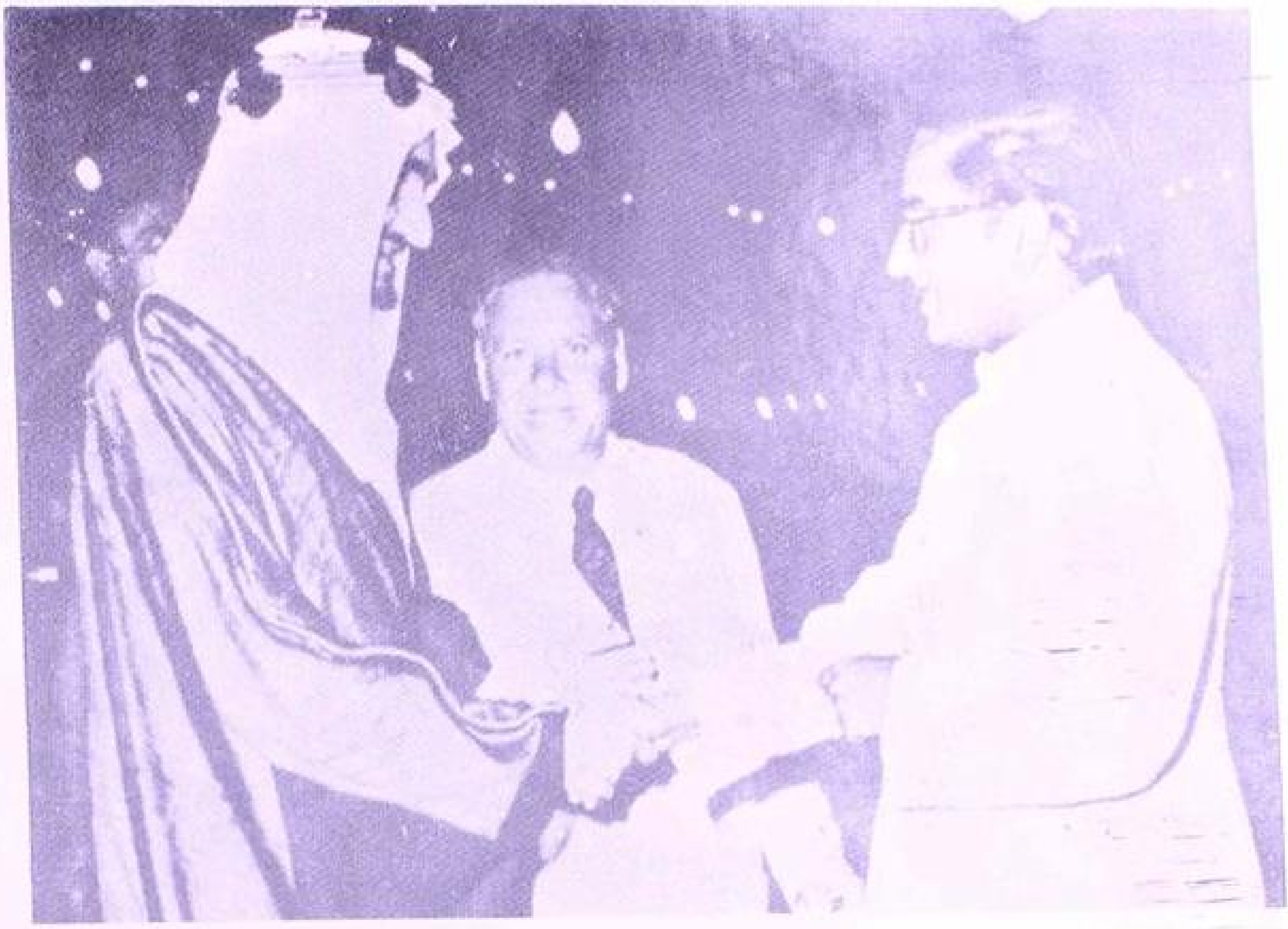
حکیم محمد سعید ـــــــــ بچپن کا ایک انداز



حکیم محمد سعید ——— عالم شباب



رابعہ بیگم ــــــــــ والدہ حکیم محمد سعید



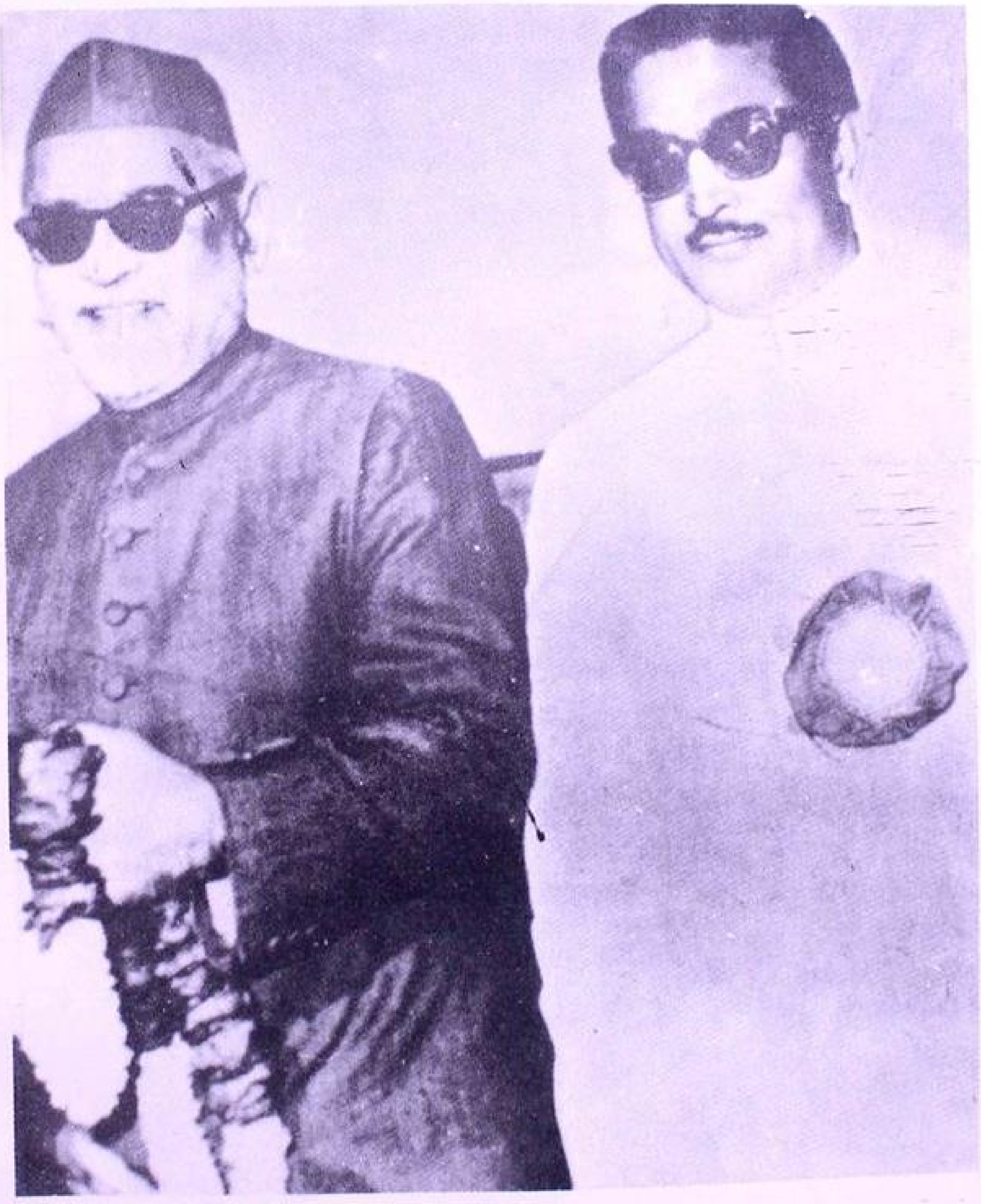
شاہ فیصل شہید کے ساتھ



جلسہ عطائے اسناد، جامعہ طبیہ شرقیہ (۱۹۸۱ء) (بائیں) ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی



وزیر اعظم ہند پنڈت آنجہانی جواہر لال نہرو کے ساتھ



صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے ساتھ



عیادت جناب پانڈے صاحب



حکیم عبدالحمید، ارشد علی قدوائی، ایس کے سنگھ، حکیم محمد سعید



حماد احمد، حکیم اقبال احمد، حکیم عبدالحمید، حکیم محمد سعید، عبدالمعید، عائشہ سعید

سہیل اقبال، عبدالمجید، ماجد احمد، فریدہ حماد احمد، مسعودہ سعید، راشد، ریشماں اقبال احمد، فرحانہ مجید، ساجد احمد

حکیم محمد سعید کی شہادت

غفران احمد (ایم اے)

18 اکتوبر کی صبح جوں ہی اخبارات سامنے آئے۔ ایک خبر پڑھ کر دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی چیز اندر ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہ خبر کراچی میں حکیم محمد سعید کے سفاکانہ قتل کی تھی۔ وہ صبح اپنے مطب جا رہے تھے۔ اچانک ہی نامعلوم بندوق بردار نمودار ہوئے۔ اور انہوں نے حکیم صاحب کو گولی مار دی۔ خبر پڑھ کر میرا پہلا ردعمل یہ تھا کہ کیا پاکستان کے برے دن آگئے ہیں۔ نحوست اس کے دروازہ پر دستک دے رہی ہے۔ دیکھئے پاکستان ادبار نحوست کے اس دور سے کب نکلے۔ تاریخ میں ملت اسلامیہ پر ایسے کئی دور گذرے ہیں' جب بڑی بڑی شخصیتیں طوائف الملوکی یا سیاسی وذاتی رقابتوں کی نذر ہو گئیں۔ مہاتما گاندھی کی موت پر انگریز ادیب اور دانشور جارج برنارڈ شاہ نے کہا تھا

"it is dangerous to be too good"

(یعنی زیادہ نیک ہونا بھی آدمی کے لے خطرہ بن جاتا ہے) حکیم صاحب کی شہادت کے کیس میں یہ بات صادق آتی ہے۔ قدرت نے انہیں جن اوصاف سے نوازا تھا۔ وہ ہم اس دور میں کسی اور میں نہیں پاتے۔ یہاں ہندوستان میں ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید متولی ہمدرد دواخانہ۔ چانسلر جامعہ ہمدرد (دلی) اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اسی طرح کی گراں قدر خدمات وہاں پاکستان میں ان کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید نے انجام دیں۔

طب یونانی کے احیاء یا نشاۃ ثانیہ میں دونوں بھائیوں کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ یہ اپنے دور کے بو علی سینا' زکریا رازی اور ابو القاسم ہیں جنہوں نے طب قدیم کو طب جدید کے ہم سر بنانے کی کوشش کی۔ اور طب یونانی کو سائنسی تحقیق و تجربے کی راہ دکھائی۔ حکیم عبدالحمید صاحب نے اپنے بھائی کے تعلق سے بجا طور پر کہا کہ ان کا کام سر سید سے بھی زیادہ اہم ہے۔ چونکہ سر سید نے صرف ایک کالج قائم کیا تھا۔ جب کہ حکیم محمد سعید کی علمی وراثت میں مدینۃ العلم یعنی کراچی میں ایک پوری یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد فاؤنڈیشن ہے۔ اس کے علاوہ ایک بیش قیمت کتب خانہ موجود ہے وہ سندھ کے گورنر بھی رہے تھے۔

میں نے حکیم محمد سعید کو دوبارہ دیکھا ہے۔ بڑی شخصیتوں کے احوال زندگی میرے مطالعہ کا خاص موضوع رہے ہیں۔ ان کی پیشانی پر عظمت کے نمایاں آثار دیکھے ایک بار جب وہ یہاں دلی میں علی صدیقی کی عالمی اردو کانفرنس میں آئے تھے۔ اور ایک بار پاکستان ٹی وی پر۔ بالمشافہ گفتگو کا شرف کبھی حاصل نہیں ہو سکا۔ پاکستان ٹی وی پر ان سے انٹرویو دیکھا۔ میں نے زندگی میں کسی علمی موضوع پر اتنا دلچسپ انٹرویو نہیں دیکھا۔ انٹرویو لینے والا بھی بڑا چابک دست اور ہنر مند تھا۔ جب کہ انٹرویو کی شخصیت حکیم محمد سعید کی تھی۔ یہ انٹرویو میری یادداشت میں ابھی تک جوں کا توں زندہ ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی خوبی سمجھنی چاہئے۔ ان سے سوال کیا گیا۔ آپ کے ذہن میں مدینۃ العلم کا منصوبہ کیسے آیا؟

حکیم صاحب مرحوم نے جواب دیا' میں ایک دن مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ ذہن میں اچانک ایک ایسے تعلیمی منصوبہ کا خیال آیا جو ساری ملت کے لئے ایک نمونہ کا کام دے۔ چنانچہ کراچی پہونچنے کے بعد میں نے اس کی بنیاد ڈالی۔

حکیم صاحب مرحوم کی ذاتی زندگی کے متعلق کئی سوالات تھے۔ پہلا آپ نے آفس کیوں نہیں بنایا۔ ان کا جواب تھا' آفس کی ضرورت بھی کیا ہے' مکان کا ایک کمرہ اس کے لئے کافی ہے۔ حکیم صاحب کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ وہ عوام سے کھلے ملے رہتے تھے۔ رکشا کی سواری کرتے تھے' ایک اہم سوال تھا کہ اب آپ کی خاص دلچسپی کیا ہے۔ انہوں نے اس کا جو جواب دیا وہ یہ ہے' میں ایک دن بصریات op-(tics) پر ایک انگریز مصنف کی کتاب پڑھ رہا تھا مجھے شبہ ہوا کہ اس کتاب کا یہ مضمون کہیں اور پڑھا ہے۔ دور وسطی کے عرب سائنس داں ابوالہیثم البصری بصریات پر کتاب نکال کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ انگریز مصنف کا یہ سارا مضمون ابوالہیثم کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ یہیں سے میں نے اس کا بیڑہ اٹھا کر یوروپ میں اور جہاں تہاں ہمارا علمی ذخیرہ بکھرا ہوا ہے اسے یکجا کیا جائے۔ چنانچہ ان ہی کوششوں کے نتیجہ میں کراچی یونیورسٹی میں ایک بڑا کتب خانہ ترقی پذیر ہے۔ حکیم صاحب کے کارناموں میں جامعہ ہمدرد فاؤنڈیشن' جس کے تحت وہاں کا ہمدرد دواخانہ اور دوسرے ادارے ہیں۔ کراچی یونیورسٹی اور یہ عظیم کتب خانہ بھی ہے۔ مدینۃ العلم ان کی زندہ یادگار ہے۔

ادھر ہندوستان میں ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے جو کارنامے انجام دئے وہ عظیم الشان ہیں۔ حکیم صاحب کے لئے اس عمر میں یہ حادثہ ایک جانکاہ حادثہ ہے۔ وہ جامعہ ہمدرد اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چانسلر ہیں۔ یہ ان کے لئے کوئی بڑا اعزاز نہیں ہے۔ ہاں ان عہدوں کو حکیم صاحب کی شخصیت سے اعزاز حاصل ہوا

ہے۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ ان دونوں بھائیوں کی تاقیامت احسان مند رہے گی۔ مجھے پاکستانیوں پر غصہ کے ساتھ ترس بھی آرہا ہے۔ جنہوں نے اپنے وقت کے ذکریا رازی کو کھودیا ہے۔ حکیم محمد سعید کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے اوران کی زندگی اسی کا مرقع تھی۔ ملت اسلامیہ کو اپنی تاریخ میں ایسے کئی نازک مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ جب طاقت واقتدار کی ہوس نے بے گناہوں کا خون بہایا۔ خفیہ تنظیموں نے اندر اندر اسے ناقابل تلافی نقصان پہونچایا۔ میں جب پاکستان میں چند نقاب پوشوں کے اچانک نمودار ہونے اور بے گناہوں کو گولیوں سے بھون دینے کی خبریں پڑھتا ہوں تو مجھے دور وسطی کی تنظیم حشاشین کی یاد آتی ہے۔ حسن بن صباح کے فرقہ باطنیہ کی یہ تنظیم اپنے مریدوں کو مصنوعی جنت کی سیر کرانے کے بعد انھیں عالم اسلام کی کسی بڑی شخصیت کے قتل کے مشن پر روانہ کردیتی تھی۔ اس دور کے متعدد سرکردہ علماء اور سلاطین کو اس تنظیم نے قتل کردیا۔

حشیش عربی میں بھنگ کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اس فرقہ کا نام عربی میں حشاشین رکھا گیا۔ انگریزی لفظASSASIN اسی سے ماخوذ ہے۔ قلعہ الموط (موجودہ نام المائنہ) ان کا مرکز تھا۔ یہ مریدوں کو بھنگ پلا کر پہلے "مصنوعی جنت" میں بھیجتے تھے۔ جب وہ اچھی طرح "اسیر بے دام" ہوجاتے تھے تو ان سے حسب پروگرام کام لیا جاتا تھا۔ یہ ایک طرح سے اس دور کی ایک دہشت گرد تنظیم تھی۔ جو اہم شخصیتوں کو نشانہ بناتی تھی۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اسی تنظیم اور حسن بن صباح کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ۔

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے ناداں سمجھا اسے شاخ نبات

کیا آج پاکستان کے اندر ایسی ہی کوئی تنظیم ہے۔ جو چن چن کر وہاں کی اہم شخصیتوں کو نشانہ بنارہی ہے۔ اس بارے میں وہاں کے ارباب بست وکشاد کو سوچنا چاہئے۔ جلد یا بدیر تشدد کا یہ رجحان سارے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔

(پندرہ روزہ "خبردار جدید" دہلی)

(بقیہ ایسا کہاں سے لائوں کہ تجھ سا کہیں جسے)

قتل ہے۔ یہ قتل رائگاں نہیں جائے گا۔ اس کے خون کے چھینٹوں سے ان کی جواں ہمت دختر نیک اختر محترمہ سعدیہ راشد کے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ انکی قیادت میں حکیم صاحب مرحوم کا مشن اور جلایا ہوا یہ چراغ نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ پورے پاکستان میں ایک انقلاب لائے گا۔ مجھے امید ہی نہیں یقین ہے کہ حکیم محمد سعید مرحوم ومغفور کے ورثا اور انکے مشن سے وابستہ اہل ہمدرد ان کے جلائے ہوئے چراغ کی لو کو مدھم نہیں ہونے دیں گے بلکہ کراچی کی تنگ وتاریک گلیوں کو علم، تہذیب واخلاق سے ایسا منور کریں گے کہ پھر کوئی اپنے مسیحاؤں کو قتل کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ یہی حکیم صاحب کی روح کو خوش رکھنے اور انھیں خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ ہے ۔

رات جتنی بھی سنگین ہوگی　　صبح اتنی ہی رنگین ہوگی

قابل مذمت

ماہنامہ البلاغ ممبئی

طبی دنیا کے مسیحا اور طب اسلامی کے محسن مسیح الملک حکیم محمد سعید دہلوی کی شہادت کی جانکاہ خبر نے دل ودماغ کو معطل اور حواس کو ماؤف کرڈالا' پاکستان میں وہ طب اسلامی کی جان تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمارے ملک ہندوستان میں حکیم عبدالحمید صاحب بانی ہمدرد دواخانہ اور ہمدرد یونیورسٹی طب یونانی کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں' ان کی زندگی سے طب یونانی کے مردہ جسم میں جان پڑی' اور ملک میں دنیا کے اس قدیم تاریخی اور شریف علم کو فروغ حاصل ہوا۔ انھیں کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید صاحب تھے جنھیں محض فن طب کی خدمت کے لئے باہمی مشورے کے ساتھ پاکستان بھیجا گیا تھا تاکہ دونوں ملکوں میں اس مفید اور قدرتی طریقہ علاج کو فروغ حاصل ہو' اور الحمد للہ ان دونوں بھائیوں نے ہمدرد دواخانے کے ذریعے فن طب کو جو عروج اور کمال عطا فرمایا اس کی مثال پچھلی صدیوں میں نہیں ملتی اور شاید آئندہ کئی صدیوں تک اس مثال کو دوہرایا نہیں جاسکتا' حکیم محمد سعید صاحب اپنے بڑے بھائی سے کہیں زیادہ اس طبی میدان میں چست اور متحرک تھے۔ ہندوستان میں تو ہمدرد دواخانے کی جڑیں پہلے سے بہت مضبوط تھیں اور حکومت کی نظر عنایت بھی اس کو ہمیشہ حاصل رہی لیکن حکیم محمد سعید صاحب نے بڑی سنسان اور بنجر زمین میں اس کی داغ بیل ڈالی اور بہت جلد اس ملک میں سب سے معزز اور محبوب ومقبول ادارے کی شکل دے دی اور ہندستان کی طرح پاکستان میں بھی ایک طبی یونیورسٹی قائم کرکے اس معزز اور شریف فن کو عروج وکمال کی آخری سرحد تک پہنچایا۔ ہمدرد خاندان ہندوپاک دونوں ملکوں میں صرف اپنی خدمات کے ذریعے ہی معروف ومقبول سمجھا جاتا ہے۔ حکیم صاحب کی شہادت کی صرف خبر ہی اخبارات کے ذریعے ملی ہے۔ حادثے کی کوئی تفصیل اب تک نہیں مل سکی۔ لیکن بہ ظاہر شبہ ہورہا ہے کہ شاید حکیم صاحب سے کوئی ذاتی منفعت کی طلب کے سلسلے میں جرم کیا گیا ہے بہر حال وہ جو کچھ ہو پوری طبی دنیا میں اس خبر کو اپنے لئے ناقابل تلافی نقصان سمجھا ہے اور طب اسلامی کا ہر بہی خواہ اس حادثے کی مذمت کرتا ہے' ادارہ البلاغ اس ناقابل تلافی حادثے پر اپنے مخدوم حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی سے اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی تعزیت کرتا ہے اور حکیم صاحب مرحوم کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ مرحوم کی نیکیاں قبول فرمائے' اوران کے سوگوار خاندان کو صبر وتسلی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (نومبر 98ء)

ہمدرد کے حکیم محمد سعید کا قتل

اداریہ ہفت روزہ "نشیمن" بنگلور

ہمدرد کے حکیم محمد سعید حکیم حاذق، نباضِ قوم، ہمدرد ملت، خیر خواہِ امت، دانشور، مصنف، ادیب اور مدبر ہی نہیں حافظ قرآن بھی تھے۔ وہ سیاست کی اونچ نیچ اور اس کی گھاتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لئے سیاست سے دور تھے۔ وہ حکومت کے ہتھکنڈوں اور فریب چالوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اسی لئے حکومت سے دور رہے۔ وہ حق گو اور بے باک تھے اسی لئے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔ مگر جب بھی وطن نے پکارا اور قوم نے آواز دی تو وہ خدمت کیلئے تیار کھڑے پائے۔ بے نظیر نے ایک مرتبہ وزیر بنایا تو ایمانداروں اور دیانت داروں کی کی ایسی مثالیں قائم کر آئے کہ سب کو پرانا زمانہ یاد آ گیا۔ گھر سے دفتر اپنی گاڑی میں گئے، نہ مکان لیا، نہ گاڑی لی، نہ تنخواہ لی، نہ ایک کپ چائے پی۔ حتیٰ کہ پانی تک اپنے گھر سے لے گئے۔ وزیر بن کر کسی ملک کا دورہ نہیں کیا، خزانے سے ایک پیسہ نہیں لیا طب و صحت اور تعلیم و تربیت کیلئے بڑی جانفشانی اور محنت سے بہترین خاکہ تیار کر کے حکومت کو بھیجا۔ جب جواب نہیں آیا تو وزارت چھوڑ سیدھے گھر چلے آئے۔ نہ کسی سے بات کی نہ کسی کی سنی، عہدے کو تھوکا اور اپنے کام میں ایسے لگ گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ پھر جب غلام اسحاق خان نے نواز شریف کو ڈسمس کیا اور معراج خالد وزیر اعظم بنے تو محمد سعید کو سندھ کا گورنر بنایا گیا۔ انھوں نے اس انداز سے اپنے فرائض نبھائے کہ آج بھی لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری والدہ کی یہ تاکید میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لی ہے کہ بیٹا کسی سے انتقام مت لینا اور انتقام کا جذبہ بھی نے رکھنا' انتقام کی آگ انسان کو جھلسا دیتی ہے۔ ان کی طویل عمری کا راز یہی تھا کہ وہ ہر ایک کے دوست تھے۔ وہ کسی کے دشمن بنے نہ کسی کو اپنا دشمن بنایا۔ انھوں نے اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اور اپنے خرچ سے ہمدرد یونیورسٹی بنائی جو ہر پہلو اور ہر طرح کے معیار کی اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے بچوں کیلئے اور بڑوں کیلئے کتابیں لکھیں، اتنی کتابیں کہ اصلاح کا پیغام لی ہوئی ہے۔ اللہ نے حکیم محمد سعید کو عزت دی، دولت دی، مثالی کردار دیا اور ہندو پاکستان ہی میں نہیں اسلامی دنیا میں ان کا نام چمکایا اور وہ مقام دیا جو کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ ایک ایسا شخص جو کسی سے دشمنی نہیں رکھتا تھا، سیاست سے بالکل لاتعلق تھا، مسلکی جھگڑوں سے کوسوں دور تھا، فرقہ واریت سے لگاؤ نہ رکھتا تھا، آپسی اکھاڑ پچھاڑ سے شدید نفرت کرتا تھا، اتحاد و اتفاق کا، میل ملاپ کا، عفو و درگذر کا، بھائی چارے کا، امت واحدہ کا علمبردار تھا۔ وہ دہشت گردی کی بھینٹ کیسے چڑھ گیا۔ دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ کیسے بن گیا۔ حکیم محمد سعید درویش صفت تھا، سب کا چہیتا تھا، سب کے دل کی دھڑکن تھا۔ پھر اسے کس نے مارا اور کیوں۔ اس نے قوم کو سب کچھ دیا اور اس کے بدلے میں کچھ طلب نہیں کیا، پھر اس کی جان کیوں لی گئی۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جو شاید ہی کبھی حل ہو سکے۔ ہر چند کہ حکومت نے اس کی تحقیق کیلئے ریٹائرڈ ہائی کورٹ جج کی سرپرستی میں کمیشن قائم کیا ہے اور قاتلوں کا پتہ دینے والوں کو 50 لاکھ روپئے کے نقد انعام کا اعلان کیا ہے۔ مگر دل کہتا ہے کہ اس سے کچھ نہیں ہوگا۔

حکیم محمد سعید کے قتل نے پاکستان بھر میں خوف اور تشویش کی لہر دوڑا دی ہے تو دنیا بھر میں رنج و ملال پھیلا دیا ہے۔ کوئی ظاہری اور پوشیدہ وجہ ایسی دکھائی ہی نہیں دیتی کہ حکیم محمد سعید کو قتل کر دیا جائے۔ یقیناً پاکستان پر بد نصیبی کا سایہ پڑ گیا ہے، اس کے برے دن آ گئے ہیں، اس کے عوام باولے ہو گئے ہیں۔ ورنہ ملک و قوم کا ایک سچا خادم یوں بیدردی کے ساتھ مارا نہ جاتا۔ اخبارات کا کہنا ہے کہ انھیں دھمکیوں کے خطوط مل رہے تھے مگر کس کارروائی پر اور کس خطا پر۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہر جاندار کو ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے۔ حکیم محمد سعید بھی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ مگر جس طور پر اور جس انداز میں گئے وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان کی موت کو کوئی فراموش نہیں کر سکے گا۔ دراصل حکیم محمد سعید کو موت نے نئی زندگی دی ہے۔ ایسی زندگی جسے موت نہیں ہے۔ وہ بھرپور زندگی گذار کر، کروڑوں افراد کی دعائیں لے کر، خدمت کی یادگار مثالیں چھوڑ کر مالک حقیقی کے پاس گئے ہیں، تو امید ہے کہ کروڑوں بندوں کا یہ محبوب بھی اللہ کے پاس محبوب ہی بنے گا۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں "ایسے ہی یکتائے روزگار اور منفرد افراد کیلئے اقبال نے کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کراچی میں مسیحا کا قتل

اداریہ روزنامہ "اردو ٹائمز" ممبئی

پاکستان ہمدرد (وقف) کے سربراہ حکیم محمد سعید کا بے رحمانہ قتل مملکت خداداد کے سب سے بڑے تجارتی شہر کراچی میں ہندوستانی نژاد مسلمانوں کی جاری نسل کشی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس کا سلسلہ پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو گولی مار کر ہلاک کردینے سے شروع ہوا تھا۔

مرحوم حکیم محمد سعید دہلی سے ترک وطن کر کے اور لیاقت علی خاں نے لکھنؤ کو خیرباد کہہ کے پاکستان کو دوسرا وطن بنایا تھا لیکن زندگی کی آخری سانسوں تک پاکستانی مسلمان نہیں مہاجر ہی کہلائے۔

یونانی دواؤں کو پیٹنٹ کر کے ایلوپیتھی کو چیلنج کرنے والے غیر منقسم ہندوستان کے پہلے طبی ادارہ ہمدرد کا فیض پاکستانوں کو پہنچانے کا مقصد لے کر حکیم محمد سعید نے ترک وطن کیا لیکن پاکستانیوں نے مسیحا کو کیا دیا؟ بارود سے بھرے کارتوسوں کے مہلک زخم۔!

وہ شخصیت جس نے پاکستانیوں کو ایک عظیم الشان ہمدرد یونیورسٹی کا تحفہ دیا۔ یونانی طبی تحقیق کا بین الاقوامی درجہ کا کمپیوٹرائزڈ ادارہ بیت الحکمت دیا۔ اردو میں Anatomy علم الابدان پہلی کتاب تصنیف کی۔ جس سے نا صرف یونانی بلکہ دوسرے طریقہ علاج کرنے والے بھی استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔ بچوں کیلئے آسان زبان میں سیرت پاکؐ کی کتابیں تحریر کیں۔

اس شخص کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا...... یہ ہے اس ملک کی صورت حال جو خود کو مملکت خداداد کہلاتا ہے۔ جہاں ایک مسلمان اپنے ہی دینی بھائی کی گردن اڑا رہا ہے۔ برادر کشی کے سلسلہ کی بنیاد نسل پرستی ہے جہاں ایک دوسرے کو ان کی نسل کے نام سے متعارف کیا جاتا ہے یہ پٹھان ہیں یہ سندھی یہ پشتو۔ یہ مہاجر......!

کراچی میں مہاجرین کی نسل کشی کی شروعات ہوئی غیر سندھی کے نام سے لیکن اب سیاستدانوں کی بالادستی کیلئے خونریزی کا سلسلہ ہے۔ مہاجر قومی موومنٹ کے دو دھڑوں میں اقتدار کی ہوس نے مہاجرین کی زندگی اجیرن بنادی ہے۔ کراچی میں جو حالات ہیں اس سے جموں و کشمیر کے ان گمراہ مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہیے جو کہ پاکستان میں شامل ہونے کا نعرہ لگاتے ہیں۔ پاکستان کے نسل پرست جنھوں نے ان مسلمانوں کو اپنا بھائی و ہمدرد نہیں سمجھا جنھوں نے 47ء میں ہندوستان میں اپنا سب کچھ لٹا کر پاکستان کو وطن ثانی بنایا۔ حکیم محمد سعید مرحوم جیسے مخلص لوگ جو مسلم قوم کی تعلیمی ترقی۔ خوشحالی کو زندگی کا مشن قرار دے چکے تھے ایسے لوگ ہی اپنے وطن کو چھوڑ کر پاکستان پہنچے تھے تاکہ ایک نئی اسلامی ریاست میں بھی خدمت خلق کا مشن پھیلائیں۔

پاکستان کی تعمیر میں نمایاں خدمات کا صلہ کیا ملا؟ بے رحمانہ طریقے سے دن دھاڑے کراچی کی مصروف شاہراہ پر قتل کردئے گئے۔ مرحوم سعید کے قتل کی واردات پر برصغیر کے انقلابی شاعر جوش ملیح آبادی یاد آجاتے ہیں جو اپنے رفیق خاص جواہر لال نہرو کے سمجھانے بجھانے کے باوجود ترک وطن کیا، پاکستان پہنچے ایوب خان نے شہریت بھی دے دی تھی لیکن مہاجر ہی کہلائے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

یوں کراچی میں ہوں میں
جس طرح کوفہ میں حسینؓ

جوش ملیح آبادی اپنے بچوں کے مستقبل کو بنانے کیلئے کراچی جا بسے لیکن آخری سانسوں تک ان لمحات کو کوستے رہے جس لمحہ نے انھیں دہلی چھوڑنے کیلئے اکسایا تھا۔ جواہر لال نہرو جیسے مخلص دوست کی رفاقت کا زخم کھایا۔ کراچی میں مہاجرین کی حالت نسل پرستی اور اب سارے پاکستان میں مسلکی تشدد کیا یہی اسلامی معاشرہ ہے۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون ارزاں، جموں و کشمیر کے گمراہ نوجوانوں کو ایسے درندہ صفت وحشی سماج کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

جس پاکستان نے ہندوستان سے ترک وطن کرنے والوں کو آج تک اپنا نہیں سمجھا انھیں گولیوں سے بھون ڈالا وہ نام نہاد ارض پاک جموں کشمیر کے لوگوں کو اپنے سماج میں کیا جگہ دے گی بلکہ اسی طرح دھتکارے گی جس حالت سے مہاجر دوچار ہیں۔

☆

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اکبر رحمانی (مدیر "آموز گار"، جلگاؤں)

۱۷ اکتوبر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی، عظیم مفکر اور مصلح سر سید کی پیدائش کا دن ملک کے ہر چھوٹے شہر میں 'یوم سر سید' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس روز تعلیم کو عام کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ سر سید کے تعلیمی و اصلاحی مشن کو زندہ رکھنے کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ سر سید نے ظلمت شب میں علم کا جو چراغ روشن کیا تھا اسے پاکستان میں چل رہی تیز و تند آندھیوں میں جس حوصلہ مند اور ہمدرد ملت نے بجھنے نہ دیا اور اس چراغ سے کئی چراغ جلائے، جہالت کے اندھیروں میں روشنی بکھیری، وہ دیدہ و بینا امام طب مشرق، عظیم دانشور، مفکر تعلیم اور دین و ملت کا بے لوث خادم حکیم محمد سعید ۱۷ اکتوبر ۹۸ء کی صبح فجر کی نماز ادا کر کے اپنے مطب جاتے ہوئے چند سماج دشمن عناصر کی گولیوں سے ہلاک ہوا۔ جب یہ لرزہ خیز اور اندوہناک خبر ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ پھیلی تو ہر مسلمان نے اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔ مجھ پر اور میرے گھر والوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ جیسے میں اپنے خاندان کی بہت عزیز و محبوب ہستی کو کھو بیٹھا ہوں۔ تمام گھر والوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازے ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید صاحب کو صبر، حوصلہ اور طاقت دے اور دیگر پسماندگان کو صبر کے ساتھ ساتھ مرحوم کے مشن کو زندہ رکھنے کی ہمت عطا کرے (آمین ثم آمین)

حکیم محمد سعید محض ایک شخصیت نہیں تھے وہ ایک ادارہ تھے، علم، طب، اخوت محبت، مشرقیت، خدمت اور دین اسلام کی ایک روشن علامت تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی دی تھی۔ انھوں نے ملت اسلامیہ کے دکھوں اور زبوں حالی کا مداوا جس نسخہ کیمیا سے کیا وہ تھا علم و صحت کو فروغ دینا۔ انکی شبانہ روز محنت اور عبادتوں کے ثمرات مدینۃ الحکمۃ اور بیت الحکمۃ دور دور تک روشنیاں بکھیر رہے ہیں۔ وحشی قاتلوں نے یہ نہ جانا کہ انسان تو اس فانی دنیا میں آیا ہے تو مرنے کیلئے۔ موت تو اسکے تعاقب میں ہے انسان مرجاتا ہے لیکن اسکے کام نہیں مرتے۔ وہ رہتی دنیا تک اس کے نام کو زندہ رکھتے ہیں۔ اپنی چند روزہ زندگی میں حکیم محمد سعید نے خدمت خلق، علم، صحت اور سماجی فلاح بہبود کے میدان میں وہ یادگار کارنامہ چھوڑے ہیں جو قیامت تک انکے نامہ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کرتے رہیں گے۔

حکیم محمد سعید بلند اخلاق، وسیع النظر، وسیع القلب، سچے محب وطن، انسانیت دوست، فرشتہ صفت، بیباک و نڈر، شہرت و نام و نمود سے بے نیاز، منکسر المزاج، نونہالوں اور نوجوانوں کے دوست اور پاکباز شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ اقبال کے اس مصرع کی تفسیر تھے: "نرم دم گفتگو گرم دم جستجو" ان کے دل میں کسی کے لئے نفرت و عداوت نہ تھی۔ ان کے کرم فیاضی اور سخاوت کا دریا سب کے لئے تھا۔ انھوں نے اپنی تمام دولت و جائیداد کو ملت کی فلاح و خیر کے لئے وقف کر دیا۔ ایسی نظیر دنیائے اسلام میں بہت کم نظر آتی ہے۔ انھوں نے دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا تھا۔ وہ جہاں جاتے اسلامی اخوت و محبت کے نقوش چھوڑ جاتے، شاندار علمی ورثے کو زندہ کرنے کا پیغام دیتے تھے۔ وہ عالم اسلام اور خصوصاً اپنے وطن کی زبوں حالی پر کڑھتے، کبھی کبھار سیاست دانوں کو کھری کھری بھی سنا دیتے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نہ ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

حکیم محمد سعید مرحوم و مغفور سے میری پہلی اور آخری ملاقات مئی ۱۹۸۹ء میں کراچی میں ہوئی تھی۔ سرو قد، سر پر کالی جناح کیپ اور سفید شیروانی میں ملبوس حکیم صاحب فرشتہ، پاک دل، پاکباز اور عظمت و وقار کا جیتا جاگتا مرقع لگ رہے تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں دل پر ایسا نقش قائم ہوا کہ اب بھی وہ منظر دل کو بے چین کر دیتا ہے۔ ان میں تعصب نام کو نہ تھا۔ وہ اگرچہ مہاجر تھے۔ لیکن مہاجروں کی سیاست سے بہت دور تھے۔ وہ اپنے آپ کو پاکستانی کہنے پر فخر کرتے تھے۔ اسلئے انکی خدمات کسی ایک طبقے یا جغرافیائی خطے تک محدود نہیں تھیں۔ کراچی کے علاوہ لاہور، اسلام آباد، پشاور ہر جگہ ان کے مطب قائم تھے اور مقررہ دن اور وقت پر روزانہ ہزاروں مریضوں کو دیکھتے تھے اور کبھی کسی سے ایک پیسہ فیس نہ لی۔ چاہے وہ غریب ہو یا امیر۔ انھوں نے پاکستانی نونہالوں اور نوجوانوں کے لئے اعلیٰ و معیاری تعلیمی مرکز بھی ان شہروں میں کھولے تھے۔ وہ پاکستان کو دنیا کا ایک باعزت، با وقار، قرضوں سے پاک، خود کفیل اور علم و ٹیکنالوجی کا ایک ممتاز ملک بنانا چاہتے تھے۔ ایک رسالے کو دیئے گئے انٹرویو میں انھوں نے کہا تھا کہ وہ مرض کو اس کے جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کیسا دردناک المیہ ہے کہ دوسروں کی بھلائی چاہنے والا غیروں کا نہیں اپنوں کے شر و فساد کا شکار ہو گیا۔ دوسروں کو صحت و تندرستی عطا کرنے والا، چند مریضانہ ذہنیتوں کا ہدف بن گیا۔ یہ بے رحمانہ قتل کسی ایک شخص کا قتل نہیں ایک مصلح، ایک خیر خواہ، انسانیت دوست، اخوت و محبت اور علم کی روشنی اور تابناک علامت کا

(باقی صفحہ 18 پر)

خراج عقیدت

مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
ایک چراغ اور جھا اور بڑھی تاریکی	پروفیسر عبدالرحمان مومن	۲۳
حکیم محمد سعید کی موت: ایک پیغام	انجینئر سید صفدر رضوی	۲۶
سفید گلاب	پروفیسر انور معظم	۲۸
حکیم محمد سعید کی شہادت: علامتوں کا قتل	سید محمد احمد مدنی	۲۹
ستارہ ڈوب گیا	مولانا سید کلب صادق	۳۰
ایسی موت نہیں، سوچ ہوتی ہے!	ظفر صمدانی	۳۱
مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں	فرخ سعید خواجہ	۳۲
مدینے کا شہید	جاوید چودھری	۳۳
"سنو قاتلو" موت امر ہستیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی	مسرت لغاری	۳۴
اک ادارہ کا قتل	سید انور قدوائی	۳۶
مسیحا نفسے می آید	سید قمر ہاشمی	۳۷

ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

پروفیسر عبدالرحمان مومن

میں نے ۱۸ر اکتوبر کے انقلاب میں جب یہ خبر پڑھی کہ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے بانی صدر عالی جناب حکیم محمد سعید کو کراچی میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تو میرے اعصاب پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ میرے ذہن کے پردہ پر حکیم صاحب کی دلنواز شخصیت اور ان کا مسکراتا چہرہ ابھر آیا اور میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ گذشتہ تیس پینتیس برسوں کے علمی سفر میں مجھے کئی اساطیر علم و فن سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس خاصے طویل سفر میں جن بزرگوں نے میرے ذہن پر اپنے علم و فضل 'خورد نوازی اور خلوص و شفقت کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں حکیم محمد سعید صاحب مرحوم و مغفور بھی شامل تھے۔ وہ میرے بزرگ تھے 'محسن تھے اور معالج بھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

۱۸۵۷ء کے غدر نے دلی کی بساط الٹ دی۔ ایسا لگتا تھا کہ دلی کی تہذیب 'جسے مسلمانو' ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے لہو سے سینچا تھا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ خاموش ہونے سے پہلے شمع آخری بار بھڑک اٹھتی ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ دلی کے ساتھ ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے روح فرسا دور کے بعد حالات نے پھر کروٹ لی اور دلی دوبارہ ارباب کمال کی آماجگاہ بن گئی۔

اس دور کے نامور علماء 'شعراء' ادباء' اطباء اور دیگر اہل فن و کمال نے بیتے ہوئے وقتوں کی یاد تازہ کر دی۔ اس عہد کے اطباء میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور حکیم عبدالمجید امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ان ہی حکیم عبدالمجید کے یہاں حکیم محمد سعید کی ولادت ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ ہمدرد دواخانہ کے متولی عالی جناب حکیم عبدالحمید صاحب جو بر صغیر کی مشہور معروف شخصیت ہیں' حکیم محمد سعید کے بڑے بھائی ہیں۔ ابتداء میں حکیم محمد سعید کا رجحان صحافت کی طرف تھا لیکن ان کے برادر گرامی حکیم عبدالحمید صاحب نے انہیں طبابت کا خاندانی پیشہ اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔ حکیم سعید نے طب یونانی کی تعلیم دلی میں حاصل کی اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان کو اپنی کثیر الجہات سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

اردو محاورہ میں بعض مشاہیر کے گوناگوں کارناموں کو اجاگر کرنے کیلئے عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ یہ بات اگر حکیم محمد سعید صاحب مرحوم (جن کو اب مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے) کے بارے میں کہی جائے تو ان کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکیم محمد سعید ہمارے دور کے ان معدودے چند افراد میں سے تھے جو انجمن ساز ادارہ ساز کہلانے کے مستحق ہیں۔ حکیم صاحب کی مختلف النوع علمی و طبی خدمات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نامساعد حالات اور محدود وسائل کے باوجود انہوں نے وہ کارنامہ انجام دیا جو اگلے وقتوں میں صرف بادشاہوں کے شایان شان ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے کراچی سے اٹھارہ کلو میٹر دور ایک وسیع و عریض قطعہ آراضی پر مدینۃ الحکمۃ قائم کیا جس میں ہمدرد یونیورسٹی' ہمدرد لیباریٹریز' ہمدرد پبلک اسکول اور دیگر کئی ادارے چل رہے ہیں۔

حکیم صاحب اردو' عربی' فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے حکمت و طب کی قدیم اور نایاب کتابوں کی اشاعت اور تراجم میں خصوصی دلچسپی لی۔ انہوں نے پہلی بار ابن سینا کی مشہور کتاب **الادویۃ القلبیۃ** شائع کی۔ انہوں نے البیرونی کی کتاب الصیدنہ فی الطب کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو عربی متن کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہوا۔ انہوں نے سائنس' طب' تاریخ اور دینیات پر اردو اور انگریزی زبانوں میں ۱۹۰ (ایک سو نوے) کتابیں لکھیں اور ۵۰۰ سے زائد مضامین لکھے۔ طب چین پر ان کی کتاب سند رکھتی ہے۔ مزید برآں انہوں نے ممتاز اہل علم سے طب و حکمت کی نایاب کتابوں کے ترجمے کروائے۔ چنانچہ ان کی ایما پر ابو حنیفہ دینوری کی کتاب النبات کا انگریزی ترجمہ فاضل محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ میں نے یہ ترجمہ پیرس میں ڈاکٹر صاحب کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔

حکیم محمد سعید مرحوم و مغفور نے اسلامی علوم و فنون کے اساطیر اور ان کے عظیم الشان کارناموں پر بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ مشاہیر اہل علم کو ان کانفرنسوں میں شرکت کی دعوت دی اور ان سے مقالے لکھوائے۔ پھر ان مقالات کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ ۱۹۶۹ء میں انہوں نے ابن الہیثم کی ہزار سالہ برسی کے موقع پر ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اسی طرح ۱۹۷۳ء میں انہوں نے البیرونی پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جس میں ایشیائی ممالک کے علاوہ یورپ اور امریکہ کے کئی سرکردہ اہل علم شریک ہوئے۔ حکیم محمد سعید نے ایک سو سے زائد بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسلامی طب اور مسلمان اطباء حکماء کے کارناموں پر مقالات پیش کئے۔ ان کا سب سے اہم طبی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مطبوعات' مقالات' تقاریر اور کانفرنسوں کے ذریعہ نباتات کی طبی اہمیت کو اجاگر کیا اور طب یونانی کے اصولوں کی موثر انداز میں تشہیر کی۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کا کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ ایک دفعہ جاپان کے ایک کثیر الاشاعت اخبار نے ان کا انٹرویو لیا۔

انٹرویو کے بعد انہیں ایک خطیر رقم پیش کی گئی لیکن حکیم صاحب نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی اپنی علمی کاوش کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔

حکیم صاحب نے طب و حکمت کی ترویج و اشاعت اور مسلمان اطباء حکماء کے شاندار کارناموں کو منظر عام پر لانے کیلئے بے شمار سفر کئے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو گا جہاں حکیم صاحب کو مدعو نہ کیا گیا ہو۔ انہوں نے بچوں کیلئے اپنے اسفار کی روئدادیں لکھیں۔

حکیم عبدالحمید صاحب (اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے) اور حکیم محمد سعید صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے قول و عمل سے طب اسلامی اور مریضوں کی جو خدمت کی ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حکیم عبدالحمید صاحب نے ساٹھ لاکھ مریضوں کی بلامعاوضہ تشخیص و تجویز کی ہے۔ حکیم محمد سعید کراچی کے علاوہ لاہور، پشاور اور راولپنڈی میں بھی مریض دیکھتے تھے۔ ایک دن میں مریضوں کی تعداد ۲۰۰ سے ۲۵۰ ہوا کرتی تھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکیم صاحب ہمیشہ روزہ کی حالت میں اور باوضو ہو کر مریض دیکھا کرتے تھے۔

حکیم محمد سعید نے ہمدرد لیبارٹریز میں اپنی ذاتی نگرانی میں مختلف نباتات پر طبی تحقیقات کروائیں اور پیچیدہ امراض کے علاج کیلئے دوائیں تیار کروائیں۔ گٹھیا اور جوڑوں کے درد کیلئے یوزیدین، صفرکبہ کیلئے باریسال اور زخم معدہ کے لئے سوی، قرحین اور اندمالی اور اس نوع کی کئی دوائیاں ہزاروں مریضوں کیلئے راحت جسم و جاں کا ذریعہ بنی ہیں۔

اسلامی علوم میں بالخصوص طب اسلامی کے احیاء اور اہل علم میں تبادلہ فکر کے مقصد کے تحت حکیم محمد سعید نے تین اہم جرائد کا اجراء کیا۔ ہمدرد اسلامکس میں اسلامی موضوعات پر گراں قدر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ہمدرد میڈکس میں طب یونانی اور متبادل طب پر مشتمل بلند پایہ تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ طبی حلقوں میں نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

حکیم محمد سعید نے کراچی میں کئی برسوں تک شام ہمدرد کا انعقاد کیا اور ان میں مشاہیر اہل علم و فن سے مختلف موضوعات پر مقالات پڑھوائے۔ پھر انہوں نے پاکستان کے نونہالوں اور نوجوانوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت کیلئے بزم ہمدرد نونہال کی بناڈالی۔ اس کے علاوہ انہوں نے شوریٰ ہمدرد کے نام سے غور و فکر اور معاشرتی اصلاح کی مجالس کا انعقاد کیا۔

حکیم محمد سعید کئی علمی و طبی اداروں اور انجمنوں سے وابستہ تھے۔ ان کی خدمات جلیلہ کے اعتراف و ستائش میں ان کو بہت سے عالمی اعزازات سے سرفراز کیا گیا۔ جنیوا، استنبول، کویت، اردن اور امریکہ میں ان کی پذیرائی کی گئی۔ انہیں اردن کی اسلامک اکیڈمی آف سائنس کی فیلوشپ کا اعزاز عطا کیا گیا۔ انہیں عالمی ادارہ برائے طب اسلامی کا اعزازی فیلو بنایا گیا۔ ۱۹۹۵ء میں عالمی ادارہ صحت (WHO) کی طرف سے انہیں تمبا کو یا صحت کا عالمی ایوارڈ دیا گیا۔

حکیم محمد سعید کی عظمت اور بڑائی نہ صرف ان کے گوناگو کارناموں میں ہویدا تھی بلکہ ان کی ذاتی زندگی اور سیرت و کردار میں بھی نمایاں تھی۔ ان کے ذہن و فکر اور سیرت و شخصیت پر اسلامی اقدار کی گہری چھاپ تھی۔ وہ تہجد گزار تھے۔ ان کی سیرت و کردار میں وہ بے نیازی اور استغنا تھا جو درویشوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ سادہ زندگی اور سادہ کھانے کے اصول پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ ان کے برادر گرامی جناب حکیم عبدالحمید اور انہوں نے ۱۹۴۲ء سے ایک ناشتہ اور ایک کھانا کھانے کا اصول اختیار کیا اور دوپہر کا کھانا اپنی غذا سے مطلقاً خارج کر دیا۔ حکیم محمد سعید کہتے تھے کہ آدمی کیلئے ایک ناشتہ اور ایک کھانا کافی ہے۔ ضرورت سے زیادہ غذا اعضاء اور نسائج کو کمزور کرتی ہے۔ اس سے شریانیں سخت اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں بڑھاپا وقت سے پہلے آجاتا ہے اور ذیابیطس، نقرس اور بلند فشار قلب (ہائی بلڈ پریشر) جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ اصول تھا کہ جب تک بھوک نہیں لگتی تھی وہ کھانا نہیں کھاتے تھے اور تھوڑی بہت بھوک باقی رہ جاتی تھی تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔ اس وجہ سے اس زمانہ میں امراض کی شرح نہ ہونے کے برابر تھی۔

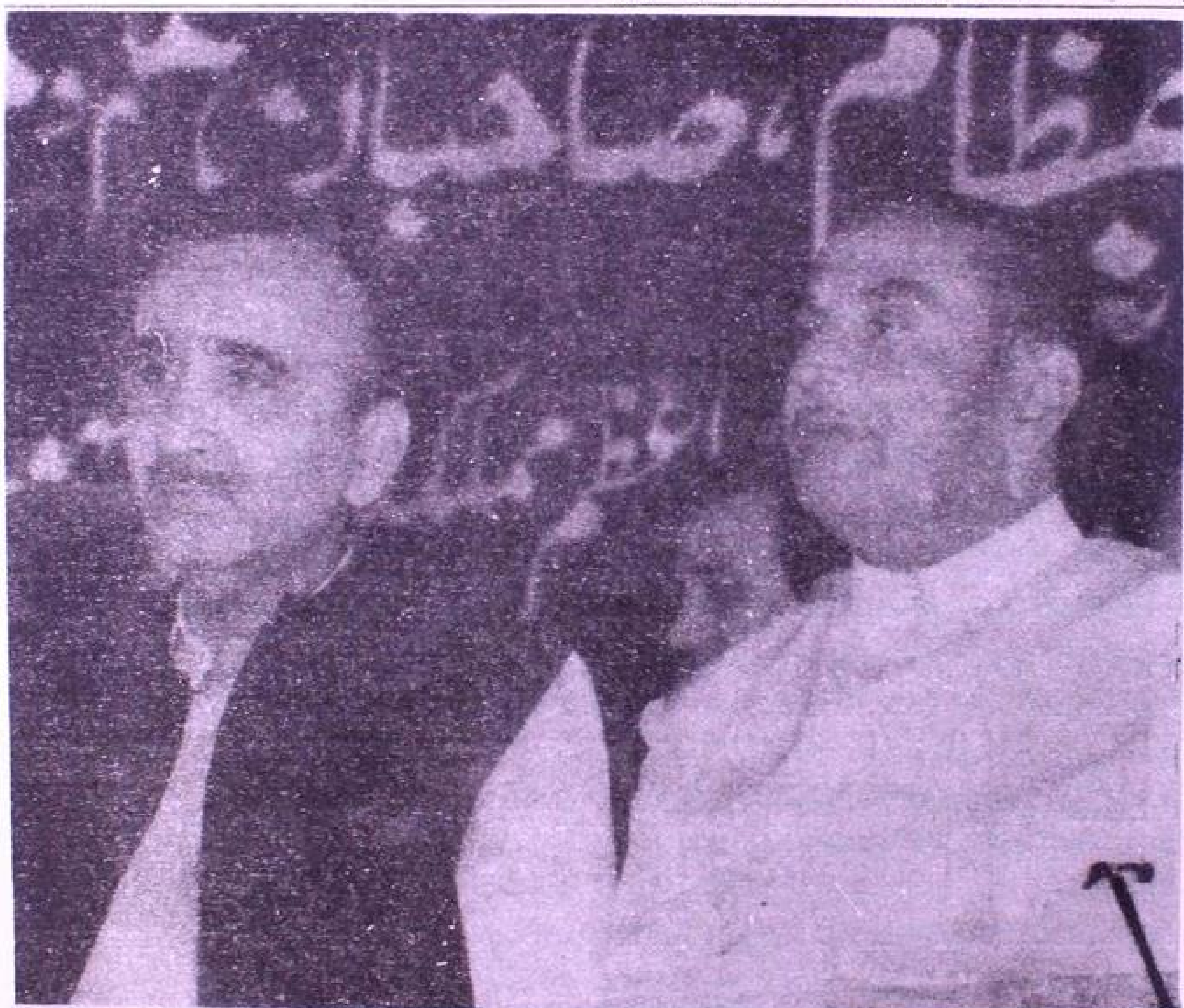
پچھلے مہینہ ایک انٹرویو میں حکیم محمد سعید نے کہا تھا کہ میری بیگم چھتیس سال میرے ساتھ رہیں۔ وہ جب تک حیات تھیں میں نے ان سے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے لئے فلاں چیز پکاؤ۔ میں نے کبھی کوئی چیز فرمائش کر کے نہیں پکوائی بلکہ جو کچھ انہوں نے پکا دیا وہ میں نے صبر و شکر کے ساتھ کھالیا۔ میں نے دوا زندگی میں کبھی نہیں کھائی۔ میری صحت کا راز کچھ زیادہ پیچیدہ نہیں بلکہ بہت آسان ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نفرت اور انتقام اور اس قسم کے منفی جذبات صحت کیلئے ازحد مضر ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ میں خاصا مصروف آدمی ہوں۔ میرے پاس بیمار ہونے کیلئے وقت ہی نہیں ہے۔ ایک سودویا تین بخار تو خیر کبھی کبھار آہی جاتا ہے مگر میں اس کا علاج نہیں کرتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ دوا نہ خود کھاؤں اور نہ کسی کو کھلاؤں کیوں کہ دوا تو آخری چیز ہے۔ پہلے تدبیر اور غذا سے کام لینا چاہئے۔ اس سے فائدہ نہ ہو تب دوا کرنی چاہئے۔ طب مشرق میں دوا کو آخری حل بتایا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں مریض کے ذہن اور تحت الشعور سے وہ بات نکالنی چاہئے جو بیٹھ چکی ہے۔ اسی سے مریض کا علاج ہو جاتا ہے۔ طب مشرق میں پہلے تدبیر، پھر غذا، پھر غذائے دوائی، پھر دوائے غذائی اور پھر دوا۔ اس طرح سے مراحل طے کئے جاتے ہیں۔ میرا غذائی معمول بہت مختلف ہے۔ وہ اس طرح سے کہ میں گزشتہ بائیس تیئس برسوں سے مہینہ میں پندرہ دن روزے سے رہتا ہوں اور مغرب کے وقت لیموں یا کھجور سے افطار کر لیتا ہوں اور مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھا لیتا ہوں جو چوبیس گھنٹے کیلئے کافی ہوتا ہے۔

حکیم محمد سعید صاحب مرحوم و مغفور سے پہلی اور آخری ملاقات کا شرف مجھے امریکہ کے شہر آرلینڈو میں ۱۹۹۵ء میں حاصل ہوا۔ عالمی ادارہ برائے طب اسلامی (انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک میڈیسن) کے زیر اہتمام ایک عالمی کانفرنس ۱۳ سے ۱۶ر اپریل تک امریکہ کی ریاست فلوریڈا کے مشہور سیاحتی شہر آرلینڈو میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں راقم السطور بھی شریک ہوا تھا۔ کانفرنس کے پہلے روز حکیم محمد سعید صاحب نے کلیدی خطبہ دیا۔ سفید شیروانی میں ملبوس حکیم صاحب عظمت و وقار کا جیتا جاگتا مرقع نظر آئے۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں مسلمان اطباء اور سائنسدانوں کے جلیل القدر خدمات کا ذکر کیا اور بتایا کہ مغربی طب نے طب اسلامی کے بیش بہا ورثہ سے کتنا اور کیسے اکتساب فیض کیا۔ پندرہویں صدی عیسوی کے بعد سے عالم

سلام میں سائنسی اور طبی علوم کے انحطاط کا باعث یہ تھا کہ ہم نے اپنے تہذیبی و علمی رثہ کے ساتھ ناقدری اور بے توجہی کا معاملہ کیا۔ ہماری اپنی کوتاہی اور غفلت کے بب سے علم و حکمت کی شمع ہمارے ہاتھ سے نکل کر اقوام مغرب کے ہاتھ میں چلی ئی۔ حکیم صاحب نے یہ افسوس ناک حقیقت بتائی کہ ۱۹۹۰ء میں دنیا کے مختلف ملکوں یں طب و سائنس پر ہزاروں کانفرنس منعقد ہوئیں۔ ان کانفرنسوں میں ۲۵ لاکھ قالے پڑھے گئے۔ اطباء نے پیش کیے ان کی کل تعداد ایک ہزار سے بھی کم تھی۔

اس کانفرنس میں ہندوستان سے دو اشخاص شریک ہوئے تھے۔ ایک پٹنہ میڈیکل کالج میں سرجری کے پروفیسر ڈاکٹر احمد عبدالحئی اور دوسرا راقم السطور۔ ڈاکٹر عبدالحئی نے ابوالقاسم الزہراوی پر اپنا فکر انگیز مقالہ پیش کیا۔ میرا مقالہ جو کانفرنس کے آخری روز پیش کیا گیا اسلامی طبی بشریات پر تھا۔ منجملہ دیگر حاضرین کے حکیم محمد سعید صاحب نے میرے مقالہ کی بڑی ستائش کی اور اصرار کرکے اس کی نقل حاصل کی۔ میں نے کانفرنس کے آخری روز شیروانی پہنی تھی۔ مجھے شیروانی میں ملبوس دیکھ کر حکیم صاحب کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی انہوں نے کہا 'اخاہ! آج آپ کا اور ہمارہ مقابلہ ہوگیا۔ میں نے کہا قبلہ حکیم صاحب' میری کیا مجال کہ آپ کے ساتھ مقابلہ کروں۔

حکیم محمد سعید ایک علم پرور اور جہاں دیدہ طبیب ہی نہیں بلکہ ملک و ملت کا درد بھی رکھتے تھے۔ وہ اپنے ملک کے سیاسی و سماجی حالات کے بارے میں بڑے فکر مند رہا کرتے تھے۔ انہوں نے سیاستدانوں' جاگیرداروں' زمینداروں اور نو دولتیوں پر کھل کر تنقید کی۔ غنڈہ گردی' لاقانونیت اور قتل و غارت گری کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی اور شادی بیاہ میں فضول خرچی کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس بے لاگ تنقید کے نتیجہ میں انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔



مدینہ مسجد (برمدینۃ الحکمۃ) کی تقریبِ سنگ اساس ۲۵ اگست ۱۹۸۷ء کے جلسے میں عالی مرتبت وزیرِاعظم پاکستان جناب محترم محمد خان جونیجو اور بانیٔ مدینۃ الحکمۃ جناب محترم حکیم محمد سعید ـــــ خوش گوار اور مسرت آمیز لمحات

حکیم محمد سعید کی موت: ایک پیغام

انجینئر سید صفدر رضوی

کل جو گولی چلی تھی کہنے کو وہ گولی ایک پاکستانی پر چلی تھی لیکن دراصل وہ گولی پاکستان پر چلی تھی، کل جو لعش گری تھی کہنے کو وہ لعش ایک انسان کی لعش تھی لیکن در حقیقت یہ قتل انسانیت کا قتل تھا۔ اس روز جو راہ گزر پر خون بہا تھا وہ اس لہو سے بہت کم تھا جو سوگوار آنکھوں سے رواں تھا، جو زبان اس دن خاموش کردی گئی وہ آبِ زم زم سے دھل کر کلام کیا کرتی تھی وہ ایک سچے مسلمان کی زبان تھی وہ حاملِ قرآن کی زبان تھی وہ پاکستان کی زبان تھی، شفیق اور ہمدرد انسان کی زبان تھی لیکن یہ زبان خاموش ہوتے ہوئے ایک پیغام دے گئی۔ یہ پیغام بہت دور تک اور بہت دیر تک سنائی دیتا رہے گا۔ یہ پیغام اربابِ اختیار جو دراصل اربابِ بے اختیار ہیں ان کیلئے بھی ہے اور قدر ناشناس قوم کیلئے بھی کہ جس نے دہشت گردوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ کاش کہ ایوانِ اقتدار میں براجمان لوگ اور مملکت خداداد پاکستان کے خیر خواہ لوگ یہ پیغام سن سکیں اور سمجھ سکیں کہ پاکستان کی سالمیت اور پاکستان کے استحکام پر حملہ ہو چکا ہے، جس ملک میں حکیم محمد سعید جیسا مردِ درویش محفوظ نہیں اس ملک میں کوئی بھی محفوظ نہیں۔

حکیم سعید عظمتوں کا پہاڑ تھا جو اڑا دیا گیا، وہ روشنیوں کا مینار تھا جو گرا دیا گیا، حکیم سعید روشن چراغ تھا جو بجھا دیا گیا۔

اِک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

حکیم سعید شہر دہلی میں مورخہ 9 رجنوری 1920ء کو پیدا ہوئے اور ٹھیک نو سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کرلیا، جب پاکستان بنا تو جواں سال حکیم سعید وہاں کا کامیاب ادارہ چھوڑ کر پاکستان چلے آئے ان کا جذبہ تعمیر انہیں پاکستان کھینچ لایا انہوں نے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کام شروع کیا لیکن لگن اور محنت سے انہوں نے کامیابی کی بلندیوں کو چھو لیا وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ذاتی کمالات کا حسین مرقع تھے، اخلاق اور اخلاص کا اِک دیو قامت مجسمہ تھے۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کی خدمت کی، لاتعداد دوست بنائے اور کئی ایک ادارے قائم کئے۔ ہر قدم پر کامیابی نے ان کے قدم چومے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا جذبہ تعمیر اور جنون خیز ہوتا چلا گیا۔ ان کے کارنامے لکھنے کیلئے ایک دفتر چاہئے وہ پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا دیکھنا چاہتے تھے یہ بات پاکستان کے دشمنوں کو گوارا نہ تھی اس لئے حکیم سعید قتل کردیئے گئے۔

حکیم سعید کی قائم کردہ یونیورسٹیوں سے لکچر سن سکتے ہیں اور لیکچرار سے اس طرح سوال وجواب کر سکتے ہیں جیسے کہ آپ یونیورسٹی کے کلاس روم میں بیٹھے ہوں، انہوں نے سن 1948ء میں "مطب ہمدرد" قائم کیا، سن 1950ء میں ہمدرد فیکٹری بنائی، 1953ء میں ہمدرد وقف کی داغ بیل ڈالی، سن 1954ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی، 1958ء میں ہمدرد طبیہ کالج شروع کیا۔ غرضیکہ ہر سال کوئی نہ کوئی ادارہ قائم کرتے رہے یہاں تک کہ 1995ء تک شوریٰ ہمدرد، ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایگریکلچر، ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز، ہمدرد یونیورسٹی ہسپتال بیت الحکمہ، ہمدرد پبلک اسکول، ہمدرد یونیورسٹی، ہمدرد رپورٹ تعلیم ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ سوشل سائنسز، ہمدرد کالج آف میڈیسن، ہمدرد کالج آف ایسٹرن میڈیسن ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، تعلیم ملی، ہجرہ صدی کا اجراء مذاکرہ تعلیمات آفاقی، احیائے علوم مشرقی، فروغ وترقی کتب خانہ جات، آوازِ اخلاق، مدینہ الحکمہ، انٹرنیشنل قرآن کانگریس، انٹرنیشنل یوتھ کانگریس سپاہِ تعلیم، سپاہِ صحت، احترام علم وعالم، جوان امروز، ایک ناشتہ ایک کھانا، فروغ اردو، ابن الہیثم کانگریس، ہیلتھ آف دی نیشن کانفرنس، البیرونی انٹرنیشنل کانگریس انٹرنیشنل کانگریس آف میتھمیٹیکل سائنسز...... انٹرنیشنل کانگریس آف سیرتؐ، مذاکرہ ملی تعلیمات نبویؐ، انٹرنیشنل سیمینار آف نیچرل پروڈکٹس کیمسٹری، بزم ہمدرد نونہال، نونہال ادب، نوجوان ادب، تاریخ سائنس وٹیکنالوجی، معیاری دینی وعلمی لٹریچر، تعلیم صحت ملی، تذکار حکمت، خودی تعمیر ملت کا ذریعہ، ترقی طب اسلامی، تحریک سائنس، شام ہمدرد، ہمدرد گشتی شفاخانہ، رسائل وجرائد ہمدرد، مطبوعات ہمدرد، تحریک یوم پاکستان کے علاوہ متعدد تصنیفات رقم کیں۔ اس طرح پاکستانی معاشرے کے ہر طبقہ تک رسائی حاصل کی۔ ماضی حال اور مستقبل کے تسلسل کو اجاگر کیا۔ علم وحکمت کے ہر گوشے کو آراستہ وپیراستہ کیا۔ وہ ایک عہد ساز شخصیت تھے جنہوں نے پاکستان بننے کے فوراً بعد کام شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کامیابیوں کی انتہائی بلندیوں کو سر کرلیا۔ وہ صوبہ سندھ کے گورنر بنے تو دھڑا دھڑ یونیورسٹیاں قائم کیں۔ وہ بلاشبہ سعیدِ پاکستان تھے اور امید پاکستان تھے، تاریخ انہیں معمارِ پاکستان کے نام سے یاد کرے گی۔ بروز ہفتہ 17 راکتوبر 1998ء صبح چھ بجے اپنے مطب

واقع آرام باغ روڈ پر دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اس وقت وہ روزہ سے تھے اور دکھی انسانیت کی خدمت بجالانے کے لئے وہاں پہنچے تھے ان کے قاتل گھات لگائے جائے واردات پر پہلے سے موجود تھے ان کے قتل کے بعد چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔

(1) کسی نے کہا کہ حکیم سعید منشیات فروشوں کے خلاف بیانات دے رہے تھے لہٰذا یہ کام ان لوگوں کا ہے۔ منشیات فروش کسی کو کب بخشتے ہیں، حکیم سعید عالم نما فرقہ پرستوں کے خلاف بھی بیانات دیتے رہتے ہیں۔

(2) کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ کام ان شدت پسندوں کا ہے جو شہر میں متوازن سوچ رکھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں اور انہیں اپنی راہ میں روڑہ سمجھتے ہیں۔

(3) کئی لوگ حسب معمول اس واقعہ پر پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کو ملوث کررہے تھے کہ یہ لوگ کراچی کو تباہ کررہے ہیں حکیم سعید کو انہوں نے مارا ہے۔

(4) اور ایسے لوگ بھی تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ بھارت کی خفیہ ایجنسی "را" یہاں کے کرائے کے لوگوں کی مدد سے امن وامان تباہ کررہی ہے اور حکیم سعید جیسے مقتدر لوگوں کو جو آسانی سے ٹارگٹ بن سکتے ہیں، قتل کرکے مرکزی حکومت کو مجبور کرنا چاہتی ہے کہ وہ امن وامان کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے جس کے بعد قتل وغارت کا سلسلہ منظم طریقہ پر آگے بڑھایا جائے گا اور ملک کو کمزور کر کے تباہ کیا جائے گا اس طرح سے کشمیر میں ہونے والے واقعات کا جواب پاکستان کو مل جائے گا۔ قوم وملت کو تقسیم کرنے والی جماعتیں دہشت گردی کرانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ اسی کراچی میں ضمیمے بھی چھاپے گئے، اردو کے ایک اخبار نے حکیم سعید کی خستہ تن لعش کی تصویر چھاپی اور اس کے نیچے ایک شادی کی تصویر دے کر صحافت کی ازحد توہین کی۔ حکیم سعید کی بجائے اگر کوئی ایسا فرد قتل کیا جاتا جس کا تعلق قوم وملت کو تقسیم کرنے والے گروہوں سے ہوتا تو یہی اخبارات آسمان سر پر اٹھالیتے، ہڑتالیں کروائی جاتیں، سڑکوں پر ہنگاموں اور ڈراموں کا طویل سلسلہ شروع ہوجاتا جسے دنیا بھر کے ٹی وی نیٹ ورک پیش کرتے اور پاکستان کے وقار کو مجروح کیا جاتا، حکیم سعید بلاشبہ پاکستان کے ایک مرکزی ستون کی حیثیت رکھتے تھے یہ مرکزی ستون گرادیا گیا، پاکستان کی بقاء میں دلچسپی رکھنے والوں کیلئے یہ المیہ ہی نہیں لمحہ فکریہ بھی ہے۔ اس واقعے پر ضابطے کی کارروائی کرکے خاموش نہیں رہا جاسکتا اگر ایسا ہوا تو عبدالستار ایدھی، انصار برنی، جمیل الدین عالی اور نہ جانے کس کس کی باری آئیگی، مصلحت کا وقت گزر چکا۔ صلاح الدین، شاہد حامد اور نوید حسین بے موت مارے گئے۔ قاتلوں کے حوصلے اور بڑھے تو حکیم سعید کی باری آئی۔ آگے چل کر وہ لوگ بھی اپنی خیر نہ مناسکیں گے جو حکیم سعید کے قتل کو عام آدمی کا قتل سمجھ کر چپ ہوجائیں۔ "عالم کی موت ایک عالم کی موت ہوا کرتی ہے" حکیم سعید کی موت اس محاورے کے معنی سمجھادے گی۔

حکیم سعید مارے گئے 'نہ جانے کتنی آنکھیں اشکبار ہوئیں لیکن حکیم سعید کے خون سے جلی حروف میں جو عبارت لکھی گئی وہ یہ تھی کہ حکیم سعید مرا نہیں جب تک پاکستان زندہ ہے حکیم سعید بھی زندہ ہے 'جب تک انسان زندہ ہے حکیم سعید بھی ہے لیکن اگر انسان مر گیا اور اگر پاکستان مرگیا تو پھر حکیم سعید کس کے لئے زندہ رہے گا؟ حکیم سعید کیلئے رونے والوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ انسان کی حفاظت کریں پاکستان کی حفاظت کریں۔

بقیہ سفید گلاب

حکیم صاحب پاکستان کی ایک سربرآوردہ سماجی اور علمی شخصیت تھے۔ وہ صدر ضیاء الحق کے مشیر رہے اور چندماہ گورنر سندھ کے عہدے پر بھی مامور رہے۔ اس مختصر مدت میں انہوں نے پاکستان میں آٹھ دس نجی یونیورسٹیوں کے چارٹر جاری کئے ان کی گورنری کا یہ دور سندھ کی انتظامی تاریخ میں غالباً سب سے پرامن اور نتیجہ خیز رہا۔ حکیم صاحب مجھے' جیلانی بانو اور فرحان کو 94ء میں دارالحکمت دکھانے اپنے ساتھ لے گئے۔ کئی ہزار کتابوں، رسالوں اور مخطوطات پر مشتمل ایک بڑی لائبریری بچوں کے اسکول، میڈیکل اور انجینیرنگ کالجوں پر مشتمل ہے لائبریری کو کمپیوٹر پر منتقل کرنے کا کام جاری ہے۔ وہاں کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ حکیم صاحب کہتے ہیں ترسیل علم اور حصول علم کیلئے جتنی سہولتوں کی ضرورت ہے وہ میں فراہم کررہا ہوں۔ اب یہ آپ اساتذہ کے حوالے ہے۔ علم کو نوجوانوں تک پہنچانا ہے" پاکستان کے باہر، جہاں تک مجھے معلوم ہے، کویت میں انہوں نے طب یونانی کا ایک بڑا تحقیقاتی ادارہ قائم کیا ہے۔ اور اب غالباً استنبول میں بھی اسی قسم کے ایک منصوبے پر کام ہورہا تھا۔ ایک بڑی شخصیت، نیک شخصیت، محبوب شخصیت

*حکیم محمد سعید کا قتل "ایسی شخصیت کا خون کسی خبر کی سرخی بن سکتا تھا؟

(بقیہ ...... مدینے کا شہید)

میرے جسم کو زخم کیوں، بنادیا سدماغ سلگتی لکڑیوں کی طرح چٹخنے لگا میں نے سوچا یہ تصویر آج دہلی کے کسی اخبار میں بھی چھپی ہوگی وہ اخبار ہمدرد نگر کے ایک چھوٹے سے غریبانہ کمرے میں بھی پہنچا ہوگا، چٹائی پر بیٹھے بیاسی برس کے ایک بوڑھے نے بھی اسے اٹھایا ہوگا۔ اس کی آنکھیں بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کی طرح چھلک پڑی ہوں گی، اس نے بھی شدت جذبات سے اخبار پرے پھینک دیا ہوگا، اس نے بھی بازو پر دانت جما کر چیخ ماری ہوگی، اس نے بھی اپنی چھاتی پر ہاتھ مارا ہوگا، اس نے بھی چلا چلا کر کہا ہوگا "سعید تمہارا فیصلہ غلط تھا، مجھے دیکھو، 82 برس کے اس بوڑھے کو دیکھو، یہ بغیر محافظ کے مسجد جاتا ہے، پیدل مطب پہنچتا ہے، روز صبح شام کافروں کے درمیان چہل قدمی کرتا ہے لیکن اس پر کبھی کوئی گولی نہیں چلی۔ اس کا کبھی کسی نے راستہ نہیں روکا" ہاں اس 82 برس کے کمزور بوڑھے نے چلا چلا کر کہا ہوگا "سعید کربلا میں تو میں کھڑا تھا لیکن مدینے میں تم مارے گئے۔"

سفید گلاب

پروفیسر انور معظم

"حکیم محمد سعید کا قتل" سیاست کے پہلے صفحے پر یہ سرخی دیکھی تو دل دہل کے رہ گیا پاکستان اور پاکستان کے باہر کسی کے ذہن میں اس وحشت ناک خیال کا کبھی گذر بھی نہیں ہوا تھا کہ حکیم محمد سعید کا خون کسی خبر کی سرخی بھی بن سکتا ہے! ان کے خون کی ہر بوند، عرصہ حیات کا ہر لمحہ، دل اور دماغ کی ساری توانائیاں تو عوام الناس کی خدمت کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ پتہ چلا کہ خدمت خلق پر اس ایمان رکھنے والے نے اپنی موت کی سرخی کے لئے بھی بہت کچھ بچا رکھا تھا...... بہت کچھ...... ایک پیام...... "اگر اپنے کو زندہ محسوس کرنا چاہتے ہو تو جن سے تم محبت کرتے ہو، ان سے محبت کی امید مت باندھو"۔

17/ ستمبر 98ء حکیم صاحب شیزان ہوٹل دوحہ قطر کی لابی میں ہمارے ساتھ موجود تھے میں اور افضل محمد مجلس فروغ اردو ادب کی جانب سے جیلانی بانو کو عالمی ادبی ایوارڈ دینے کی تقریب میں شرکت کیلئے دوحہ آئے تھے حکیم صاحب اپنی سفید سوتی شیروانی اور سفید چوڑی دار پاجامے میں ہمیشہ کی طرح ایک روشنی کے مینار کی طرح سب کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ وہ ہوٹل کی لابی میں بیٹھے مریضوں کا حال سن رہے تھے۔ تعلیم اور صحت کو اپنی زندگی کے دو مقاصد قرار دینے والا یہ بڑا آدمی ہر جگہ خدمت خلق کا فرض ادا کرتا دکھائی دیتا تھا۔ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے ایک نیا کیمرہ خریدا تھا۔ وہ دکھایا۔ پھر کہنے لگے "آیئے آپ کے ساتھ تصویریں ہو جائیں" یہ ہمارے ساتھ ان کی آخری تصویری ملاقات تھی۔ انھیں بتایا کہ میں اور جیلانی بانو واپسی میں کراچی آرہے ہیں تو تاکید کی کہ "پہنچتے ہی فون کیجئے"۔ "دارالحکمت" چلیں گے۔ اب وہ بہت بڑا ادارہ بن گیا ہے"۔ انھوں نے دارالحکمت میں کھولے گئے انفارمیشن ٹکنالوجی سنٹر کی تفصیلات بتائیں۔ کہ یہ سنٹر پاکستان میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اسی شام ایک چمکتی دمکتی شاندار تقریب میں جیلانی بانو نے ان کے ہاتھوں اپنا ایوارڈ حاصل کیا۔ اس ایوارڈ کا اعتبار دس گنا بڑھ چکا تھا۔

حکیم محمد سعید صاحب سے میری پہلی ملاقات 1979ء میں ہوئی جب وہ رسالہ "اسلامک کلچر" کی گولڈن جوبلی تقاریب میں شرکت کے لئے عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد آئے۔ میں 1971ء میں کراچی گیا۔ انھوں نے "شام ہمدرد" میں میرا لکچر رکھوالیا۔ یہ شام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں منعقد ہوئی جس میں شہر کے تمام پڑھے لکھے لوگ موجود تھے۔ میرا موضوع تھا "اسلامی تہذیب اور مسلم تہذیبیں"۔ اس کے چند دن بعد اپنے گھر پر جیلانی بانو کا استقبالیہ رکھا۔ ان کی قائم کردہ ہمدرد فاؤنڈیشن طب اور تعلیم کے میدانوں میں جو اہم کام انجام دے رہی تھی۔ ہم نے اس سے واقفیت حاصل کی۔ اس کے بعد جب بھی ہم کراچی گئے حکیم صاحب سے ملاقاتیں رہیں۔ زیادہ تر دارالحکمت میں یا پھر برادرم مشفق خواجہ کی محبت آمیز میزبانی میں ہونے والی دعوتوں میں۔ ہر بار ان کی نیک نفسی اور صحت اور علم کے میدانوں میں ان کی لگن اور خلوص کا اثر گہرا ہوتا گیا۔

اپنے برادر بزرگ جناب حکیم عبدالحمید کی طرح حکیم محمد سعید کی شخصیت میرے لئے تعریف سے زیادہ تحیر طلب کرتی رہی ہے۔ کوئی شخص اتنا بے غرض کیسے ہو سکتا ہے!

حکیم صاحب 47ء میں اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید صاحب سے اجازت لے کر پاکستان منتقل ہوئے۔ اور اپنے ساتھ اپنے بھائی کا منتخب کردہ خدمت خلق کا مقصد بھی ساتھ لے گئے۔ ان کے قول کے مطابق جب وہ کراچی پہنچے تو ان کی جیب خالی تھی۔ ایک معمولی مطب سے انھوں نے اپنے عظیم مشن کا آغاز کیا۔ "ہمدرد" کی دواؤں اور مشروبات کیساتھ حکیم صاحب کی پاکیزگی اور محبت نے عوام کے دلوں میں جگہ بنانی شروع کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پاکستان کے غیر سیاسی حلقوں میں سب سے زیادہ باوقار اور محبوب شخص بن گئے۔ بے حساب منافع ہونے لگا۔ اس سے انھوں نے اپنے لئے محل کھڑے کئے نہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے آرام و آسائش کے سامان مہیا کئے۔ یہ سب ہمدرد فاؤنڈیشن (وقف) کا سرمایہ تھا۔ متعدد بڑے صحت اور تعلیم کے ادارے ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیر انتظام چل رہے ہیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کی زیر نگرانی حکیم محمد سعید نے دو جامعات قائم کیں۔ ایک "دارالحکمت" کراچی میں اور دوسری "ہمدرد یونیورسٹی" اسلام آباد میں۔ پاکستان کے تمام شہروں میں ان کے مطب قائم ہیں جہاں وہ ہر ماہ جایا کرتے تھے۔ "شام ہمدرد" کراچی کے علاوہ اسلام آباد، لاہور اور پشاور میں بھی منعقد ہوا کرتی ہے۔ ہمدرد کی ایک مجلس شوریٰ بھی ہے۔ جس کے اجلاسوں میں ملک کے دانشور اور علماء شرکت کرتے ہیں اور ملک کو درپیش مسائل پر غور کرتے اور تجاویز پیش کرتے ہیں۔

(باقی صفحہ 27 پر)

حکیم سعید کی شہادت : علامتوں کا قتل

سید محمد احمد مدنی

ممتاز قومی شخصیت اور بین الاقوامی شہرت یافتہ حکیم محمد سعید کو ہفتے کے روز (17/ اکتوبر) کراچی میں علی الصبح "نامعلوم" دہشت گردوں نے گولیاں برسا کر شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم آرام باغ کے علاقے میں واقع اپنے مطب پر پہنچے ہی تھے کہ انھیں چاروں طرف سے گھیر کر گولیاں برسادی گئیں جس سے حکیم صاحب موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ فائرنگ سے ان کے معاون حکیم عبدالقادر اور ان کا چپراسی بھی جاں بحق ہو گیا جب کہ دو محافظ زخمی ہو گئے اور جیسا کہ کراچی میں برسوں سے ہو رہا ہے، قاتل اپنے ناپاک منصوبے پر عمل کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ فرار ہو گئے۔

کہنے کو تو یہ ایک فرد کا قتل ہے لیکن دراصل یہ فرد کا نہیں ایک علامت کا قتل ہے۔ حکیم صاحب تخریب کے ماحول میں تعمیر کی علامت تھے۔ وہ بے حسی کی فضا میں اخلاقی حس کی علامت تھے وہ خوف زدگی کے عالم میں جرأت کی علامت تھے۔ وہ قومی سطح پر پاکستان کی علامت تھے، چنانچہ ان کا قتل محض ایک فرد کا قتل نہیں ہے بلکہ یہ ایک نہیں بیک وقت کئی علامتوں کا قتل ہے۔ لیکن کیا علامتوں کو قتل کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ انھیں قتل کیوں کیا گیا، اور اس قتل کا ذمہ دار کون ہے؟ حکیم صاحب کی بنیادی شناخت حکمت تھی اور وہ فروغ تعلیم کو اپنا مشن قرار دیتے تھے۔ لیکن وہ حکیم نہیں تھے اس سے کچھ زیادہ تھے۔ وہ محض فروغ علم کے علمبردار نہیں تھے۔ اس سے کچھ زیادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گزشتہ کچھ برسوں سے مجموعی قومی منظر کے حوالے سے سخت اضطراب میں مبتلا تھے۔ اور ان کی گفتگو اور بیانات سے ایک طرح کی انقلابیت کا اظہار ہو رہا تھا اور وہ ملک میں ہر سطح پر ایک مثبت تبدیلی کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ انھوں نے حال ہی میں جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد سے بھی ملاقات کی تھی اور ان کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ میرا اور قاضی صاحب کا مشن ایک ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے قتل کی پشت پر ان قوتوں کا ہاتھ ہے جو ملک سے ظلم اور ناانصافی پر مبنی نظام کا خاتمہ نہیں چاہتیں اور جن کی خواہش ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کبھی بھی حقیقی معنوں میں اسلامی جمہوریہ پاکستان نہ بن سکے۔ یہ قوتیں ملک میں بھی موجود ہیں اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ حکیم صاحب کے قتل سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قوتیں اس بات سے سخت خوفزدہ ہیں کہ معاشرے کے صالح عناصر کہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہو جائیں۔ ایسا ہو گیا تو استحصالی بد عنوان اور نااہل لوگوں سے ملک و قوم کو نجات حاصل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ حکومت اپنے بدنام زمانہ طریقہ کار کے مطابق حکیم سعید کے قتل کو ایک بڑا نقصان قرار دے گی اور مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے اس عزم کا اعلان کیا جائے گا کہ حکیم سعید کے قاتلوں کو بخشا نہیں جائے گا۔ اور انھیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔

سفاکی اور بے حسی سے بھرپور یہ ڈرامہ عرصے سے جاری ہے۔ اور اس کے کوئی معنی نہیں کیوں کہ گزشتہ اٹھارہ ماہ میں کراچی میں ہزاروں افراد مارے جاچکے ہیں اور کسی واردات میں ملوث کوئی مجرم آج تک پکڑا نہیں جاسکا ہے، چنانچہ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دیگر ہزاروں افراد کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ حکیم محمد سعید کے سفاکانہ قتل کی اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور انتظامی ذمہ داری قبول کرے اور صوبائی اور وفاقی حکومت کے سربراہ اپنے عہدوں سے استعفیٰ دیں۔ اب عوام کو مطمئن کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ آخر مکمل انارکی کی اس صورت حال میں وزیر اعظم وزیر اعلیٰ اور وفاقی وزیر داخلہ کا اپنے عہدوں پر کام کرنے کا کیا جواز ہے؟ کیا ان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ وہ جھوٹی تعزیتیں کرتے رہیں؟ افسوس کے اظہار کیلئے بیانات داغتے رہیں، امن وامان سے متعلق اجلاسوں کی صدارت کرتے رہیں؟ اور پھر حادثوں اور سانحوں کے دو چار دن بعد سب کچھ بھول جائیں؟ حکیم صاحب حقیقی معنوں میں ایک ادارہ تھے اور ان کے چلے جانے سے پیدا ہونے والا خلاء مشکل ہی سے پر ہو سکے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ لیکن یہاں ہم حکیم صاحب کی شہادت میں مضمر ایک اہم پیغام کو معاشرے کے تمام صالح عناصر تک پہنچانا اپنا قومی اور ملی فرض سمجھتے ہیں۔ یہ پیغام بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ "اگر معاشرے کے بہتر عناصر مجتمع ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوئے تو سازشی اور استحصالی عناصر انھیں ایک ایک کر کے قتل کرتے رہیں گے اور بدی کی قوتیں خیر کی قوتوں پر مکمل طور پر غلبہ پالیں گی۔" اس پیغام اور اس کے مضمرات کے تقاضے ہر صاحب فہم پر عیاں ہیں۔

ستارہ ڈوب گیا

مولانا سید کلب صادق

ابھی گذشتہ مہینہ کی بات ہے جب میں ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی کے انفارمیشن ڈائرکٹر علی حسن مرحوم کی مجلس پنجم پڑھنے کیلئے کراچی گیا تھا۔ یہ مجلس ناظم آباد کی مشہور شیعوں کی مسجد 'مسجد باب العلم' میں سہ پہر کو منعقد ہوئی تھی۔ چند برس قبل اس مسجد میں تین شیعہ نوجوانوں کو مراسم عبادت بجالانے کے دوران گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ مگر اس روز مجھے ماحول کی یہ تبدیلی دکھائی دی کہ اس مسجد میں' مجلس سے قبل شیعہ حضرات تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور سنی حضرات بالکل اطمینان سے نماز عصر ادا کر رہے تھے۔ چوں کہ پاکستان میں انسانی جان کے علاوہ ہر شے گراں قیمت ہے اس لئے میں نے مجلس کا موضوع، "اسلام میں انسانی جان کی قیمت" قرار دیا تھا۔ مجلس ختم ہوئی تو مصافحہ کرنے والوں میں حکیم صاحب مرحوم بھی تھے۔ میں ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا مگر مجمع میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا، مجھے یہ خبر نہ تھی کہ اس کے بعد ہی میرے اور ان کے درمیان موت حائل ہو جائے گی۔

ان کے سفاکانہ قتل کی خبر پڑھی تو حقیقتاً آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا آ گیا، میں تقریباً ہر ماہ پاکستان جاتا ہوں اور ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ یہ بغیر کسی سیکورٹی وغیرہ کے آزادانہ گھومنے پھرنے والے ان کو کسی بھی وقت گولیوں کی زد پر لایا جاسکتا ہے مگر حکیم صاحب کیلئے تو میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایسے مرد مسلماں، عبادت گذار بلکہ تہجد گذار، نیک، شریف، خیر خواہ، خدمت گزار، مرنج و مرنجاں فرشتہ صفات، انسان کو بھی ملعون سفاک بے رحمانہ قتل کر سکتے ہیں۔

میں حکیم صاحب کے بارے میں کیا عرض کروں ان پر تو کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے، مجھے پاکستان میں حکیم صاحب مرحوم کی شخصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا۔ اللہ کی نعمتوں کی طرح اللہ والوں کا فیض بھی ہر ایک کیلئے ہوتا ہے اور حکیم صاحب کے فیض کی بالکل یہی صورت تھی۔ ہر ایک سے محبت ہر ایک سے پیار ہر ایک کے ساتھ خلوص، دشمنی صرف تین چیزوں سے تھی۔ جہالت، فرقہ پرستی اور اسلام دشمن، استعمار۔ ان کی تقریروں اور تحریروں کے موضوعات یہی تھے۔ شیعوں اور سنیوں سے برابر ملتے تھے اور دونوں کی ذاتی اور مذہبی تقریبات میں یوں شریک ہوتے تھے کہ جسے مسلک معلوم نہ ہوا سے پتہ ہی نہ چل سکتا تھا کہ ان کا مسلک آخر ہے کیا۔ لندن جاتے تو ہمیشہ ساوتھ لندن میں ایک متوسط درجہ کے شیعہ بزرگ یوسف حسن نقوی کے مکان پر قیام ہوتا اور واشنگٹن جاتے تو اثر عباس نقوی صاحب کے مکان میں ڈیرا ڈال دیتے۔

مجھ سے کتنی محبت کرتے تھے، اسے کیا بیان کروں، کون یقین کرے گا؟ وہ پاکستان جہاں کسی کو نہ سیدھا چلنا آتا ہے نہ سیدھے بات کرنا آتی ہے، جسے دیکھو اس کا دماغ عرش معلی پر، مگر اس ماحول میں حقیر نے صرف ایک حکیم صاحب کی ذات میں یہ صفت دیکھی کہ سندھ کے گورنر ہوئے تو معمولات وطرز زندگی میں فرق نہ آیا۔ پروٹوکو قریب نہ آنے دیا۔ سرکاری گاڑی پاس نہ بھٹکنے دی۔ وہی سادہ زندگی رہی۔ پرانی سوزوکی گورنر ہاوس میں کم اور مطب میں زائد وقت گزارتے رہے۔ مگر کمال بات یہ ہے کہ سرکاری فائلیں بھی اٹکنے نہ دیں۔

ان ساری مصروفیات کے باوجود یونیورسٹی بنانے اٹھے تو اسے بنا کر چھوڑا۔ بچوں کیلئے معیاری اسکول بنانے کی ٹھانی تو نونہال اسکول کا ایسا شاندار اور ماہر اسکول بنائے بغیر دم نہ لیا۔

پاکستان کے اُفق پر چمکنے والا حقیقی ستارہ ڈوب گیا اب پاکستان پرچم پر تارہ رہے تو کیا اور نہ رہے تو کیا۔

میں مرحوم کے برادر بزرگ حکیم عبدالحمید صاحب اور ان کے تمام پسماندگان کی خدمت ہی میں تعزیت نہیں پیش کرتا بلکہ پوری ملت مسلمہ کو اس سانحہ کبریٰ پر تعزیت پیش کرتا ہوں کہ یہ موت ایک انسان کی موت نہیں، اس موت نے قوم کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

☆☆☆

المیہ موت نہیں، سوچ ہوتی ہے!

ظفر صمدانی

حکیم سعید کے قتل پر ہر طرف سے تعزیتی پیغامات اور بیانات جاری کیے گئے۔ ٹیلی ویژن دیکھ کر یہ خیال آیا کہ شاید انہی شخصیتوں نے تعزیت روا رکھی جو حکومت سے وابستہ ہیں۔ اخبارات نے بتایا کہ ان کی موت سے ہر سیاسی حلقے کو صدمہ پہنچا ہے اور ہر قابل ذکر طبقے نے اپنے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ مگر چونکہ انھوں نے اپنے نکتہ نظر سے بات کی سرکاری ذرائع میں ان کا ذکر نہیں ہو سکا بہر حال یہ غنیمت ہے کہ سارا دن قتل کی خبر سے زیادہ صدر کی سرگرمیوں اور ان کے رد عمل پر توجہ مرکوز رکھنے کے بعد خبرنامے میں اس واقعے کا صحیح اور تفصیلی ذکر کیا گیا۔

صدر اور وزیر اعظم کے پیغامات کو دوسری شخصیتوں کے بیانات پر سبقت دینا قدرتی امر ہے۔ یہ ملک کے اعلیٰ ترین اور اہم ترین عہدے ہیں۔ ان کیلئے منتخب افراد کے پیغام کو ترجیحی انداز میں نشر کرنا یا جلی حروف میں شائع کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عموماً یہ پیغامات رسمی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس بار انھیں ایک ہی دن میں قتل کی دو بہیمانہ وارادت پر اپنے رد عمل کا اظہار کرنا پڑا۔ دوسری واردات دارالحکومت میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا عبداللہ کا قتل تھا۔ مگر صدر مملکت کے پیغام کے متن میں اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے حکیم محمد سعید کے قتل کو ایک قومی المیہ قرار دیا۔ موت 'خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو المیہ نہیں ہوتی۔ زندگی کیلئے یہ منزل قدرت نے منتخب کی ہے۔ سانس کی ڈوری کو تو جلد یا بدیر ٹوٹنا ہی ہوتا ہے۔ یہی مشیت ایزدی ہے۔ سو موت المیہ نہیں۔ وہ حالات یقیناً المیہ ہوتے ہیں جن میں کسی مقتدر ہستی کو تشدد کے ذریعے موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے 'جن میں انسانیت کے محسنوں کا خون بہایا جا سکتا ہے۔

> سانس کی ڈوری کو جلد یا بدیر ٹوٹنا ہی ہوتا ہے۔ سو موت المیہ نہیں۔ وہ حالات یقیناً المیہ ہوتے ہیں جن میں کسی مقتدر ہسی کو تشدد کے ذریعے موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔

بہت سے واقعات کو المیہ کہا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کا قتل ایک بڑا واقعہ تھا۔ مگر المیہ نہیں تھا۔ اس واقعے کا المیہ یہ ہے کہ برسہا برس گزر جانے کے بعد بھی اس جرم کی حقیقت معلوم نہیں کی جا سکی۔ اس سے بھی بڑا المیہ ہو سکتا ہے کہ حقائق جان لینے کے بعد حکومتوں نے عوام کو آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ نامعلوم ان میں کون سا امکان صحیح ہے۔ یہ صورت حال ایک قومی المیہ ہے کہ ہر سال قائد ملت کی برسی منائی جاتی ہے ان کی یاد میں قرآن خوانی کی جاتی ہے۔ مگر ان کا قتل وہ بھی ہزاروں افراد کی موجودگی میں راز رہتا ہے۔ اس پر وقت کی گرد کی اتنی دبیز تہیں جم گئی ہیں کہ شاید اب اسے افشا کرنا ممکن نہیں رہا۔ قوم کا المیہ یہی ہے۔

حکیم سعید ملک کی ان دو ہستیوں میں سے تھے جو غیر متنازعہ تھیں۔ (دوسری شخصیت عبدالستار ایدھی ہیں جو ایک مرحلے پر پاکستان سے اس لئے باہر چلے گئے تھے کہ انھیں موت کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔) قومی زندگی میں حکیم صاحب کا یہ مقام گمنام قاتلوں کی مذموم حرکت بھی چھین نہیں سکی انھوں نے حکیم سعید کو تشدد کا نشانہ بنایا اور اس طرح حکومت کو پیغام بھیجا۔ حکیم سعید کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ المیہ ہوا تو پاکستانی قوم کیلئے وہ زندہ رہتے تو اپنا باقی وقت بھی انھی پر صرف کرتے۔ ان کے حوالے سے کوئی اور المیہ بنتا ہے تو یہ کہ ان کی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے۔ عوام میں ان کی قدر و منزلت تھی۔ ایک حکومت نے انھیں سندھ کا گورنر بھی بنایا لیکن یہ بھی ان کے مرتبے کے مطابق اعزاز نہ تھا۔ المیہ تو یہ تھا کہ وہ مقام جس پر پاکستان کے کسی بھی فرد کا حق ان سے زیادہ نہ تھا' کسی اور کو ایسی خدمات کے صلے میں دے دیا جائے جن کا ملک اور قوم سے کوئی تعلق نہ ہو۔

صدر مملکت نے ان کے قتل کو المیہ کہا تو یہ تھا کہ حکیم سعید کی موجودگی میں ملک کا صدر ایک ایسے شخص کو نامزد کیا گیا۔ اس لئے کہ اس عہدے پر ایسے شخص کی ضرورت تھی جس پر چند افراد اعتماد کر سکتے تھے۔ خواہ آبادی کی اکثریت کو اس کی موجودگی تک کا علم نہ ہو اور جو حلقے انھیں پیشے کے حوالے سے جانتے ہوں ان کے لئے بھی اس کے نام میں کوئی قابل ذکر خصوصیت نہ ہو۔ دوسری طرف حکیم سعید جیسی برگزیدہ ہستی تھی جس پر ملک کے دانشوروں، اہل علم، سماجی شعبے میں سرگرم کارکنوں اور ہر طبقے کے بیشتر افراد مکمل اعتماد رکھتے تھے 'اور وہ لوگ جن کا واسطہ ان سے چند لمحے کیلئے بھی پڑا نہیں احترام اور عزت دیتے تھے۔ ان کی طرف کسی کی نظر نہ گئی۔ المیے ایسے واقعات سے مرتب ہوتے ہیں کسی فرد کی موت سے نہیں۔

قوم کی خوش نصیبی اور ان کا المیہ اس کے رہنماؤں کی سوچ ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں اس خوش نصیبی کا فقدان رہتا ہے اور وہ سوچ جو المیے تحریر کرتی ہے اس کی فراوانی رہتی ہے۔

حکیم سعید کی زندگی اور ان کی موت اسی المیے کا منظر ہے

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں

فرخ سعید خواجہ

حکیم محمد سعید کی شہادت سے پاکستان میں علم و حلم، طب و حکمت، دانش و برہان، شرافت و شائستگی اور انسان دوستی کا ایک دور اختتام کو پہنچا۔ وہ عجز و انکسار اور خدمت خلق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ کراچی میں برسوں سے جاری دہشت گردی نے اس مرتبہ ایک ایسی شخصیت کو نشانہ بنایا جس کی بظاہر کسی سے دشمنی نہ تھی اس کے باوجود انھیں کئی بار سنگین نتائج کی دھمکیاں دی گئی تھیں۔ ان کے عقیدے کی پختگی کا عالم یہ تھا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے انسان کی سب سے بڑی محافظ اس کی موت ہے۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور حکیم محمد سعید بھی اپنے مقرر وقت پر مالک حقیقی سے جا ملے۔ انھیں قتل کرنے والے صرف ایک انسان کے نہیں پوری انسانیت کے قاتل ہیں۔ وہ آج ہی تاریکی کے اندھیروں ہی میں غرق نہیں ہیں بلکہ ابدی زندگی کے گہرے غار بھی ان کے اذیت ناک انجام کے منتظر ہیں۔ آج نہیں تو کل وہ اپنے بھیانک انجام سے ضرور دوچار ہوں گے۔ حکیم محمد سعید مرحوم نے ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری وہ عمر کی اس منزل میں تھے کہ طبعی طور پر انھیں کسی بھی وقت اس دنیائے فانی سے ابدی راحت و سکون کی اس دنیا میں بلایا جاسکتا تھا اور وہ اس کیلئے ہمہ وقت تیار بھی رہتے تھے۔

سفید اچکن میں ہمیشہ ملبوس، سادہ غذا اور رہائش رکھنے والے حکیم محمد سعید کو پاکستان نے عزت، شہرت، دولت ہر چیز سے نوازا، لیکن ان تمام نعمتوں کے حصول میں خود ان کی ذات، ذہانت، قابلیت، محنت اور لگن کا بہت بڑا حصہ تھا۔

انھوں نے پاکستان سے بہت کچھ لیا تو اس کے بدلے میں اس مملکت خداداد کو اس سے کہیں زیادہ دیا بھی۔ وہ دنیا بھر میں پاکستان کی آن، بان، شان اور پہچان تھے۔ شعبہ علم کا ہو یا طب کا، تحقیق کا ہو یا سیاست کا، سائنس کا ہو یا ابلاغ کا ہر جگہ ان کی حیثیت نمایاں تھی۔ وہ بہت کم عرصے کیلئے سندھ کے گورنر رہے لیکن اپنی علم دوستی کے سبب کراچی کی چار یونیورسٹیوں کو منظوری کی سند عطا کر گئے۔ ان کے طبع شدہ دینی و تحقیقی مضامین، سفرناموں، رسالوں، کتابوں اور اداروں کا کوئی شمارہ نہیں، ساری دنیا نے ان سے استفادہ کیا۔ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں میں وہ ہمیشہ اور یکساں مقبول رہے۔ ان کے قائم کردہ اداروں نے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد کیلئے روزی کا وسیلہ فراہم کیا۔ ان تمام افراد کی نسلیں اور حکیم محمد سعید شہید کی تحریریں اور ادارے رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اللہ کے ہاں ان کے عظیم اجر و ثواب میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ حکیم محمد سعید کو شہادت جیسے منصب پر فائز کرنے والے اپنی دانست میں اپنے ایک مخالف کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا کارنامہ انجام دے گئے۔ ان بدبختوں کو کیا معلوم کہ حکیم صاحب تو ابدی زندگی کی نعمتوں سے بھرپور ایک روشن شاہراہ کے مسافر بن کر اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہوگئے۔ لیکن ان کے قاتلوں کیلئے یہ دنیا بھی جہنم سے کم نہیں ہوگی اور اگلی دنیا میں تو یقیناً دوزخ کے دہکتے ہوئے الاؤ ہی ان کا مقدر ہوں گے۔



تیسری بین الاقوامی ڈینٹل کانفرنس کے موقع پر ہمدرد کے اشتراک سے منعقد ہونے والے سمپوزیم میں ڈاکٹر احسان الحق، جناب حکیم محمد سعید اور ڈاکٹر الہان (ترکی)

مدینے کا شہید

جاوید چودھری

پچھلے موسم سرما میں ایک نامور پاکستانی دانشور بھارت گئے۔ دورے کے اختتام پر ایک غیر سرکاری تنظیم نے دہلی میں ان کے اعزاز میں ایک نشست کا اہتمام کیا جس میں پاکستانی دانشور کو "خراجِ عقیدت" پیش کرنے کے لئے چوٹی کے بھارتی دانشور تشریف لائے، نشست کے آخر میں جب سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک ہندو دانشور نے اپنے معزز مہمان سے ایک عجیب سوال پوچھا۔ پوچھنے والے نے پوچھا "یہاں بھارت میں مسلمان مساجد میں نماز ادا کرتے ہیں وہاں پاکستان میں کہاں پڑھتے ہیں" پاکستانی دانشور نے اس سوال کو مذاق سمجھ کر فلک شگاف قہقہہ لگایا لیکن جب انھیں محفل کی جانب سے کوئی خاص ردعمل موصول نہ ہوا تو انھوں نے کھسیانا سا ہو کر سوالی کی طرف دیکھا ہندو دانشور کے چہرے پر سنجیدگی کے ڈھیر لگے تھے۔

پاکستانی دانشور نے بے چینی سے پہلو بدل کر جواب دیا "ظاہر ہے مسجدوں ہی میں پڑھتے ہیں" یہ جواب سن کر ہندو دانشور کھڑا ہوا ایک نظر حاضرین پر ڈالی اور پھر مسکرا کر بولا "لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق تو پاکستانی مسجدوں میں نماز پڑھنے والوں کو گولی ماردی جاتی ہے" ہندو دانشور کا یہ تبصرہ پاکستانی دانشور کو اسکڈ میزائل کی طرح لگا اس کا ماتھا پسینے سے بھیگ گیا۔ ہاتھوں میں لرزہ طاری ہو گیا اور آنکھوں میں سرخی آگئی۔ میزبان موقع کی نزاکت بھانپ گئے لہذا انھوں نے فوراً نشست کے اختتام کا اعلان کر دیا یوں پاک بھارت تعلقات مزید بگڑنے سے بچ گئے۔"

یہ واقعہ مجھے مرحوم حکیم سعید نے سنایا تھا مجھے آج بھی وہ گرم سہ پہر یاد ہے۔ میں ہمدرد دواخانہ راولپنڈی میں حکیم صاحب کے کمرے میں بیٹھا تھا مرحوم خلاف معمول تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔

میں نے ادب سے طبیعت کے اس بوجھل پن کی وجہ دریافت کی تو دل گرفتہ لہجے میں بولے "ہم نے بھارت اس دکھ سے چھوڑا تھا کہ ہمیں وہاں مذہبی آزادی حاصل نہیں تھی، ہم نماز پڑھنے جاتے تھے تو ہندو مسجدوں میں سور چھوڑ دیتے، خانہ خدا کے دروازے پر ڈھول پیٹتے، بول وبراز کی تھیلیاں ہمارے اوپر پھینکتے، شرپسند پچھلی صفوں میں کھڑے نمازیوں کو چھرے گھونپ کر بھاگ جاتے۔ ہم نے سوچا چلو پاکستان چلتے ہیں وہاں کم از کم ہمارے سجدے تو آزاد ہوں گے، ہماری مسجدیں ہماری درگاہیں تو محفوظ ہو نگیں لیکن افسوس آج مسلح گارڈز کے پہرے کے بغیر پاکستان کی مسجد میں نماز کا تصور تک نہیں۔ مجھے میرے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید دہلی سے لکھتے ہیں "سعید واپس آجاؤ' پاکستان کے حالات ٹھیک نہیں، یہاں ادھر کم از کم مسجدیں تو محفوظ ہیں.......... لیکن میں" ان کی آواز اکھڑ گئی "پاکستان آنے پر آپ کو کبھی پچھتاوا ہوا؟" میں نے نرمی سے پوچھا' انھوں نے اچکن کے بٹن سہلائے "نہیں، ہرگز نہیں، یہ سودا ہم نے خود کیا تھا، حمید بھائی میرے اس فیصلے سے خوش نہیں تھے، ان کی خواہش تھی میں دہلی میں ہی ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ لیکن مجھے لفظ پاکستان سے عشق تھا لہذا ادھر چلا آیا، اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور وہ ادارہ جس کی بنیاد میں نے بارہ روپے سے رکھی آج پاکستان کے چند بڑے اداروں میں شمار ہوتا ہے، سب پاکستان سے عشق کا کمال ہے" ان کی آواز میں بدستور ملال تھا "لیکن پاکستان کے حالات سے دکھ ہوتا ہو گا؟" میں نے اپنے سوال پر اصرار کیا "ہاں دکھ بہت ہوتا ہے اخبار پڑھتا ہوں، سیاستدانوں کے حالات دیکھتا ہوں، عوام کی دگرگوں صورت حال پر نظر پڑتی ہے تو بہت دکھ ہوتا ہے، جب ادھر دہلی سے کوئی عزیز رشتے دار پاکستان آ کر کہتا ہے، کیوں پھر، تو دل پر چھری سی چل جاتی ہے، لیکن کیا کریں، گھر جیسا بھی ہے، ہے تو اپنا، ہم اسے چھوڑ تو نہیں سکتے، لہذا لگے ہوئے ہیں اور لگے رہیں گے آخر سانس تک۔"

"کوئی ایسی خواہش جس کا آپ نے آج تک کسی کے سامنے اظہار نہیں کیا؟" انھوں نے کچھ دیر تک سوچا "کبھی کبھی جی چاہتا ہے میری موت حمید بھائی سے پہلے ہو، وہ میرے جنازے پر آئیں چہرے سے چادر سرکا کر دیکھیں اور پھر آہستہ سے مسکرا کر کہیں ہاں سعید تمہارا فیصلہ غلط نہیں تھا۔"

وہ گرم سہ پہر ڈھل گئی تو اس کے بطن سے آج کی خشک اور غمناک صبح طلوع ہوئی، میرے سامنے میز پر آج کے اخبار بکھرے پڑے ہیں، ہر اخبار کی پیشانی کے ساتھ آج کے سب سے بڑے انسان کی تصویر چھپی ہے۔ خون میں نہائی اور حسرت میں ڈوبی ہوئی تصویر جو چیخ چیخ کر ہر نظر سے ایک ہی سوال کر رہی ہے "میرا جرم کیا تھا مجھے کیوں مارا گیا میں تو زخموں پر مرہم رکھنے والا شخص تھا پھر

(باقی صفحہ 27 پر)

''سنو قاتلو'' موت امر ہستیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی

مسرت لغاری

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

سترہ اکتوبر کو صبح صبح میڈیا نے کراچی میں دہشت گردی کی ایک ایسی المناک خبر سنائی جس نے ملک کے ہر شخص کو صدمے سے نڈھال کر دیا۔ عہد حاضر کی اہم شخصیت، سراپا شفقت و محبت اور وطن کے عشق میں سر تا پا ڈوبی ہوئی جناب حکیم محمد سعید کی ہستی سعید دہشت گردوں کے ہاتھوں خاک و خون میں نہا گئی۔ خبر اتنی بڑی، اتنی اچانک اور اتنی اندوہناک تھی کہ جس پر اعتبار کرنے کے لئے زمانے کو زمانے لگیں گے۔ اتفاق دیکھیے اس روز ہاکرز کی ہڑتال تھی۔ لگتا ہے اللہ تعالیٰ کو ان کے ان پرستاروں اور عزیزوں کو مزید ایک دن اس المناک خبر کے جبر سے بچا لینا مقصود تھا جو شاید اچانک یہ خبر سہ نہ سکتے ہونگے۔ جن کی صبح ٹی وی پر خبریں مس ہو گئی ہونگی اور وہ خوش نصیب اگلے روز اخبارات کی سرخی میں یہ خبر دیکھیں گے اور سرخ آنسوؤں سے روئیں گے مگر ایسا کیسے ممکن تھا۔ یہ خبر تو پورے دن کی ہر زبان کی بلکہ سب سے بڑی خبر رہی۔

قارئین! صدمہ اس بات کا ہے کہ حکیم صاحب اپنی ذات میں محض ایک شخصیت نہ تھے ایک بہت بڑا ادارہ تھے۔ ایک سکول آف تھاٹ تھے، قوم کے نونہالوں سے لے کر جوانوں اور بڑوں تک کے مسائل مصائب پر کڑھنے والے، لاکھوں بیماروں کو صحت کی نعمت عطا کرنے والے، علم کا شہر بسانے والے، قدم قدم پر حکمرانوں کو ان کی پالیسیوں کے سلسلے میں رہنمائی کرنے والے، ان پر مثبت تنقید کرنے والے، حق بات پر اڑنے والے، حد درجہ وضع دار، درد مند، صلح جو، بے لوث اور بے غرض حکیم صاحب ہم سے چھن گئے ہیں۔ لوگو اگر راہ حق میں جان دینے کو شہادت کہتے ہیں تو پھر حکیم سعید بھی شہید ہیں۔ وہ جو صبح صبح اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے مطب جا رہے تھے جو اس لمحے راہ حق پر رواں تھے اچانک ختم کر دیئے گئے۔ اس روز خدا جانے انھوں نے کتنے مریضوں کے اندر دم عیسیٰ پھونکنا تھا؟ کتنوں کو عملی مومن بننے کی نصیحت کرنی تھی؟ کتنوں کو حیات نو پڑیوں میں باندھ کر دینی تھی۔ خدا جانے اس جیسی نابغہ ہستی کو پیدا کرنے پر اب صدیوں کا کس قدر زور صرف ہو گا۔ فی زمانہ ہزاروں سال رونے کو نرگس کی آنکھ ہی نہیں ہے تو چمن میں دیدہ ور کیوں کر پیدا ہو گا؟ اہل چشم اور اہل نظر ہونے میں بہت فرق ہے اور آج کل دانش و دیدہ ور کو پرکھنے کے معیار ہی بدل گئے ہیں۔

ذاتی طور پر میرے لئے حکیم صاحب کی ناگہانی موت کا صدمہ اس لئے بھی ناقابل برداشت ہے۔ کیونکہ مجھ پر ان کی جو نگاہ کرم اور شفقت تھی اس کا انتہائی تصور بھی بمشکل کیا جا سکتا ہے۔ میں کیا، اور میری تحریر کیا؟ مگر وہ جو ڈیڑھ سو کتاب کے مصنف تھے میری تمام کتابوں سے لے کر میرا لفظ لفظ تک بے حد شوق سے پڑھتے تھے۔ نوائے وقت میں کالم نگاری شروع کی تو خاص طور پر مجھے لکھ بھیجا جو کام میں کرنا چاہتا تھا آپ نے شروع کر دیا ہے۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا آپ کے قومی رہنمائی اور اصلاح احوال کے جذبے پر آپ کو شاباش دیتا ہوں۔ لیکن برائے کرم کبھی کالم نگاری نہ چھوڑ دینا اور آج جب یہ کالم لکھ رہی ہوں تو کس طرح ان سے پوچھوں کہ حکیم صاحب میں تو کالم لکھ رہی ہوں آپ ہی نہیں پڑھ رہے۔ اگر میں نے آج جیسا کالم لکھنے کو کالم نگاری شروع کی تھی تو چھوڑ دیتی۔ اب کون میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہے گا بیٹی آپ کے کالم کا مجھے کریز ہے۔ بلکہ ہاتھ سے قینچی کا اشارہ کر کے فرمایا نہ صرف پڑھتا ہوں بلکہ کاٹ کر رکھ بھی لیتا ہوں۔ میں سمجھتی ہوں اس انتہائی قدر دانی اور اس درجہ کا خلوص و شفقت میری پوری زندگی کا سرمایہ ہے۔ ان کو بھلانا اور یاد رکھنا دونوں کام میرے لئے ناممکن ہو رہے ہیں۔ اپنی تمام تحریریں، انٹرویوز، خبر نامہ اور دوسرے رسائل باقاعدگی سے مجھے بھجواتے تھے اور ساتھ اصرار فرماتے کہ رائے بھی بھیجوں۔ خلیجی جنگ کے بادل چھائے اور امریکی صدر نے جب عراق پر حملہ کرنے کے لئے ڈیڈ لائن دے دی تو انھوں نے انتہائی دردمندی سے تمام مسلمان ممالک کے سربراہوں کو جنگ روکنے کے لئے ایک اہم مراسلہ بھیجا۔ مجھے حیرت ہوئی انھوں نے اس خط کی ایک کاپی مجھے بھی ارجنٹ ڈاک میں بھیجی اور لکھا کہ میں اس سلسلے میں قلم کی طاقت استعمال کروں۔ مجھے یاد ہے میں نے اسی لمحہ ان کے حکم کی تعمیل میں ایک مضمون لکھا۔ جس پر اشاعت کے بعد اہم رد عمل سامنے آیا۔ مضمون میں بطور خاص میں نے ان کے اس خط کا ذکر کیا اور اتنی اہمیت دینے پر شکر گزار ہوئی تو فون پر شکریہ ادا کیا مگر اپنے ذکر کو پسند نہ فرمایا۔ اس کے بعد کراچی سے مجھے اپنی ماہانہ میٹنگ ''ہمدرد تھنکرز فورم'' کا رکن مقرر کرنے کا خط بھیجا جو راولپنڈی میں ہر ماہ باقاعدگی سے ہوتی ہے۔ میں کوشش کر کے باقاعدگی سے اٹنڈ کرتی تھی۔ کئی بار میں نے خطاب

بھی کیا تو بیحد خوش ہوئے۔ میں نے اپنے روحانی افکار و اقوال پر مبنی نئی کتاب "تیسری آنکھ سے" بھیجی تو پسندیدگی کا یہ عالم تھا کہ فوراً فون پر (کراچی سے) تعریف فرمائی۔ شکریہ کا خط لکھا اور اس پر اپنی قیمتی رائے الگ سے لکھ کر بھیجی۔ اگلے ماہ جب میٹنگ ہوئی تو اس پر کچھ دیر خاموشی فرمائی پھر آہستہ سے فرمایا بہت ہی گہری باتیں ہیں۔ سارے نمبر لے گئی ہو۔ مگر آپ سے روحانیت پر بات کرنے کے لئے آپ کے گھر میں اہم نشست کی ضرورت ہے۔ اس بار جلدی میں ہوں اگلی بار کراچی سے جونہی پہنچوں گا آپ کے پاس آؤں گا۔ یہ کہہ کر اپنے زونل مینیجر حیات محمد بھٹی صاحب کو بلا کر فرمایا بیٹی کے ساتھ میری ملاقات کا وقت طے کر لو یہ بہت ضروری ہے۔ بھٹی صاحب نے ڈائری پر ان کا پروگرام دیکھ کر کہا انشاءاللہ اگلی بار ضرور آپ کے پاس تشریف لائیں گے۔ میں نے پروگرام طے کر دیا ہے۔ احتیاطاً میں نے پوچھا تواضع خوب کروں گی مگر اپنی پسند بتا دیجئے انتہائی شفقت سے مسکرا کر کہا کھانا کھاؤں گا ابلے ہوئے چاول اور گوشت کا سادہ شوربہ بنا لینا۔ میٹھے میں تھوڑی سی آئس کریم لوں گا اور آج صبح صبح یہ بات محمد بھٹی صاحب فون پر مجھے کہہ رہے تھے حکیم صاحب نے تو چند دنوں تک آپ کے پاس آنا تھا کہاں چلے گئے ہیں وہ؟ پروگرام میری ڈائری میں درج ہے اور میں شل سی کھڑی رہ گئی ہوں۔ آنسوؤں کی دھار اور تار نہیں ٹوٹ رہی۔ خدا کی شان سے کانپ رہی ہوں۔ ہم مٹی کی مٹھیوں کی کیا مجال کہ اپنی مرضی سے کچھ سوچ لیں، کچھ کر لیں، سب کچھ یہاں رہ جائے گا صرف انسان کے نیک اعمال کا صدقہ جاریہ جاری رہے گا۔ وہ خود اس طرح ختم ہو جاتا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ قدرت کو یہی منظور تھا۔ وہ میرے پاس نہ آسکے۔ میں بھی کراچی نہ جا سکی۔ کیونکہ جب انھوں نے بیت الحکمہ آنے کی دعوت دی تو میری طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ جس پر انھوں نے غالباً ناراض ہو کر دو سطریں مجھے لکھ بھیجیں۔ خدا آپ کو صحت عطا فرمائے۔ مجھ سے ایک میڈیکل کے طالب علم نے پوچھا آپ جب بیمار ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا میں بیمار ہی نہیں پڑتا یہ فرصت کا کام ہے۔ پچھتا رہی ہوں اے کاش میں ان کی موجودگی میں وہاں چلی جاتی۔ خدا جانے کتنی روشنیاں لے کر پلٹتی مگر کیا کیا جا سکتا ہے کہ ؎

من چہ خیالیم و فلک درچہ خیال

سوچتی ہوں قوم کے غم میں گھلنے والا، قوم کا وقت ضائع نہیں کرنے کی خاطر بٹنوں والی آستینیں نہ پہننے کا اصرار کرنے والا آج خود وقت کی پابندی کا شکار ہو گیا۔ اس ایک پل کا جو اس کی تقدیر میں لکھا تھا۔ سوچتی ہوں وہ جاپان میں جھک کر نہ بیٹھے تھے آج دائمی تھکن دور کرنے کے لئے کس طرح بستر مرگ پر لیٹے ہوں گے؟ ان کے تو ابھی بہت سے کام باقی تھے۔ بہت سے منصوبے ادھورے تھے۔ ابھی تو انھوں نے اپنے عزیز از جان پاکستان کو امن کا گہوارہ بنا ہوا دیکھنا تھا۔ وہ شخص جس نے اپنا سب کچھ قوم اور وطن پر نچھاور کر دیا آخر کار اپنی جان بھی جس پر نثار کر دی۔ اس کی قربانیوں کی کوئی گنتی اور شمار ہی نہیں ہے۔ وہ ہمارے ماضی، حال اور مستقبل کا سرمایہ تھا۔ پوری قوم کو غریب کر گیا ہے۔ یہ الگ بات کہ ان کا فیض ان کی وفات کے بعد بھی جاری و ساری ہے۔ ایسی زندہ و جاوید ہستیوں کو موت کیونکر مار سکتی ہے۔ بظاہر وہ باقی نہیں رہتیں لیکن دراصل تو وہ زمان و مکان اور حیات و ممات کی قید سے ماورا ہوتی ہیں۔

("نوائے وقت" کراچی)



سعودی وزیر تیل جناب ذکی یمنی حکیم محمد سعید کے ساتھ

اک ادارہ کا قتل

سید انور قدوائی

ہفتہ 17ر اکتوبر کی صبح کتنی ظالم تھی کہ اس نے ایک عظیم انسان کو ہلاک کر دیا۔ وہ انسان کہ جس کی ساری زندگی خدمت خلق سے بھرپور تھی جس کے صبح وشام عوامی خدمت میں بسر ہوئے وہ اہل وطن کے لئے جیا اور اس کا یہ کہنا سو فیصد درست تھا کہ "مجھے اپنے وطن اور اہل وطن سے بڑا پیار ہے" یہ کوئی معمولی شخص نہ تھا بلکہ ایک بڑا انسان تھا جس نے پاکستان میں "بڑے کام" کئے ہیں۔ لوگوں میں صحت بانٹی ہے، تعلیم کی شمع ہی روشن نہیں کی بلکہ انھیں فکر وشعور بھی دیا ہے۔ حکیم محمد سعید کی موت سے ایک چراغ 'ایسا گل ہوا ہے جس سے بڑی دیر تک اندھیرا چھایا رہے گا۔ ایک ایسا خلاء پیدا ہوا ہے کہ صدیوں تک پُر نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے لوگ دنیا میں آئیں گے لیکن حکیم سعید کوئی نہیں ہوگا۔ جنہیں ان سے ملنے 'ان کی محافل میں بیٹھنے کا اعزاز حاصل رہا ہے وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ حکیم سعید دردمند شخص تھے اور انھیں ملک وقوم کا بڑا درد تھا۔ ان کی خواہش، آرزو تھی کہ پاکستان میں قومی یکجہتی کی فضا پیدا ہو، آپس کی قتل وغارت ختم ہو، امن وامان کو بہتر بنایا جائے۔ انھوں نے ملک میں ہمدرد مجلس شوریٰ کے نام سے ایک فعال اور متحرک "تھنک ٹینک" قائم کیا تھا جس میں ملکی مسائل پر غور وفکر ہی نہیں کیا جاتا بلکہ مثبت و موثر تجاویز بھی مرتب کی جاتی ہیں۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جن سے کسی کو نقصان نہیں ہوا ان کی کسی سے دشمنی نہیں تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا کسی سیاسی گروہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگرچہ ایک بار پیپلزپارٹی کے ٹکٹ پر انھوں نے انتخاب میں حصہ لیا اور نگراں دور میں تین ماہ گورنر سندھ بھی رہے لیکن عملی سیاست سے کبھی تعلق قائم نہ رکھا۔ بھٹو دور میں عام انتخابات میں حصہ لینے کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ وہ سیاسی غلطی تھی۔ اب ایسی غلطی دوبارہ نہیں کروں گا۔ تاہم وہ ملک کی سیاسی قیادت سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کی رائے تھی کہ موجودہ "سیاسی لوگ" اہلیت وصلاحیت سے محروم ہیں۔ کبھی کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ "میرا مشن وخواہش ایک "مدینۃ الحکمت" قائم کرنا تھا جو میری زندگی میں پورا ہوگیا۔" کراچی سے کچھ دور انھوں نے ہمدرد یونیورسٹی اور دوسرے ادارے قائم کئے اور اس کا نام "مدینۃ الحکمت" رکھا جو ان کا ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔ ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں انھوں نے بتایا تھا کہ حرم پاک اور روضۂ مقدس میں انھوں نے اس مشن کیلئے دعا کی تھی اور یہ کہ مقام ابراہیم پر بیٹھ کر یہ تمام تر منصوبہ مرتب کیا تھا۔ حکیم سعید اپنی ذات میں ایک ادارہ 'ایک انجمن تھے۔ ان کا اندوہناک قتل ایک فرد نہیں ایک ادارہ کا قتل ہے۔ انھوں نے وہ کچھ کیا جو 'ایک عام آدمی نہیں کر سکتا۔ ان کی خدمات سب کے علم میں ہیں۔ طب یونانی کو ساری دنیا میں روشناس ہی نہیں کرایا بلکہ اس کا لوہا بھی منوایا۔ جدید خطوط پر یونانی ادویات بنانے کے کام کا آغاز کیا اور یہ کہ ہمدرد ایک ایسا ادارہ ہے جو ٹرسٹ ہے اور اس طرح انھوں نے عوام میں شرکت کے احساس کو فروغ دیا۔ اور طبیہ کالج قائم کر کے یونانی طب کی تعلیم کا اہتمام بھی کیا گیا۔ "شام ہمدرد" کو ملک بھر میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اس پلیٹ فارم سے حکیم صاحب نے ملک میں فکر وشعور کی شمع روشن کی۔ ان کی ہلاکت سے ملک ایک عظیم انسان سے محروم ہو گیا ہے اور ان کی موت حکمرانوں کے لئے بھی ایک لمحہ فکریہ ہے۔ کراچی ایک مدت سے نفرت وانتقام، دہشت گردی کی آگ میں جل رہا ہے۔ سینکڑوں افراد اس کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ حکومت نے اسے ختم کرنے یا اس پر قابو پانے کی بات بھی کی۔ چند اقدام بھی کئے گئے لیکن یہ آگ ہے کہ سرد ہونے کی بجائے بھڑکتی ہی جا رہی ہے۔ اس میں کون ملوث ہے، اس کے پیچھے کیا عوامل ہیں اس حوالے سے بہت سی باتیں کی جا رہی ہیں۔ چند حلقے ایسے ہیں جو مرحوم جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کا خیال ہے کہ دو گروپوں کی لڑائی ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ اس آگ نے بہت سے "بڑے انسانوں" کی زندگیاں چھین لی ہیں۔ ان میں مولانا صلاح الدین جیسے نیک اور اچھے صحافی، میر مرتضیٰ بھٹو، عظیم طارق جیسے نوجوان سیاستداں، نجیب جیسے مخلص کارکن بھی شامل ہیں۔ اور ایک "ہٹ لسٹ" ہے جس کا اکثر وبیشتر "ذکر خیر" بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے کہ اب حکیم سعید جیسے نیک اور اچھے انسان بھی ان کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ ظالم لوگ کون ہیں جنھوں نے ایک نیک انسان کو بہیمانہ طور پر قتل کر دیا ہے۔

مسیحا نفسے می آید

محترم حکیم محمد سعید کے نام

ان کے علمی کارناموں کے تناظر میں

سیّد قمر ہاشمی

مضطرب روح عطا کرتی ہے نرگس کو نظر
لبِ خاموش کو شعلوں کی زباں دیتی ہے
درد کو سوز عطا کرتی ہے دل داری کا
فکر کو تاب و توانِ غمِ جاں دیتی ہے

مضطرب روح کہ ہے چارہ گرِ زخمِ نہاں
جذبۂ شوق ہے آسودگیٔ حرفِ سپاس
مضطرب روح کے گرے داب میں ماحول اسیر
جذبۂ شوق کہ ساحل پہ بھی طوفاں کی اساس

گردشِ خوں کو عطا کی ہے عمل کی توفیق
ذہن و انفاس کو خدمت کا بنایا پابند
صرصرِ خامہ سے تعمیر کیا ہے امروز
عملِ خیر سے کی روشنیٔ فرد اکی دوچند

تو خود آگاہ و خرد مند ہے دانش کا امیں
جو نہ مغرب کی نہ مشرق کی ہے پابند و اسیر
درد مندی کا صلہ کچھ نہیں جز اجر عظیم
تیری ہر سوچ ترے عزم کی زندہ تفسیر

کس جگہ تو نہ گیا بن کے سفیرِ مشرق
ہر کہ امہ نے دیا تیری محبت کا جواب
آج تک تیری امنگوں نے نہیں کھائی شکست
گرچہ جھیلا ہے شب و روز مسافت کا عذاب

تو نے ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو کیا ہے مربوط
تجھ سے ایام و لیالی کی درخشانی ہے
تیری بے باکی و جرأت میں ہے مومن کا سلوک
تیرے کردار میں بھی قوتِ ایمانی ہے

طب کہ تھی نرغۂ اعدا میں تعصب کا شکار
عالمی سطح پہ اب ہونے لگی ہے تسلیم
تو نے بخشا اسے تہذیب و بقا کا امرت
"موئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم"

جبرِ تاریخ سے رجحانِ فراموشی سے
نادرہ کار نوادر کو نکالا تو نے
مدفنِ شرق سے اسلاف کو بھی زندہ کیا
علم و ادراک کا پھیلایا اجالا تو نے

شامِ ہمدرد بھی اک علم ہے آگاہی ہے
ہر برس تو نے مرتب کیے جشنِ علمی
جو تری دین شناسی کا پتہ دیتے ہیں
جو تری ژرف نگاہی کے مظاہر ہیں سبھی

ہر دعا گنبدِ افلاک میں گونجی تیری
تیرے ہر خواب کی تعبیر ملی ہے تجھ کو
جو تری داد و دہش کے نہ طلب گار ہوئے
ان کے اخلاص کی جاگیر ملی ہے تجھ کو

کہتی ہے روحِ عمل ہاتھ اٹھا کر مولیٰ
اپنے اس بندۂ خاکی پہ نزولِ انوار
برکتیں تیری رہیں سایہ فگن اس پہ مدام
تیرے بندوں کے لیے ہے یہ سعادت اطوار

کر قبول انفس و آفاق کے تنہا دلور
اس کے اعمال شب و روز ، مساعی، ایثار
گرمیٔ کار نے رکھا ہے توانا اس کو
عمر اس کی کسی تقویم سے کرنا نہ شمار

یہ امارت میں رہا فقر و غنا کا خوگر
تو نے بخشا ہے اسے اہلِ مروّت کا مزاج
تو جو ہر چیز پہ قادر ہے عطا کر اس کو
لوحِ تاریخ کی تابندگی صدیوں کا خراج

☆☆☆

تاثرات

مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
حکیم محمد سعید : شخصیت اور فکر	ڈاکٹر خاور ہاشمی	۳۹
اعلیٰ ظرف انسان	ماہنامہ ایوان اردو دہلی	۴۲
تسبیح روز و شب	احمد ندیم قاسمی	۴۶
بچوں سے محبت	انتظار حسین	۴۸
ایک مثالی کردار کی شہادت	الطاف حسن قریشی	۵۰
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا	شاہ مصباح الدین شکیل	۵۳
سقراط کو زہر دیا گیا حکیم سعید کو گولی ماری گئی	حکیم فیاض عالم اصلاحی	۵۷
حکیم محمد سعید : وجود خاکی صفات ملکوتی	محمد صہیب قریشی	۵۹
شہید حکیم محمد سعید : ان گنت فیوض جاریہ	جمیل الدین عالی	۶۲
حکیم محمد سعید	ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ	۶۴
حکیم سعید کو کیوں قتل کیا گیا	محمد علی خالد	۶۸
حذاقت سعید : تجربات طبیب کے آئینے میں	حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی	۷۱
انسانیت کا علمبردار	ڈاکٹر سمیر الطیف	۷۳
دھرتی ماں کا عظیم سپوت	دستار علی شاہ	۷۵
مدینۃ الحکمۃ	اکبر رحمانی	۷۷
حکیم محمد سعید کی اردو تصانیف	ادارہ	۸۰

حکیم محمد سعید : شخصیت اور فکر

ڈاکٹر خاور ہاشمی

اس بات پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے کہ دنیا میں محدود اور معاندانہ قومیت کے منفی تصور نے علم و حکمت کو بھی خود ساز جغرافیائی حدود میں تقسیم کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں حکیم محمد سعید کی شہادت پر وہ شدید اور عظیم رد عمل نہ ہوا جو پاکستان میں ہوا۔ حکیم محمد سعید کے چاہنے والوں کی ہندوستان میں بھی کمی نہیں ہے خاص طور پر ان کے برادر محترم حکیم عبدالحمید صاحب کے تعلق سے صاحبان علم و فن ان سے باخوبی آشنا ہیں۔ تاہم ہندوستانیوں کو حکیم محمد سعید صاحب کو قریب سے دیکھنے، ان کے فکر و عمل کو سمجھنے کے مواقع نہیں ملے۔ ان کا مرکز عمل پاکستان تھا اور ہندوستان اور پاکستان دو عظیم ملکوں کے عام باشندوں کو بھی روابط اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت کی آزادی آج تک نصیب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم محمد سعید صاحب ہندوستان میں اتنے ہی اجنبی ہے جتنا کہ ان کے برادر بزرگ حکیم عبدالحمید صاحب پاکستان میں اجنبی ہیں۔ ان دونوں عظیم بھائیوں کے تاریخ ساز کارناموں کو وطنیت میں محدود کر دیا گیا۔

علم، بصیرت اور ایمان کا عدم اتحاد موجودہ عہد کی دانشوری کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جہاں علم، بصیرت ہے وہاں ایمان نہیں ہے اور جہاں ایمان ہے وہاں علم اور بصیرت کا فقدان ہے۔ علم اور بصیرت کے بغیر اور ایمان علم کے بغیر نامکمل اور خام ہے۔ علم، بصیرت اور ایمان کے کامل کے اتحاد سے پیغمبر پیدا ہوتے ہیں، تاریخ ساز جنم لیتے ہیں، مصلحین اور انقلابی پیدا ہوتے ہیں۔ یہی معاملہ علم و عمل کے ساتھ ہے۔ ان دونوں کا اتحاد ہی انہیں بامعنی اور انسانی زندگی کیلئے مفید بناتا ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کی تحریروں اور تقریروں میں ان کے فکر و عمل کے بڑے گہرے اور قائم اور دائم رہنے والے نقوش ملتے ہیں۔ ایسے جیتے جاگتے نقوش جن سے ان کی پوری شخصیت ابھر کر سامنے آئی ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کی زندگی اور ان کے عمل میں علم، بصیرت اور ایمان کا جتنا حسین اور متوازن امتزاج ملتا ہے وہ عہد حاضر میں بہت کم نظر آتا ہے۔ حکیم صاحب کی فکری اساس قرآن حکیم اور سیرت رسولؐ ہے۔ ان کے لئے قرآن حکیم سرچشمہ ہدایت ہی نہیں پیغام عمل بھی ہے۔ علم و فن کی عظمت اور اہمیت کو انہوں نے قرآن کے وسیلے سے سمجھا اور اس کا ایک مکمل عکس سیرت رسولؐ میں پایا ہے انہوں نے اسلامی تعلیمات کو علامہ اقبال اور مولانا آزاد کی طرح نہایت وسیع تر تناظر میں اور صحیح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھا اور اپنی زندگی میں برتا ہے۔ ان کے یہاں اسلامی تعلیمات سے جن کا مجموعہ قرآن حکیم ہے ایک وسیع تر اور بامعنی انسان دوستی کے دھارے پھوٹتے ہیں۔ قرآن حکیم اقبال اور مولانا آزاد جیسے روشن دماغ مفکرین اسلام کے زیر اثر حکیم محمد سعید نے نسل، خاندان، برتری اور کمتری کے روایتی بتوں کو توڑا ہے اور عمر بھر اپنی تحریروں، تقریروں اور اپنے فکر و عمل کے ذریعہ اس کی نفی کرتے رہے کہ انسان کی عظمت اور برتری کا دارومدار اس کی نسل و خاندان پر ہے۔ اپنے برادر محترم کے بارے میں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں اسلامی تاریخ کے دلائل کے ساتھ نسل و خاندان پر غرور باطل کی نفی کی ہے۔ لکھتے ہیں

"باور کرنا چاہئے اور یقین کہ فطری ترقی اور قدرتی حقوق کی راہ میں امتیاز باطل اور غرور خاندانی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس پر بند باندھنا چاہئے اور گوہر مقصود کا تعلق انسانی عمل میں تلاش کرنا چاہئے اور اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ فرشتہ عمل ہے جس نے کتنے ہی بڑوں کو چھوٹا کر دیا اور کتنے ہی چھوٹوں کو بڑا کر دیا ہے۔ فاروق اعظمؓ کی نماز جنازہ کی جب صف بندی ہوئی تو ہزاروں قریشی اور ہاشمی مقتدی تھے اور صہیب رومیؓ امام۔"

مذہب کو بدلتی ہوئی دنیا اور زندگی کی روشنی میں سمجھنے اور برتنے سے گریز ہماری دنیا کے انتشار، بدامنی اور لاقانونیت کا اہم سبب ہے۔ انسانوں کی اصلاح اخلاقیات سے ہی ممکن ہے قانون سے نہیں۔ بقول رشید احمد صدیقی اللہ نے انسانوں کی رہنمائی اور اصلاح کے لئے پیغمبر بھیجے، پولیس اور فوج نہیں بھیجی۔ ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو ایک ایسے قادر مطلق کا تصور دیتا ہے جس کا خوف اور جس کے سامنے جواب دہی انسانوں کو ان کی گمراہیوں سے روکتی ہے۔

حکیم سعید مرحوم نے اس راز کو قرآن حکیم کے حوالے سے سمجھا۔ لکھتے ہیں'

"خوف الٰہی کے بغیر انسان مکمل نہیں ہو سکتا۔ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے وہ بڑے سے بڑا گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیئت اجتماعی کی نظم میں معاون ضرور ثابت ہوتے ہیں اور تعزیرات کی وجہ سے بڑی حد تک

معاشرہ فتنہ و شر سے محفوظ بھی رہتا ہے۔ لیکن قوانین کی موجودگی کے باوصف جرائم نہ صرف سرزد ہوتے ہیں بلکہ آج کی دنیا میں تو ہر طرح کی بے راہ روی اور لاقانونیت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔"

خوف الٰہی کا ایک بڑا تقاضہ قلب کو ان خواہشوں سے محفوظ رکھنا ہے جو خلاف حق ہیں۔ معاملات و عبادات کے تمام شعبوں میں احکام خداوندی اور سنت رسول کا اتباع خشیت کے نتائج اور ثمرات ہیں۔ ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ مومن اپنے ہر قول و عمل کے سلسلے میں ہی یہ خوف محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا جواب دیگا۔ اس طرح وہ اپنا احتساب خود کرتا ہے۔

تصوف و طریقت میں خوف الٰہی سے زیادہ عشق الٰہی پر زور دیا جاتا ہے چنانچہ انسان کو گمراہیوں سے روکنے میں یہاں خوف سے زیادہ عشق کام آتا ہے۔ ظاہر ہے انسان جس ذات سے عشق کرتا ہے اس کی مرضی اور منشا کے خلاف کسی عمل کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا۔ مذاہب عالم کے پیشواؤں کے ہاتھوں میں قوت نافذہ کبھی نہیں رہی۔ اخلاقی اصلاح کے لئے اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنے بے لوث فکر و عمل سے براہ راست انسان کے ضمیر یعنی انتر آتما کو متاثر کیا ہے۔

حکیم محمد سعید صاحب کی شخصیت اور فکر و عمل میں ذہن و ضمیر کی پاکیزگی، خیالات کی طہارت، انسانی محبت کا جذبہ، علم کا احترام، صاحبان علم و فن سے محبت اور عقیدت بہت نمایاں ہے اور یہی حکیم محمد سعید کی شخصیت اور فکر عمل کے اہم اجزا ہیں۔ انہوں نے دوسروں کی عظمت کا اعتراف ہمیشہ کیا جو خود ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ مومن کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے بلند سے بلند مقام، منصب و مرتبہ کو اپنی رسائی سے باہر کبھی نہیں سمجھا۔ ایمان کامل احساس کمتری کو مٹا کر احترام خودی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اقبال نے انسان کے اسی مقام کو خودی سے تعبیر کیا ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کی تحریروں اور تقریروں میں جو شخصیت جھلکتی ہے اس میں کہیں احساس کمتری نہیں ملتا، بے باکی اور حوصلہ مندی ملتی۔ انہوں نے قومی اور بین الاقوامی پلیٹ فارموں پر صاحبان علم و فن اور دانشوروں کی بھری محفلوں میں اپنے خیالات کی سچائیوں کا اظہار و اعلان جس بے باکی اور اعتماد سے کیا وہ ان کی ایمان کامل کی دلیل ہے۔

تعلیم اور طب، حکیم محمد سعید کے دو خاص میدان عمل رہے۔ انہوں نے کراچی میں "مدینۃ الحکمت" کی شکل میں ایک ایسا عظیم الشان مرکز علم و دانش قائم کیا جو اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے مشرقی دنیا میں عدیم المثال ہے۔ علوم جدید و قدیم کی تعلیم و تحقیق کا یہ مرکز اپنے بانی کے بے لوث جذبہ ایثار کی یاد دلاتا رہے گا۔ یونیورسٹی سے زیادہ اہم اس کے بانی کا وہ نظریہ تعلیم ہے جو سراسر اخلاقیات پر مبنی ہے جس کا مقصد انسان کے کردار کی تعمیر و تشکیل ہے۔ کام کے اچھا برا یا چھوٹا بڑا ہونے کا تعین اس کے بنیادی مقصد کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ مختلف دانشور، ماہرین تعلیم اور مختلف قومیں اس سوال کا جواب بھی مختلف دیتی رہی ہیں۔ موجودہ دور میں تعلیم کا بنیادی مقصد روزگار قرار دیا جا چکا ہے۔ چنانچہ تعلیم کو جاب اورینٹیڈ بنانے پر اس قدر زور دیا گیا کہ جاب ہی جاب رہ گئی تعلیم غائب ہو گئی۔ حکیم محمد سعید صاحب کے نزدیک جاب تعلیم کا بنیادی مقصد نہیں رہا ہے' ملاحظہ فرمائیں۔

"مقاصد تعلیم پر بڑی بڑی خامہ فرسائیاں ہوتی ہیں۔ ماہرین نے تعلیم کے مقاصد متعین کرنے میں بہت کاوشیں کی صفحات کے صفحات سیاہ کئے ہیں۔ لیکن اگر صاف ذہن سے غور کریں اور غیر ضروری بحثوں میں نہ الجھیں تو علم کا مقصد ایک ہے اور وہ ہے انسان کو انسان بنانا۔ اگر تعلیم انسان کو انسان یعنی سچا اور اچھا انسان نہ بنا سکے تو وہ اپنے مقصد میں ناکام ہے۔ انسان سازی میں جو نظام تعلیم ناکام ہو اور متعلم میں انسانیت نہ پیدا کر سکے وہ تعلیم ناقص ہے، لاحاصل ہے بلکہ ضرر رساں ہے۔ قرآن حکیم کے نقطہ نظر سے وہ انسان بہترین انسان ہے جو اللہ کا اچھا بندہ ہو۔ گویا قرآن کے نقطہ نظر سے تعلیم کا مقصد عباد صالح اور نیک بندے تیار کرنا ہے۔ ایک اچھی تعلیم کی یہ خصوصیت بھی ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے علم و عمل، قول اور فعل کی دوری ختم ہو جاتی ہے۔"

اخلاق، کردار اور ایمان۔ یہ تین چیزیں تھیں جنہیں نئی زندگی میں عام کرنے اور استحکام عطا کرنے میں حکیم سعید نے اپنی پوری زندگی گذار دی۔ ان کی تعلیمی، طبی، اخلاقی اور قومی سرگرمیوں پر غور کیجئے تو ان کی بنیاد میں یہی تین چیزیں نظر آتی ہیں۔ علم کے ساتھ بصیرت اور ایمان کا تذکرہ ابتدائی سطور میں آچکا ہے۔ حکیم محمد سعید نے بصیرت کو حکمت کا نام دیا ہے جو زیادہ جامع اور بامعنی ہے۔ اس کی حدود میں دانشوری کا ہر پہلو آجاتا ہے۔ چونکہ ان کا مزاج اور شخصیت علم اور حکمت سے مل کر بنے ہیں اس لئے وہ عمر بھر علم و حکمت کے اتحاد پر زور دیتے رہے۔ لکھتے ہیں۔

"علم و حکمت جب دونوں ساتھ ہوتے ہیں تو قسمتیں بدل جاتی ہیں اور دین و دنیا کی ساری راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ جب علم و حکمت اکٹھے ہوتے ہیں تو انسان کا ضمیر آلودگیوں سے پاک ہونے لگتا ہے اور یہی تزکیہ ہے۔"

حکیم محمد سعید کو پاکستان کی قومی زندگی میں اونچے سے اونچے مناصب پیش کئے گئے۔ انہیں صوبہ سندھ کی گورنری تفویض ہوئی، لیکن وہ اپنی زندگی کے بنیادی مقاصد کو ہمیشہ اولیت دیتے رہے۔ انہوں نے گورنر ہاؤس میں رہنا پسند نہیں کیا۔ امور منصبی کی ادائیگی کے لئے گورنر ہاؤس جاتے رہے اور باقی وقت اپنے منصوبوں کی تکمیل پر صرف کیا۔ ان کی گورنری کے زمانے میں تعلیمی اداروں میں سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ سندھ میں چار نئی جامعات کا قیام سندھ کے عوام کے لئے ایک بیش بہا تحفہ اور حکیم محمد سعید کا ایسا کارنامہ ہے جو تاریخ پاکستان میں سنہری حرفوں میں رقم ہو گا۔ تعلیمی گول میز کانفرنس کا انعقاد گورنر سندھ حکیم محمد سعید کی صدارت میں گورنر

ہاؤس میں ہوا۔ اسی گورنر ہاؤس میں تعلیمی کانفرنس سے ایک ماہ پہلے گورنر محترم نے ایک پروقار تقریب میں چار جامعات کے قیام کی منظوری دی۔

حکیم محمد سعید بنیادی طور پر ایک طبیب تھے۔ وہ اپنی تمام تر سرگرمیوں پر اپنے مطب کو اولیت دیتے تھے۔ ہزاروں مریض روزانہ ان کے دست شفا سے فیض یاب و صحت یاب ہوتے رہے۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں وہ مطب کرتے تھے۔ حکیم محمد سعید طبی دنیا کی پہلی شخصیت تھے جنہوں نے برصغیر کی حدود سے نکل کر پوری دنیا کے گوشے گوشے میں فن طب یونانی کو نہایت موثر طریقہ سے روشناس کرایا ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کی نصف عمر سفر میں گذری۔ وہ اکثر خود کو "سعید سیاح" کہتے اور لکھتے تھے۔ انہوں نے دنیا کے مختلف ملکوں میں رائج مقامی طبوں کا گہرا مطالعہ و مشاہدہ کیا تھا جس سے خود ان کے فن میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوئی۔ انہوں نے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر طب یونانی کو موثر بنانے کیلئے اور اسے ترقی دینے کیلئے طبیبوں کو منظم کیا اور طبی حقوق کیلئے ایک پرزور تحریک پیدا کی۔ انہوں نے پاکستان ہی نہیں پوری برصغیر کے طبیبوں کے مزاج، ان کے رجحان طبع اور ان کے طریقہ کار کا گہرا مشاہدہ کیا اور اس پر غور و فکر کیا تھا۔ وہ عمر بھر صرف فن طب کے لئے ہی نہیں بلکہ حاملین فن طب کی اصلاح کیلئے بھی بیتاب رہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

"شاید یہ یاد کرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک قیادت، ایک مرکزیت، یک جہتی، یک جماعتی، یک فکری، یک نظری کے بغیر نہ طب کا احیاء ہو سکتا ہے اور نہ طبیب کا وقار بلند ہو سکتا ہے۔ ایسی بلندی فکر صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ ہر انسان اپنے مبلغ علم و فکر کا صحت و دیانتداری سے جائزہ لے اور اگر دوسرا اس سے آگے کی منزل پر ہیں تو ان کو اپنے سے نیچی منزل تک گھسیٹ لانے کی بداخلاقی میں مبتلا نہ ہوں۔"

حکیم محمد سعید صاحب پاکستان کے اطبا کے کردار عمل کا جائزہ لے کر جس نتیجہ پر پہنچے وہ من و عن ہندوستانی طبیبوں کے لئے بھی صحیح ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

☆"مقصد کے باب میں ایمان و ایقان اور اعتقاد ضعیف ہے۔

☆جماعت اطبا ایثار کے اعلا وصف سے صرف نظر کر کے ذاتی تشخص پر کمربستہ ہے۔

☆اتحاد و اتفاق کی برکات پر جماعت اطبا کو یقین نہیں رہا ہے۔

☆ تشخص ذاتی یقینی طور پر احساس کمتری کی صورت میں جنم لیتا ہے اور اسکا علاج اظہار برتری سمجھا جانے لگتا ہے مگر وہ کبھی سامان شفا نہیں رہا ہے۔

☆مسابقت کے میدان میں کم ہمتی کی بنا پر جب شکست ہوتی ہے تو رد عمل کے طور پر فتح مندی کا عنوان اظہار ذات ہو جایا کرتا ہے۔

☆عدم قناعت نے اطبا کو ہوس زر میں مبتلا کر دیا ہے اور زر مقصد حیات بن گیا ہے۔

☆علم کی ہوائیں جب جہل کو راس نہ آتی ہوں اور جہل کو علم سے بدل دینے کا جذبہ یا صلاحیت مفقود ہو جائے تو جرأت کا اظہار لازمی ہو جاتا ہے۔

☆احترام باہمی کا جب فقدان ہو جایا کرتا ہے تو توہین آدم کو راہ مل جایا کرتی ہے اور انسان دوسرے انسان کو کھا جانے کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

☆ قیادت کی جب صلاحیت نہ ہو اور دنیا کے علم و فن میں انقلابات برپا ہوں تو انسان شکست کھا کر ایک جماعت کو تشکیل دے کر قیادت کے خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

☆ شیطانی طاقتیں جب فکر انسانی پر قابو یافتہ ہو جایا کرتی ہیں تو وہ خیر کی ہر لو امسمار کر دینے کا راستہ اختیار کر لیتی ہیں اور پھر انسان حسد اور بغض کے ہتھیار استعمال کرنے لگتا ہے اور یہ فراموش کر دیتا ہے کہ اس راہ سے منزل مراد تک نہیں پہنچ سکتا۔"

حکیم سعید مرحوم نے صحت کو قومی زندگی کی کلید قرار دیا ہے۔ صحت و توانائی ہی ترقی اور خوشحالی کی بنیادی شرط ہے۔ حکیم صاحب نے اقوام عالم کے عروج و زوال کا تفصیل اور گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس پر غور و فکر کیا اور محسوس کیا کہ زوال کا ایک سبب صحت کی خرابی بھی رہی ہے۔ صحت ہی آزادی کی ضمانت ہے۔ کمزور قومیں اور افراد آزادی حاصل کرنے میں ہمیشہ ناکام رہے ہیں۔ آزادی جو بنی نوع انسانی کا فطری حق ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"تاریخ عالم میں جو اقوام اپنے انتہائے کمال کو پہنچیں ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں اور ان کے کمالات سے صحت کو کسی طرح خارج نہیں کیا جا سکتا بلا شبہ ان کامیاب و کامران اقوام و ملل نے صحت سے اپنا رشتہ مضبوط و مربوط رکھا ہے اور صحت ہی سے مضبوط رشتے کی بدولت وہ سرفراز و سربلند رہی ہیں۔ وہ اقوام و ملل کہ جن کی آزادیاں سلب اور ضبط ہوئیں ان میں شدید انحطاط آئے۔ ان کے اسباب انحطاط میں نقص صحت سرفہرست ہے۔ آزادی کی ضبطی اور غلامی اپنے ساتھ اور اپنے جلو میں جہالت لائی ہے اور یہ جہالت حسن و قبح میں فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتی ہے۔"

حکیم صاحب نے برصغیر کے صحتی مسائل کو بڑی خوبی کے ساتھ سمجھا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ محض مغربی طب سے دنیا کے صحتی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے تمام ملکوں میں رائج و مقبول مقامی طبوں کو ترقی دینا بے حد ضروری ہے۔

انسان کی تمام تر سرگرمیوں اور اعمال کا سرچشمہ اس کا اپنا کردار اور اخلاق ہوتا ہے۔ حکیم سعید اس تہذیب کے پروردہ تھے جہاں اخلاق و انسان دوستی زندگی اور سماج میں شان امتیاز سمجھے جاتے تھے۔ اخلاقی قدروں اور سماجی روایتوں سے انحراف کفر سمجھا جاتا تھا۔ حکیم محمد سعید کی والدہ محترمہ اخلاقیات کے معاملے میں نہایت سخت گیر تھیں۔ ان کی تربیت سے ان کے بچوں میں اخلاقیات کا صحت مند تصور رچ بس گیا تھا۔ اپنی والدہ محترمہ کے بارے میں سعید صاحب نے لکھا ہے۔

"انھوں نے کبھی اخلاق کی کسی کوتاہی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا۔ اس بات میں وہ بڑی سخت گیر تھیں۔ توازن ان کا ہنر تھا۔ وہ اس توازن اور عدل کی وجہ سے پورے خاندان پر حکمرانی کرتی تھیں۔"

خواجہ حسن نظامی نے "مادر ہمدرد" کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس میں حکیم محمد سعید اور حکیم عبدالحمید کی والدہ کے کردار اور اخلاق کی مصوری کی گئی تھی۔ ماں کی تربیت کا اثر انسان میں عمر بھر باقی رہتا ہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی لکھتے ہیں۔

"حکیم صاحب کی والدہ محترمہ، اللہ بخشے، بہت غیر معمولی خاتون تھیں۔ ان دونوں بھائیوں کی صلاحیتیں والدہ کی تربیت کا نتیجہ اور والد کی نیکیوں کا ثمرہ ہیں۔ جب تک وہ حیات رہیں سنتے ہیں کہ دونوں بھائیوں کے گھر میں کوئی نوکر نہیں رکھا گیا۔ دونوں بہوئیں سارا کام خود کرتی تھیں۔"

بزرگی اور عظمت اور انسانی خدمت کا جذبہ خلاء میں پیدا نہیں ہوتے، تہذیبی ماحول سماجی زندگی کے اثرات سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتے ہیں۔

جمیل الدین عالی نے لکھا ہے۔

"شہید حکیم محمد سعید کی شخصیت میں، میری دانست میں شہر دلی کی ایک آخری روایت اٹھ گئی جو پاکستانی اقدار کی امین بھی تھی۔ بے غرضانہ خدمت، علم و جستجو کو پھیلانا، شائستگی، شریف پروری"۔

(بقیہ ...... یک مرکزیت)

ہے نیت خیر ہے، آدمیت احترام آدمی پر ان کا اعتقاد غیر متزلزل ہے، مقصد ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا ہے، انسانی شرف و رفعت سے ان کو محبت ہے، فن طب کی ترقی ان کا منتہائے مقصود اور منزل ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ پر وہ غور نہ فرمائیں اور ان میں سے ہر ایک ذات کے ایثار کا فیصلہ کرے اور پھر وہ سب یکجا ہو کر یک مرکزیت کا علم بلند کریں۔

شاید یہ باور کرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یک قیادت، یک مرکزیت، یک جہتی، یک جماعتی، یک فکری، یک نظری کے بغیر نہ طب کا احیا ہو سکتا ہے اور نہ طبیب کا وقار بلند ہو سکتا ہے۔ ایسی بلندی فکر صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ ہر انسان اپنے مبلغ علم و فکر کا صحت وار دیانت دارانہ جائزہ لے اور اگر دوسرے، اسے آگے کی منزل پر ہیں ج تو ان کو اپنے سے نیچی منزل تک گھسیٹ لانے کی بد اخلاقی میں مبتلا نہ ہو۔ قرآن حکیم کے اس فیصلے کو بہر حال تسلیم کرنا ہوگا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کا فیصلہ خود عالم یا جاہل نہیں کرتا ہے بلکہ معاشرہ اس کا فیصلہ کرتا ہے سوسائٹی وہ اس باب میں حکم کا مقام رکھتی ہے اور بالآخر صحیح کو صحیح ثابت کر کے چھوڑتی ہے اور جھوٹ کو جھوٹ۔

اعلیٰ ظرف انسان

ماہنامہ ایوان اردو دہلی

بعض افراد یا شخصیتیں ایک فرد یا شخص سے بڑھ کر خود ایک ادارہ، ایک انجمن بن جاتی ہیں یہ بات پوری طرح حکیم محمد سعید صاحب پر صادق آتی ہے۔ ان کی زندگی مختلف کیفیات و صفات کا امتزاج تھی۔ ان میں زندگی کی بھرپور گہما گہمی بھی تھی اور صبر و قناعت بھی۔ ان میں حالات سے سازگاری کی صلاحیت بھی تھی اور ان سے نبرد آزمائی کی بے پناہ ہمت بھی۔ ان کی شخصیت میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں تھی وہ عوام الناس کے لئے ایک پیغام تھا جو الفاظ کے ذریعے نہیں صرف عمل کے ذریعے دیا جاسکتا ہے۔ کراچی میں قائم مدینۃ الحکمۃ ان کی علمی، طبی اور رفاہی خدمات کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ 'ہمدرد پاکستان' کا قیام اور اس کی بین الاقوامی شہرت ان کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ پاکستان میں آپ نے جو مراتب حاصل کئے یا جن عہدوں پر رہے وہ آپ کی ہمہ جہت خدمات کا اعتراف تھا۔ نئی نسل کی تربیت کے لئے آپ ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت نے ایسے کام کئے ہیں جو حکومتوں یا اداروں کی سطح ہی پر ہو سکتے ہیں۔ حکیم صاحب اپنی آخری سانس تک خدمت خلق میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ کو شہید کیا گیا تب بھی آپ مریضوں کو دیکھنے اپنے مطب جا رہے تھے۔ آپ کی رحلت سے طب یونانی کو جو زبردست نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ممکن نہیں۔ وہ ایک عظیم طبیب، روشن دماغ اور اعلیٰ ظرف انسان تھے۔ ہم دست بدعا ہیں خدا انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور حکیم عبدالحمید صاحب کو اللہ اس اندوہناک حادثہ سے نبرد آزما ہونے کی ہمت اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ (نومبر 98ء)

تسبیح روز و شب

ڈاکٹر اسلم فرخی

سب نے کھانا کھالیا نمازیں پڑھ لیں گئیں اپنے اپنے بچھونوں پر لوٹ ماری۔ آوازیں بلند ہونے لگیں بڑی اماں کہانی بڑی اماں کہانی بڑی اماں نے سروتے سے ڈلی کترتے ہوئے پوچھا کون سی لال سبز کبوتر کی دوسری طرف سے کسی نے نہیں سنگل دیپ کی پدمنی کی کوئی باریک سی آواز سنائی دی اڑنے والے گھوڑے کی شور بڑھا تو بڑی اماں نے سب کو ڈانٹا سب بچے ایک ساتھ بولیں گے تو کہانی کیسے ہوگی بس چپ ہو جاؤ جو میرے جی میں آئے گا وہی سناؤں گی۔

ہاں تو بھئی ایک شہزادہ تھا دن بھر شکار کھیلتا جنگل جنگل مارا پھرتا مصاحب کے ساتھ میں جانوروں کے پیچھے گھوڑا دوڑ رہا ہے ایک دن کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ شہزادہ راستہ بھول گیا مصاحب اور ساتھی بھی ادھر ادھر ہو گئے اور شہزادہ بھی بھٹکتا ہوا نجانے کدھر نکل گیا اتنے میں شام کا سورج ڈوبنے لگا اب تو شہزادہ گھبرایا کہ میں کہاں جاؤں رات کہاں گزاروں اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ دور ایک چھوٹی سی جھونپڑی نظر آرہی ہے شہزادہ خوشی خوشی اس طرف چل دیا جھونپڑی کے دروازے پر ایک بڑھیا کھڑی ہوئی تھی اس نے بڑی محبت سے کہا آؤ۔ شہزادے نے گھوڑا باندھا ہاتھ منہ دھویا جو روکھا سوکھا کھانا بڑھیا نے سامنے رکھ دیا اللہ کا شکر کرکے کھالیا زمین پر پیال بچھی ہوئی تھی اس پر لیٹ گیا نیند تو کیا آتی یہ سوچتا رہا آج میں کیا کیا دن بھر کرتا رہا ذہن میں جواب دیتا رہا خوب دن چڑھے اٹھے تھے نوکروں نے جگایا تھا انھیں کیسا ڈانٹا تھا پھر بستر پر مٹھلتا رہا بڑی دیر میں اٹھا اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا بڑی مشکل سے اٹھ کر ناشتہ کیا کیسی کیسی نعمتیں تھیں پھر سارے مصاحب آگئے۔ شکار کو نکل کھڑے ہوئے۔

شہزادے کو خیال آیا کہ سارا دن مارے مارے پھرے مگر اس مالک کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں نکالا جس نے پیدا کیا ہے شہزادہ بنایا ہے نعمتیں دیں ہیں۔ دنیا جہاں کے عیش دیئے ہیں اللہ کی مخلوق کی دلداری کے لئے کوئی وقت نہیں نکالا۔

اللہ تعالیٰ نے ملک دیا ہے سلطنت دی ہے تو آخر کوئی ذمہ داری بھی ہے رعایا کا خیال رکھنا چاہئے ان کے دکھ سکھ دیکھنا چاہئے آج یہ بڑھیا مجھے کھانا نہ کھلاتی۔ اپنی جھونپڑی میں نہ ٹھہراتی تو میں کہاں جاتا رات بھر جنگل میں بھٹکتا رہتا مجھے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کے بندوں کی خدمت بھی مجھ پر فرض ہے شہزادہ یہ سوچ سوچ کر سو گیا تھکا ہوا تھا خوب نیند آئی صبح تازہ دم ہشاش بشاش اٹھا نماز پڑھی اور عہد کیا کہ آج سے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت بھی کروں گا اتنے میں مصاحب ڈھونڈتے ہوئے آپہنچے۔ شہزادہ بڑھیا کا شکریہ ادا کر کے ان کے ساتھ چلا گیا مگر اب وہ پہلا سا شہزادہ نہیں تھا بدلا ہوا انسان تھا۔

ہمارے ممدوح حکیم محمد سعید صاحب جن کی بارہ ڈائریوں کی یہ تقریب ہے یہ ساری باتیں بستر پر لیٹ کر نہیں سوچتے کیوں کہ بستر پر تو وہ اس وقت لیٹتے ہیں جب آنکھیں نیند سے بوجھل اور ذہن پوری طرح نیند کی گرفت میں ہوتا ہے وہ بیدار ہو کر اس قسم کی باتوں پر غور کرتے ہیں اور افادہ خلق کے لئے انھیں قلم بند کر لیتے ہیں تاکہ جو بھی انھیں پڑھے اس کے دل میں بھی یہ خیال اور جذبہ بیدار ہو کہ آج ہم نے کیا کیا دن ضائع ہو گیا اس کا بہتر مصرف ہوا اللہ تعالیٰ کا شکر کس حد تک ادا ہوا اس کے بندوں کی خدمت کتنی کیسے اور کس طرح ہوئی۔

بڑی ماں نے بچوں کو کہانی سنا کر انھیں نیکی اور فلاح کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی حکیم صاحب اپنے تجربات اور روزمرہ کے مشاہدات کو ایسے پرکشش انداز میں بیان کرتے ہیں کہ بچے تو بچے مجھ جیسا بوڑھا بچہ بھی اپنی ذاتی اصلاح اور فلاح کے بے شمار پہلوؤں سے آشنا ہو جاتا ہے واردات ذاتی ہوتی ہے پیرایہ کہانی کا ہوتا ہے مولانا روم کے بقول "خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں" والی بات ہوتی ہے جو پڑھتا ہے مزے لیتا ہے کوئی کسی بیان سے کوئی کسی بیان سے متاثر ہوتا ہے متاثر سب ہوتے ہیں۔ بیچ بیچ میں پھلجھڑیاں بھی چھوٹتی رہتی ہیں تاکہ اصلاح مسکراہٹوں کے ساتھ ہو ڈانٹ ڈپٹ سے نہ ہو نصیحت میں غصہ شامل ہو جائے تو اس کی افادیت اور ثواب دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔

حضرت سلطان جی نے اپنی ایک مبارک مجلس میں یہ واقعہ سنایا کہ ایک عالم حدیث کا درس دے رہے تھے سر پر اونچی ٹوپی تھی سیاہ رنگ کی تھی ایک صاحب پوچھنے لگے کیا سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی اونچی ٹوپی پہنی تھی عالم نے کہا نہیں وہ بھی کالی عالم نے کہا کالی بھی نہیں پھر تم نے دو باتیں خلاف سنت کی ہیں اونچی ٹوپی پہنی اور سیاہ رنگ کی پہنی تمہیں حدیث پڑھانے کا کیا حق ہے وہ عالم کہنے لگے یہ جو تم نے کہا اس کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ بات حق کے لئے کہی ہے یا مجھے ایذا پہنچانے کے لئے اگر حق کے لئے تو سب کے سامنے مجھے نصیحت کرنے سے تمہارا سارا ثواب غارت ہو گیا اور اگر ایذا پہنچانے کی غرض سے کہی تو اور بھی زیادہ فضول کام کیا مقصد یہ ہے

کہ نصیحت ہو مگر دل سوزی اور درد مندی کے ساتھ اور اپنی ذات کے حوالے سے یہ نہیں کہ بس ایک لیکچر شروع ہو گیا یہ کرو یہ نہ کرو اس میں فائدہ ہے اس میں نقصان ہے ایسی باتیں سننے میں دونوں کانوں کا صحیح مصرف زیادہ ہوتا ہے توجہ کم رہتی ہے۔

حکیم صاحب کا دن رات کے پچھلے پہر سے شروع ہو جاتا ہے مجھے بے اختیار قرآن مجید کے الفاظ "ان قرآن الفجر کان مشہودا" یاد آتے ہیں اور ساتھ ہی ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ بھی "نماز صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے" "اللہ کے ہزاروں بندے اس نور ظہور کے وقت فیضیاب ہوتے ہیں مگر میں نے دو اہل قلم کے یہاں اس وقت کے مستانہ وار تذکرے پڑھے ایک تو اپنے حکیم صاحب اور دوسرے مولانا آزاد وہ بھی صبح کی مسکراہٹوں کا تذکرہ بڑے اہتمام کے ساتھ کرتے تھے غبار خاطر کے صفحات پر یہ تذکرہ جابجا بکھرا ہوا ہے یہاں دلچسپی کے لئے یہ بات بھی کہنا مناسب ہے کہ مولانا آزاد حکیم صاحب کے کرایہ دار بھی رہے مالک مکان اور کرایہ دار میں مقدمہ بازی بھی ہوئی مگر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ دونوں نے کیا یہ صبح صادق ہی کی برکت تھی پھر معمولات صبح کا بیان ہم سے توجہ چاہتا ہے تہجد تا فجر سورۂ رحمٰن کی تلاوت سے دل میں کیسا گداز پیدا ہوتا ہے کیا کیفیت گزرتی ہے یہ تو کوئی صاحب دل ہی بتا سکتا ہے میرا مشاہدہ یہ ہے کہ مجھ جیسے عام آدمی کا قلب بھی انوار صبح گاہی سے معمور ہو جاتا ہے۔

مجھے یہ احساس ہے کہ معمولات صبح کا یہ بیان محض یونہی نہیں اس میں بڑی گہری معنویت پنہاں ہے یہ ہم سب لوگوں کے لئے ایک سوال ہے خواب غفلت میں عمر بسر کرنے والوں کے لئے انتباہ بس اب کہ لذت خواب سحر گئی کا پیغام ہے بچوں پر کیا منحصر بڑوں کو بھی بار بار یہ سناتے رہئے کہ صبح اٹھے تو عجب لطف محسوس ہوا بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوئے تو قلب پر انوار کی بارش ہوئی روزے کی نیت کی تو طبیعت میں استغنا سیری اور پاکیزگی محسوس ہوئی تو ان کے دلوں میں بھی بے اختیار یہ جذبہ بیدار ہو گا کہ ہمیں بھی یہی کرنا چاہئے یہ خشک نصیحت کہیں نہیں ہے کہ صبح اٹھو یہ کرو وہ کرو اس قسم کا شائبہ ہی نہیں ہے بس یہ بیان ہے کہ میں نے یہ کیا اور یہ محسوس کیا یہ بات تو در پردہ کی گئی ہے کہ تم بھی یہ کرو اور تم بھی یہی محسوس کرو گے۔

حکیم صاحب چونکہ نفسیات انسانی کے بڑے ماہر ہیں اس وجہ سے موصوف نے چرائتہ اور مندی بھی روح افزاء میں گھول کر پلائی ہے حکیم صاحب ماشاء اللہ ٹینس کے بھی بڑے رسیا ہیں جابجا تذکرہ ہے ایک سیٹ ٹینس کا کھیلا ہاتھ پیر کھل گئے۔ اشارہ ہے اس طرف کہ تندرست رہنا ہے تو کھیل کھیلو ورزش کرو۔ صحت مند دماغ صحت مند جسم میں ہی پروان چڑھتا ہے ہم نے اس امر کو بھلا دیا ہے بچے مدرسوں میں منہ اندھیرے یا دوپہر کو جاتے ہیں واپس آتے ہیں تو اتنے تھکے تھکے اور جان سے بیزار کہ کھیل کود کی طرف مائل بھی نہیں ہوتے پھر گھر گھر ٹی وی وی سی آر رات گئے تک بیٹھے دیکھ رہے ہیں اگر طباقی انٹینا لگا ہوا ہے تو رات کالی بھی ہو سکتی ہے کھیلیں کب اور کس وقت مگر قدرت کے قوانین بہت سخت ہیں راتوں کو دن بنا لیجئے لیکن پھر جب دن رات بن جائیں گے تو کیا ہو گا یہی ہو گا کہ کارکردگی ختم مستعدی مفقود اور توانائی مفلوج۔ میں نے حکیم صاحب کی ٹینس کی سرگزشت پڑھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا کہ چاق و چوبند رہنا ہے تو تھوڑی سے ورزش بہت ضروری ہے اس کے بغیر گاڑی چلتی نہیں اپنی عادت مزاج کے حوالے سے حکیم صاحب نے بڑے پتے کی بات کہہ دی ہے۔ پھر دن کے معمولات اور خدمت عجیب تجربے اور مشاہدے

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

کی عملی تفسیر ڈائری کے اس حصے میں ہمیں حکیم محمد سعید جیسے مصروف ہمدرد اور ہمہ جہت انسان کے قلب میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے معاشرے کی بے توفیقی عالم اسلام کی بے حسی بیورو کریسی کی خفیف الحرکاتی اور ریشہ دوانی مریضوں کی بوالعجبی توہین کے پہلو تسکین کی خوشبو انسانیت کے جادو حرص و آز کی خامی خود دولت بے محنت کی جستجو کیا کچھ نہیں نظر آتا ہے ایک پورا نگار خانہ ہے۔

ہم سب کو اس بات کا شکوہ بھی ہے دکھ بھی ہے کہ وطن عزیز کو بیورو کریسی نے بڑی بے رحمی اور بے دردی سے غارت کیا ہے حکیم صاحب کے یہاں اس شکوے کی لے بہت تیز ہے وہ کھری بات کہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں لگی لپٹی نہیں۔ خلیجی جنگ کے مضمرات پر انھوں نے جس سوجھ بوجھ اور دل سوزی سے تبصرہ کیا ہے ایسا بے لاگ اور مخلصانہ تبصرہ شاید ہی کسی نے کیا ہو ایک درد مند انسان ہے کہ جو کچھ دیکھ رہا ہے محسوس کر رہا ہے جو کچھ اس پر گزر رہا ہے اس کو بے کم و کاست بیان کرتا جاتا ہے کبھی زیر لب کبھی خود کلامی کے انداز میں کہیں داستان گو کے طرز میں کہیں مخلص اور ہمدرد دوست کے پیرایہ بیان میں یہ انسان ہو لو کی ہے بڑا حساس ہے اس کی نگاہ بہت تیز ہے تیز کیا ہے عقابی ہے انسان شناس ہے خود کام کرتا ہے دوسروں سے کام لینے کا ہنر جانتا ہے قومی ہمدردی کے نشے میں سرشار ہے نونہالوں کو قوم کا مستقبل اور تقدیر سمجھتا ہے اس نے ان کی تربیت نگہداشت اور ترقی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مشن بنا لیا ہے۔

دن رات انھیں کی ترقی فلاح اور بھلائی کے منصوبے بناتا رہتا ہے انھیں عملی جامہ پہناتا ہے حکیم صاحب کی ایک شخصیت میں نجانے کتنے انسانوں کی شخصیتیں بولتی کام کرتی اور نونہالوں کا مستقبل سنوارتی نظر آتی ہیں وہ کام کو کام نہیں عبادت سمجھتے ہیں کام جب عبادت بن جاتا ہے تو انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور مدینۃ الحکمت جیسا عہد آفرین ادارہ وجود میں آتا ہے۔

اس ڈائری میں خود احتسابی کے پہلو بھی نمایاں ہیں اپنی ان خوبیاں سب بیان کرتے ہیں اپنی کمزوریاں کوئی الم نشرح نہیں کرتا۔ انھیں لوگ چھپاتے ہیں اور خواہ مخواہ کے جواز پیش کرتے ہیں۔ حکیم صاحب اپنی کمزوریوں کے بیان میں بھی بے باک ہیں مریض دس منٹ کی تاخیر سے پہنچا اسے نہیں دیکھا دوسرے حکیم صاحب نے دیکھ لیا بعد میں اس پر پچھتاوا ہوا کہ دیکھ لیتے تو کیا مضائقہ تھا یہ پچھتاوا ہی انسانی عظمت کی دلیل ہے ماں کی شفقت بھائی کی محبت عزیزوں کی الفت کاموں کی وسعت دن رات کی محنت اس ڈائری میں کیا نہیں ہے پوری انسانی زندگی کا مرقع اور

ایک حوصلہ مند انسان کے خلوص کا آئینہ ہے آنکھ ہے آنکھ کھول کر صبح ماں کو جانماز پر دیکھا رات کو سونے کیلئے لیٹے تو ماں کو جانماز پر پایا بھائی کی محنت دیکھ کر حوصلہ ہوا۔

ہم میں سے بیشتر لوگ کم فرصتی کی وجہ سے بولائے رہتے ہیں کام بہت ہیں وقت کم ہے صبح سے شام تک کی بے پناہ مصروفیت ہے اس کم فرصتی نے ہمیں بے مروت اور خود غرض بنادیا ہے مگر یہ ساری باتیں مفروضے ہیں یہ کہنا کہ وقت میں برکت نہیں رہی اپنی کم ہمتی کا اعتراف ہے۔

اس ڈائری سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جسے کام کرنے کا شوق ہو جاتا ہے وہ ہر کام کے لئے وقت نکال لیتا ہے وقت کیا نکال لیتا ہے وقت خود بخود نکلتا آتا ہے حکیم صاحب صبح تین بجے سے رات کے بارہ بجے تک مصروف رہتے ہیں مگر پوری ڈائری میں کہیں یہ شکوہ نہیں کہ مجھے فلاں کام کا وقت نہیں ملا۔ فلاں تقریب میں شرکت نہیں کرسکا فلاں صاحب آئے تھے ان سے نہیں مل سکا ہر کام ہوتا ہے ہر تقریب میں شریک ہوتے ہیں جلسے جلوس میں بھی شامل ہوتے ہیں تو یہ سب کیسے ہوتا ہے اس ڈائری کا ایک تابناک پہلو یہ بھی ہے کہ اسے پڑھ کر وقت پر غالب آنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ انسان دل پر لکھ لے تو ہر کام کر سکتا ہے وقت کا غلام نہیں رہ سکتا بہت بڑا سبق ہے زندہ رہنے اور کامیاب اور کامران ہونے کا گر ہے ہمارے نونہال اور محنت اور وقت کو قابو میں رکھنے کے تذکرے پڑھ کر یقیناً اپنے اوقات اور اپنی اوقات دونوں کو بہتر بنانے کے بارے میں غور کریں گے۔

حکیم صاحب نے تاریخ اسلام کے بعض بڑے سبق آموز واقعات بڑی دلچسپی کے ساتھ سنائے ہیں پڑھنے والے کی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے زندگی کا عرفان حاصل ہوتا ہے ذاتی ہمدردی انسانیت دوسروں کے دکھ سے متاثر ہو کر ان کی بے لوث خدمت کا جذبہ ابھرتا ہے اور دلچسپ واقعات ہنسی ہنسی میں تنقید۔ ایک روز مطب میں ایک میاں بیوی آئے بیوی بڑی عمر کی مگر تندرست تنومند اور خوب صورت حکیم صاحب نے دیکھا کہنے لگیں کوئی دوا ایسی بتائیے کہ اب بچے پیدا نہ ہوں مشورہ دیا گیا کہ ایسی کوئی دوا نہیں مگر آخر آپ لوگ اولاد کیوں نہیں چاہتے بولیں ماشاء اللہ بیس بچے ہو چکے ہیں اور اب بچے کیا کریں گے حکیم صاحب نے بے مثال فقرہ لکھا ہے لکھتے ہیں "پاکستان میں خاندانی منصوبہ والے کہاں ہیں یہ جو اربوں روپے خرچ ہو رہے ہیں ان کا کوئی فائدہ ہوا ہے پاکستان کو اور یہ مژدہ بھی ہے کہ نونہالو ان خاتون کا پتہ بھی میں نے رکھ لیا ہے میں اس طرح کے کچھ اور دلچسپ واقعات بھی آپ کو سنانا چاہتا تھا مگر پھر خیال آیا کہ ڈائری میں بے شمار واقعات ہیں کہاں تک سناؤں گا یہ کام پڑھنے والوں پر چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ ساری گفتگو ذاتی حوالے سے تھی اب ذرا علمی انداز سے بھی ایک جائزہ اردو میں روزنامچہ لکھنے کا رواج کم ہی رہا ہے ہمارے یہاں روزنامچہ پولیس کا ہوتا ہے ۔ڈائری وکیلوں کے یہاں پائی جاتی ہے پھر بھی بعض بزرگوں نے ڈائری لکھی۔ ایک بزرگ تھے سید مظہر علی سندیلوی موصوف نے 21/ جنوری 1867ء کو ڈائری لکھنا شروع کی تو اپنی وفات کے دن یعنی 24/ دسمبر 1911ء تک لکھتے رہے اجمال ہے تفصیل نہیں سرگزشت ملک کوائف عالم بھی ہیں۔ خاندانی اور ذاتی کوائف بھی ہیں سید صاحب کے ایک پوتے ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے ایک انتخاب یادگار مظہری کے عنوان سے شائع کردیا ہے دلچسپ چیز ہے مگر رجحان ساز نہیں۔

اردو میں ڈائری لکھنے والوں میں بڑا نام حکیم صاحب کے ہم وطن خواجہ حسن نظامی کا ہے جن کا روزنامچہ واقعی خاصے کی چیز ہے دلچسپ معلومات افزاء اور ادبی اعتبار سے دلکش خواجہ صاحب نے روزنامچہ نویسی کو ادبی ہنر بنادیا ہے اس کے مطالعے میں آج بھی تازگی محسوس ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب روحانی بزرگ اسلام کے مبلغ اور صاحب دل انسان تھے۔ بات سے بات پیدا کرنا اور جزئیات سے کلیات کی طرف بڑھنا ان کا فن تھا۔ روزنامچہ میں یہ فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے خواجہ صاحب کا روزنامچہ ان کے کمال فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اور لوگوں نے بھی ڈائریاں لکھی ہوں گی میں محبتوں کی ڈائری کا ذکر نہیں کروں گا۔ اب ذہن میں کچھ انگریزی ڈائری نگاروں کے نام آرہے ہیں پیپس 'ایولین' کلارٹ اور جیناولف متعدد نام ہیں مگر پیپس کی شہرت بہت زیادہ ہے اس کی ڈائری کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ بے صیغہ راز لکھی گئی بھرپور بچی حیرت انگیز فعالیت کی انسانی دستاویز ہے محسوس کرنے والے انسان میں قدرت کی کارفرمائی کا حقیقی بیان ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ پیپس کی ڈائری ایک نادر ادبی کارنامہ ہے اس نے اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو جس سچائی کے ساتھ بیان کیا ہے واقعات کو جس تفصیل سے پیش کیا ہے اور فکری عمل کو جس نزاکت سے اجاگر کیا ہے اس کی مثال کہیں اور مشکل ہی سے ملے گی حکیم صاحب چونکہ عالم ہیں دانشور ہیں ادبیات مشرق و مغرب پر گہری نظر رکھتے ہیں اس وجہ سے وہ ان سب سے کوئی واقف ہوں گے مگر انھوں نے اپنا راستہ ان سب سے الگ نکالا ہے جزئیات سے کلیات کی طرف وہ بھی بڑھتے ہیں ان کی ڈائری بھی حیرت انگیز فعالیت کی انسانی دستاویز ہے مگر اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ ہے یہ محض روداد حیات نہیں اپنی تسبیح روز و شب کے دانے دانے کا شمار نہیں ایک بڑے مقصد کے تحت لکھا جارہا ہے اس کی غرض وغایت ذہنوں میں روشنی پھیلانا ہی تعلیم دینا ہے بہتر انسانیت کی تشکیل اور قومی تعمیر نو ہے اس بامقصد جذبے اور ہمت کو دیکھ کر مجھے اقبال کے کچھ اشعار یاد آتے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حکیم صاحب کی ڈائری کا مقصد اور دعا بھی یہی ہے۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کردے

اور آخر میں ایک راز کی بات حکیم صاحب کی ڈائری میں جتنے لوگوں کے نام آئے ہیں انھیں یک جا کرلیا جائے تو عالمی دانشوروں اور پاکستانی ناموروں کی بھرپور فہرست مرتب ہو جائے گی تھوڑی سی محنت سے یہ توضیحی فہرست اپنے عہد اور حوالے کی کتاب بن سکتی ہے۔

فرد کہاں انجمن

احمد ندیم قاسمی

محترم حکیم محمد سعید صاحب کی سی کثیر الجہات شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا مہذب انسانوں کی معاشرتی سرگرمیوں کی جتنی بھی جہات ہو سکتی ہیں ان سب کو حیطہ تحریر میں لانے کے برابر ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ ناممکنات کی حد تک دشوار کام ہے ظاہر ہے کہ حکیم صاحب صرف ایک شخص صرف ایک ذات صرف ایک فرد ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ ان کی صرف ایک دو یا دس سرگرمیوں کا ذکر کیجئے تو ان کی دسیوں دوسری سرگرمیاں تشنہ توجہ رہ جاتی ہیں اور یوں اس ایک فرد کے پھیلاؤ کو سمیٹنا کم سے کم میرے لئے نہایت درجہ دشوار ہے چنانچہ میں ان کی صرف اکادکا سرگرمیوں کا ذکر کروں گا اور یوں آج ان کے بارے میں مجھے کچھ عرض کرنے کا موقع ملے گا اس کے جواز کی کوئی صورت پیدا کروں گا۔

دشواری یہ ہے کہ معاشرے کی بہبود اور عالم انسانیت کی فلاح کے چیلنج تو تاریخ انسانی میں بے شمار اصحاب نے قبول کئے ہیں مگر ان سب کی فلاحی جدوجہد کسی ایک شعبے میں محدود ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کوڑھیوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لئے وقف کر دیتا ہے تو یہ انتہائی نیک کام ہے اور اس ضمن میں اس شخص کی بھرپور تحسین ہونی چاہئے یہ الگ کہ اس کی جدوجہد ایک دائرے میں محدود ہے مگر جو شخص ایک اعلیٰ پائے کا تجربہ کار معالج ہونے کے ساتھ ہی علم وحکمت تہذیب وثقافت تعلیم وتربیت اور کردار واخلاق کے شعبوں کو بھی اپنی سرگرمیوں میں شامل کرتا ہو اور ان شعبوں کی فلاح کی انتہا کر دیتا ہو مگر ساتھ ہی طبابت کا سلسلہ بھی باقاعدگی سے جاری رکھتا ہو اور جو کروڑوں اربوں روپے کمانے کے باوجود نہایت درجہ سادہ زندگی گزارتا ہو اور جو بچوں کے لئے لکھی ہوئی ڈائری میں خود بتاتا ہو کہ میں تو اپنی شیروانی اور کرتہ پاجامہ بھی خود ہی دھولیتا ہوں اپنا بنیان اور اپنے موزے خود دھو کر ڈالتا ہوں صبح میں اپنا غسل خانہ روزانہ خود ہی صاف کرتا ہوں اور ہر چیز چمکا کر آئینہ بنا دیتا ہوں تو ایسا شخص ایک فرد کہاں ہوا وہ تو اپنی ذات میں ایک ادارہ ہے اور ایک وسیع اور بھرپور ادارے کے خدوخال کو چند سطور میں بیان کرنے کے لئے دانش وحکمت کی وہ قوتیں درکار ہوتی ہیں جو میرے خیال کے مطابق مجھ میں کماحقہ موجود نہیں ہیں۔

محترم حکیم صاحب کی تاریخ پیدائش نو جنوری 1920ء ہے چنانچہ جب آزاد پاکستان وجود میں آیا تو وہ ستائیس سال کے ایک ایسے نوجوان تھے جنہیں ہر طرح کی آسائش میسر تھی اور دولت وثروت ان کے گھر کی باندیاں تھیں مگر مشکل یہ تھی کہ پاکستان سے محبت ان کے جسم میں خون کی طرح رواں تھی۔ چنانچہ وہ یہ سب دولتیں اور آسائش تج کر پاکستان آگئے۔ کراچی میں اعوان لاج کے ایک چھوٹے سے کمرے میں انہوں نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا (چلتے چلتے مجھے اس امر پر خوش ہو لینے دیجئے کہ میں اعوان ہوں اور محترم حکیم صاحب کا آغاز کار اعوان لاج سے وابستہ ہے) پھر آرام باغ روڈ کے ایک کمرے میں انہوں نے ہمدرد مطب قائم کیا کمرہ بھی کرائے کا تھا اور اس کا فرنیچر بھی کرایہ کا تھا اور یاد رہے کہ اسی شخص کی اقامت گاہ تھی جو دہلی میں امارت کی اونچی مسند چھوڑ آیا تھا۔

یہ 1948ء کا واقعہ ہے اور پھر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ یہ مطب اگرچہ ایک فرد واحد کی ملکیت تھا مگر اس عجیب وغریب فرد واحد نے چار پانچ سال بعد ہی 1953ء میں مطب کو وقف قرار دے دیا اور یوں اپنا سب کچھ قوم کے سپرد کر دیا تب سے اب تک کی داستان بہت طویل ہے مگر یہ ایک ایسی داستان ہے جس کی گزشتہ چند صدیوں کی تاریخ میں نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔

آج مدینۃ الحکمت اس عظیم خواب کی ہمہ گیر تعبیر کی صورت میں سرزمین کراچی سے ابھرا ہے جو محترم حکیم محمد سعید صاحب نے کراچی میں قیام کے ابتدائی دنوں میں کرائے کے کمرے اور کرائے کے فرنیچر کے ماحول میں دیکھا تھا یہ سارا کمال ان کی جرأت اور حوصلہ مندی کا ہے ان کی تہذیب وشائستگی کا ہے ان کی دیانت اور خود اعتمادی کا ہے ان کے پاکیزہ مقاصد اور ان کے محیر العقول اور انتھک محنت کا نتیجہ ہے محنت اور مسلسل محنت نے محترم حکیم محمد سعید کے وجود میں تجسیم پائی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت قائداعظم نے جب قیام پاکستان کے دنوں میں نئی پاکستانی قوم کے سامنے کام کام اور کام کا نعرہ سر کیا تھا تو حکیم صاحب نے اسے اپنے باطن میں اتار لیا تھا چنانچہ انہوں نے اتنی محنت کی ہے اور آج 74 برس کی عمر میں بھی اسی معیار کی محنت کر رہے ہیں کہ ہماشما ایسی کارکردگی کا تصور بھی کریں تو ان کی دماغ کی نسیں پھٹنے پر آجائیں اپنی ذات کی نفی کر کے دوسروں کیلئے اپنی محنت اور دیانت کی کمائی ہمیشہ کے لئے وقف کر دینا انسانی حق کے پاس واحترام کا ایک معجزہ ہے جو محترم حکیم محمد سعید صاحب نے حیرت انگیز استقامت سے سر کیا ہے۔

طبابت کا سلسلہ ان کی جملہ دیگر سرگرمیوں کے باوجود باقاعدگی سے اب تک جاری ہے۔ چنانچہ وہ اب تک تیس لاکھ مریضوں کا علاج فرما چکے ہیں انھوں نے ہمیشہ مفت طبی مشورہ دیا ہے اور ہمارے ایلو پیتھک متخصصین کی طرح تین منٹ کے مشورے کے تین تین سو اور پانچ پانچ سو روپے مریضوں سے کبھی نہیں اینٹھے حد یہ ہے کہ انھوں نے وفاقی حکومت کے وزیر ہونے کے دنوں کے علاوہ صوبہ سندھ کی گورنری کے دنوں میں بھی پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں مریضوں کو نہایت شفقت سے مشورے دیئے اور علاج تجویز کرنے کا کام باقاعدگی سے جاری رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحب موصوف کو کامرانیوں پر کامرانیاں عطا کی ہیں قدم قدم پر انھیں ان کے ہر خواب کی تعبیر مل رہی ہے ایک ایک کر کے بظاہر ان کے سبھی خواب پورے ہو چکے ہیں اور اب ان خوابوں کی تکمیل کا سلسلہ جاری ہے اس وقت وہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر ہیں ہمدرد یونیورسٹی کے بانی چانسلر ہمدرد لیبارٹری کے بانی صدر نشین ہیں چالیس کے قریب اردو کتابوں کے اور تیس کے قریب انگریزی کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں ان کی ذاتی لائبریری پچاس ہزار کتابوں پر مشتمل ہے اور اب انھوں نے اپنی یہ لائبریری ہمدرد یونیورسٹی لائبریری کے حوالے کر دی ہے اس لائبریری کیلئے اب تک ساٹھ لاکھ روپے کی کتابیں خریدی جا چکی ہیں۔ انھوں نے مدینۃ الحکمت کے نام سے تہذیب و ثقافت اور علم و فن کا پورا شہر بسا دیا ہے اور اس مفروضے کی عملاً تنسیخ کر دی ہے کہ

بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

انھوں نے تو یہ بسانا ادھر طے کیا ادھر بستی زمین کے سینے میں سے کھمبیوں کی طرح اگ آئی اس مدینۃ الحکمت میں ہمدرد پبلک سکول ہے جس میں بیک وقت پانچ ہزار بچے تعلیم پاتے ہیں دو ہزار بچوں کے لئے یتیم خانہ الفرقان ہے دس ہزار طلباء پر مشتمل ہمدرد یونیورسٹی ہے ہمدرد میڈیکل کمپلیکس ہے۔ ہمدرد انسٹی ٹیوٹ ہے جس میں پودوں اور جڑی بوٹیوں کے خواص کی تحقیق کا کام جاری رہتا ہے سائنس میوزیم ہے سپورٹس سٹیڈیم بچوں کا پلے لینڈ ہے یوتھ سنٹر ہے ہمدرد لائبریری ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ہمدرد طبیہ کالج ہے ہر قوم کے محققین کی سہولت کیلئے آرام گاہیں تعمیر ہو چکی ہیں اور یہ سب ادارے رنگ نسل اور نظریہ و عقیدہ سے ماورا عالم انسانیت کے لئے وقف ہیں۔ حکیم صاحب 75 سال غیر ملکی کانفرنسوں میں شرکت فرما چکے ہیں تیس سال سے شام ہمدرد کا سلسلہ ملک کے ہر شہر میں جاری ہے امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، روس، چین جاپان، ناروے، سیوڈن، ڈنمارک، جنوبی امریکہ، کوریا، انڈیا غرض پورے کرہ ارض کے ممالک کا دورہ کر چکے ہیں اور خالی دورہ کر کے واپس نہیں آ گئے بلکہ سفرناموں کی صورت میں کتابیں لکھی ہیں اور اپنے مشاہدات و تجربات کو نسلوں کے حوالے کیا ہے طب کے بارے میں بعض بااثر لوگوں کی غلط فہمیاں دور کرنے کے سلسلے میں انھوں نے بڑا کام کیا ہے نتیجتاً اطباء اور ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کا اتحاد قائم ہو چکا ہے اور اب طب کو شجر ممنوعہ قرار دینے والے ختم ہو چکے ہیں۔

محترم حکیم صاحب نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف قوم اور حکمرانوں کو متوجہ کر کے اس صدی کی ایک شدید ضرورت کو پورا کیا ہے بچوں کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم ہے کہ ہمدرد نونہال کے ایک دو اجتماعوں میں شرکت کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ حکیم صاحب قبلہ بچوں کے محبوب ہیں اب انھوں نے شاعری کی قوت خیر کے اعتراف کے طور پر ہر شہر میں ہر ماہ ملک بھر کے شعراء کو تحسین کے پھولوں سے لادنا شروع کر رکھا ہے آواز اخلاق کی تحریک کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ ہے کہ ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے رہنے والے اسلامی اخلاق سے بھی دستبردار ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور محترم حکیم صاحب نے ہمارے زوال کا اندازہ لگا کر یہ تحریک شروع کی ہے۔

غرض حکیم محمد سعید صاحب کی سرگرمیوں کے کس کس شعبے کا ذکر کیا جائے کہ سبھی شعبوں کے تذکرے کے بعد اب بھی اتنے ہی شعبے بچ رہتے ہیں میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ ان کے یہ کمالات غیر زمینی اور غیر انسانی لگتے ہیں جب کہ انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس زمین پر بسنے والے انسانوں ہی کی حق رسی کے لئے کیا ہے البتہ میں یہ کہنے کی جسارت ضرور کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سپر ہیومن صفات سے نواز رکھا ہے اور انھوں نے ہماری سینتالیس برس کی سیاہ اندھیری تاریخ میں خدمت خلق کا ایک ایسا آفتاب روشن کر رکھا ہے جو غروب ہونا جانتا ہی نہیں۔

آخر میں مجھے ایک ایسی بات کہنی ہے جس سے محترم حکیم صاحب کو بھی مجھ سے شکایت ہو سکتی ہے مگر میں ان سے معذرت کے ساتھ کہوں گا ضرور عرض یہ ہے کہ اتنی حیرت ناک خدمات کے باوجود ہماری حکومت کی طرف سے محترم حکیم صاحب کو ابھی تک ستارہ امتیاز کا اعزاز ملا ہے اور یہ اعزاز ایسا ہے جو مجھ جیسے شعر ساز اور افسانہ نگار کو بھی مل چکا ہے تو ہم سب کو شرم آنی چاہئے کہ حکیم صاحب تو پاکستان کے سب سے بڑے اعزاز کے مستحق ہیں مگر واضح رہے کہ یہ اعزاز محترم حکیم صاحب کی شخصیت میں کوئی اضافہ نہیں کرے گا بلکہ خود اس اعزاز کا اعزاز بڑھے گا۔

قطعۂ تاریخ وفات حکیم محمد سعید

(احمد مسعود قاسمی)

خونِ ناحق بہا ہے پھر اِک بار
پھر لہو بار ہو گئیں آنکھیں!!
آہ! رخصت ہوئے حکیم سعید
گولیاں کھا کے سو گئیں آنکھیں!!

بچوں سے محبت

انتظار حسین

آپ بیتی روزنامچہ ڈائری اظہار کے یہ طریقے ہمارے جانے بوجھے ہیں مگر ہمارے حکیم محمد سعید دہلوی نے الگ راہ یہ نکالی کہ مخاطب بچوں کو بنایا شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑوں کو جو بننا تھا وہ بن لئے ہمارے تجربے ان کے کس کام کے۔ کہیں بڈھے طوطے بھی پڑھتے ہیں بچوں میں قبولیت کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے انہیں تو ابھی بننا ہے زندگی کا جو بھی تجربہ تمہارے پاس ہے انھیں منتقل کرو وہ ان کے کام آئے گا جب آدمی بڑی عمر والوں کو مخاطب جان کر آپ بیتی یا روزنامچہ لکھتا ہے تو اس کے یہاں زندگی کے تجربے کو منتقل کرنے سے زیادہ اپنے کارناموں پر داد کی خواہش زیادہ کار فرما ہوتی ہے لیکن جب مخاطب بچوں کو بنا لیا جائے تو اس کا مطلب یہ لیا جانا چاہئے کہ لکھنے والے نے داد کی خواہش پر قابو پالیا ہے تجربے کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کی آرزو یہاں زیادہ ہے۔

یہ بات اپنی جگہ برحق مگر آدمی اپنے تجربوں کو اس طور بیان کرے کہ وہ بچوں کے فہم کے دائرے میں آجئیں اور ان کے لئے قابل قبول بن جائیں یہ مشکل کام ہے مگر ڈائیری کے یہ سلسلے پڑھتے ہوئے احساس ہوا کہ حکیم صاحب نے اس مشکل کو آسان بنا دیا ہے اپنی زندگی کے واقعات و حالات کس سادگی سے بیان کئے ہیں سفر میں اور حضر میں جو صورتیں پیش آئیں ہیں جو تجربے ہوئے جن گتھیوں سے سابقہ پڑا ہے انھیں کیسے سہل انداز میں بیان کر دیا ہے' کہ کسی بچے کو ان کے سمجھنے میں دقت پیش نہیں آنی چاہئے نہ صرف یہ کہ دقت پیش نہیں آنی چاہئے بلکہ جس دل چسپ انداز میں انھیں بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ان میں بچوں کے لئے اس آپ بیتی میں ایک کشش پیدا ہو جانی چاہئے۔

میں نے اسی زاویے سے کتابوں کے اس سلسلے کو شروع کیا تھا اور سوچا تھا کہ ایک دو جلدیں پڑھ کر اور باقی جلدوں کو تاک جھانک کر رکھ دیں گے آخر یہ کتابیں بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں ہم جیسے بڈھے طوطوں کے لئے نہیں لکھی گئیں تو مفصل تو انھیں بچے ہی پڑیں گے لیکن پتہ نہیں کس مرحلے پر پڑھنے کے عمل میں آہستہ آہستہ یہ بات دھیان سے اترتی چلی گئی بس کچھ بھول سا گیا کہ میری عمر بہت ہو چکی ہے اور جس لہجے میں یہاں قارئین کو مخاطب کیا گیا ہے میں اس لہجے کا مستحق نہیں ہوں۔

یہ کیسے ہوا اب سوچتا ہوں تو یوں احساس ہوتا ہے کہ اس ڈائری میں کچھ ایسی بات ہے بیان میں کوئی ایسا بھید ہے کہ اس سے عمر کا احساس جاتا رہتا ہے یوں کہنا چاہئے کہ یہ تحریر اس رنگ کی ہے کہ عمروں کے تفاوت کو ختم کر کے بچوں اور بڑوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کرتی ہے۔

اس سے میرا دھیان نظیر اکبر آبادی کی طرف مڑ گیا نظیر نے کتنی نظمیں بچوں کے دل بہلاوے کے لئے کہی ہیں بس ایک ہنسی دل لگی والا انداز جو بچوں کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کے لئے دل لگی کا سامان فراہم کرتا نظر آتا ہے جو ذہنی طور پر بالغ نہیں ہوئے ہیں جن میں متانت اور سنجیدگی ابھی نہیں آئی ہے آج ہم ان نظموں کو پڑھتے ہیں تو بالکل دھیان نہیں رہتا کہ ان کی مخاطب کس عمر والی مخلوق تھی چھوٹے بڑے بالغ نابالغ ناپختہ ذہن بالغ عاقل جاہل اجڈ عالم فاضل سب ایک ہی سطح پر کھڑے نظر آتے ہیں اور یہ نظمیں سب کو کچھ نہ کچھ عطا کرتی نظر آتی ہیں۔

بچوں کیلئے نظم و نثر میں جو لکھا جاتا ہے عام طور پر وہ بچوں ہی کے فہم تک محدود رہتا ہے اس میں جتنی دلچسپی کا سامان ہوتا ہے وہ بچوں ہی کی دلچسپی کا سامان ہوتا ہے اس لئے بچے بھی ایسی تحریروں کو اسی وقت تک یاد رکھتے ہیں جب تک وہ بچے رہتے ہیں لیکن میرے ساتھ جن بچوں نے اسماعیل میرٹھی کی نظمیں پڑھی ہیں ان کے بے شک بال سفید ہو گئے ہوں اسماعیل میرٹھی کی وہ نظمیں ان کے حافظہ کے کسی نہ کسی گوشے میں آج بھی گونج پیدا کرتی ہیں اصل میں اچھی تحریر صحیح معنوں میں تو وہی ہوتی ہے اور ادب بننے کی صلاحیت بھی اسی میں ہوتی ہے کہ جس مقصد سے لکھی گئی ہے اس مقصد کو پورا کرتے ہوئے اس سے آگے نکل جائے۔

حکیم صاحب نے انداز خوب اختیار کیا ہے کہ جو بیتی ہے اسے اپنے آپ تک محدود نہیں رکھتے جو باتیں دھیان میں آتی ہیں انھیں بھی قلم بند کرتے چلے جاتے ہیں کوئی تاریخی واقعہ یاد آیا تو اسے بھی قلم بند کر دیا ہے کسی ولی نبی کی کوئی بات دھیان میں آگئی تو وہ بھی لکھ دی چلتے چلتے کوئی لطیفہ بھی یاد آ گیا تو وہ بھی سنا دیا۔

ایک بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے وہ یہ کہ یونانی طب کی روایت ڈاکٹری کی روایت سے بنیادی طور پر مختلف ہے نئے علوم نے اور خاص طور پر نئی

میڈیکل سائنس نے سپیشلسٹ کا جو تصور دیا ہے وہ اس روایت کے لئے اجنبی ہے قدیم یونان میں وہ لوگ اولاً حکماء تھے حیات و کائنات کے مسائل پر غور و فکر کرتے تھے طب اس وسیع تر علم کا حصہ تھی مسلمانوں میں بھی طبیب خالص طبیب نہیں ہوتا تھا حکیم ہوتا تھا طب اس کی حکمت کا حصہ ہوتی تھی سپیشلسٹ آدمی کو نہیں بس مرض کو دیکھتا ہے جس مرض کے علاج میں تخصیص پیدا کی اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ آسمان سے تارے توڑ لایا لیکن اس دائرے سے نکل کر کچھ نہیں جانتا سمجھتا نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے سو نئی میڈیکل سائنس نے علاج معالجے میں باریکیاں تو بہت پیدا کی ہیں مگر اسے فروغ پیشے کی صورت میں بخشا ہے وہ جو قدیم طب سے حکمت آگاہی اور درد مندی کی روایت وابستہ چلی آتی تھی اس پیشے کی حکمت نے کبھی ابھرنے نہیں دیا رفتہ رفتہ اس سے مروجہ یونانی طب بھی متاثر ہوئی سو اب طبیب روایتی طور پر حکیم کہلاتے ہیں ویسے وہ اب صرف طبیب ہوتے ہیں۔

ہمارے حکیم صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ اپنے زمانے کے نامی گرامی طبیب ہونے کے باوجود خالی نہیں ہیں علاج معالجے کے ساتھ ساتھ انسانی معاملات مسائل میں کتنا شغف ہے اور کتنا درک ہے بالکل حکیموں والے طور ہیں بچوں سے شغف بڑھتے بڑھتے اب اس مقام پر پہنچا ہے کہ ان کی خاطر ڈائری لکھنی شروع کر دی اور ڈائری لکھنے کا یہ طور نکالا ہے کہ میر کا وہ مصرعہ یاد آتا ہے۔

عالم کی سیر میر کے دیوان میں ہو گئی

یہاں واقعی ہم عالم کی سیر کرتے نظر آتے ہیں بس جیسے حکیم صاحب نے بچوں کو اپنی انگلی پکڑا رکھی ہے اور دنیا کی سیر کرا رہے ہیں کبھی دلی کی سیر کرائی کبھی تاریخ کی کسی گزرگاہ پر لے گئے کبھی نبیوں ولیوں اماموں کی بارگاہ میں پہنچا دیا جہاں گئے وہاں سے حکمت کا کوئی موتی چنا اور آگے نکل گئے یوں حکمت کے کتنے موتی رولے ہیں اور دانش کے کیسے کیسے پہلو نکالے ہیں اور کتنے دل نشین انداز میں کہ بات دل سے نکلتی ہے اور دل میں اترتی چلی جاتی ہے حکمت کی یہ پوتی بچوں کے لئے ہے اور اس بچے کیلئے جو عمر تلے دب کر ہمارے اندر سویا پڑا رہتا ہے یہ پوتھی بچوں کے ساتھ اس بچے کو بھی جگانے کا فرض انجام دیتی ہے۔



مدینۃ الحکمۃ کے ماڈل کو عالی مرتبت صدر مملکت بڑے انہماک سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جناب محترم حکیم محمد سعید تفصیلات سے آگاہ کر رہے ہیں۔ ساتھ میں جناب ڈاکٹر حافظ محمد الیاس صاحب بھی ہیں۔

ایک مثالی کردار کی شہادت

الطاف حسن قریشی

وہ سیاست سے منسلک تھے نہ کسی اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز‘ لیکن جب ان کی دردناک شہادت کی خبر ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی‘ تو پاکستان کے علاوہ پورے عالم اسلام پر ایک سکتہ سا طاری ہوگیا۔ طب‘ علم و تحقیق‘ تعلیم وتربیت‘ اسلامی تہذیب اور انسانی خدمت کے ساتھ ان کا جو ایک مضبوط رشتہ قائم تھا‘ اس نے ان کیلئے دلوں اور ذہنوں میں عزت واحترام کے اعلیٰ ترین جذبات پیدا کردیئے تھے۔ ان کی ذات میں جو اعتدال اور انکسار تھا‘ ان کی شخصیت میں شائستگی اور وضعداری کی جو ایک شان تھی‘ ان کے طور طریق میں جو نفاست اور سادگی پائی جاتی تھی‘ انہیں اپنے اعلیٰ مقاصد سے جو عشق اور لگاؤ تھا اور قدرت نے انہیں جو محیر العقول انتظامی اور قائدانہ اوصاف عطا کئے تھے‘ ان کے باعث وہ اپنی قوم اور پوری ملت کیلئے ایک مثالی کردار بن گئے تھے۔

حکیم صاحب کی زندگی میں بڑی جہتیں اور بڑی وسعتیں تھیں‘ مگر ان کی سرگرمیوں کا محور اللہ کا دین‘ اسلام اور اس کی عطا کی ہوئی سب سے بڑی نعمت‘ پاکستان تھے۔ وہ جہاں بھی ہوتے اور جہاں بھی جاتے‘ انہی کے بارے میں سوچتے اور انہی کے حوالے سے انسانیت کو امن و سلامتی کا پیغام دیتے۔ ان کی اولین ترجیح یہ تھی کہ اسلام نے انسانی تہذیب کی تشکیل اور علوم و فنون کی ترقی میں جو گراں بہا اضافہ کیا ہے‘ اسے عالمی سطح پر پورے اعتماد کے ساتھ اجاگر کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے اندر اپنے ماضی پر فخر کرنے اور اپنے مستقبل کو سنوار نے کا ایک طاقتور داعیہ پیدا ہو۔ بے پناہ مصروفیات اور مشاغل کے سمندر میں وہ بڑی پابندی اور انہماک سے اپنے رب کی عبادت کرتے اور سنت رسولؐ پر عمل پیرا رہتے۔ حافظ قرآن تھے‘ اکثر روزے سے ہوتے اور آخر شب اپنے خالق سے مغفرت کی دعائیں مانگتے رہتے۔ وہ زمین پر سوتے اور اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھوتے۔ عمر بھر کرائے کے مکان میں رہے۔ ان کی اہلیہ نے اپنے زیورات بیچ کر ایک مکان بنایا تھا جو حکیم صاحب نے انہی کے نام کردیا تھا۔ ان کی وفات پر اوسط درجے کی یہ رہائش گاہ ان کی بیٹی سعدیہ کو منتقل ہوگئی۔ تزکیہ نفس کی اتنی بڑی مثال ہمارے اکابرین میں کم ہی نظر آتی ہے۔

☆☆☆

پاکستان بنا تو بھارت سے ہجرت کرکے اسلامی ریاست کی تعمیر کیلئے کراچی آگئے۔ غیرت کا یہ عالم کہ اپنے بڑے بھائی سے زادِ راہ بھی نہ لیا۔ کراچی آئے تو جیب خالی تھی۔ کئی برس ایک اسکول میں پڑھاتے رہے۔ اسی بے سروسامانی میں اپنے خسر صاحب سے کچھ قرضہ لے کر ’ہمدرد دواخانہ‘ کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت قائداعظم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے وہ کام‘ کام اور صرف کام سرانجام دیتے رہے۔ انتھک محنت اور بے مثال نظم وضبط کے ذریعہ انھوں نے عقل کو حیرت میں ڈال دینے والی کامیابیاں حاصل کیں۔ دولت نے اپنے آپ کو ان کے قدموں میں ڈھیر کردیا تھا۔ ہمدرد دواخانے کی مصنوعات پوری دنیا میں پھیل چکی تھیں اور جناب حکیم محمد سعید کا نام اونچے اونچے ایوانوں اور علمی اور سائنسی مراکز میں سنا جارہا تھا۔ انھیں دولت بھی ملی‘ عزت بھی اور شہرت بھی‘ لیکن ان کی وضعداری اور حسن اخلاق میں ذرہ برابر فرق نہ آیا بلکہ ملنساری میں اضافہ ہوتا گیا۔

انھوں نے جو کچھ کمایا‘ اسے ایک ٹرسٹ کی صورت میں اپنے اہل وطن کے حوالے کردیا۔ وہ مایا پر سانپ بن کر نہیں بیٹھے بلکہ اسے انسانی خدمت کیلئے بڑے سلیقے اور کمال بالغ نظری سے استعمال کیا۔ مدینۃ الحکمت کے نام سے کراچی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر ایک پورا شہر آباد کردیا۔ جس میں ایک بہت بڑے کتب خانے کے علاوہ ہزاروں یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نہایت اچھا اہتمام ہے۔ ہمدرد یونیورسٹی تعمیر کی‘ میڈیکل کالج بنایا اور ہر چھوٹے اور بڑے شہر میں مریضوں کیلئے شفاخانے کھول دیئے۔ علمی اور فکری سرگرمیوں کو فروغ دینے کیلئے ”شام ہمدرد“ اور ’ہمدرد شوریٰ‘ کا ایک جال بچھادیا۔ ان کی سرپرستی میں عوامی فلاح وبہبود کے متعدد ادارے کام کررہے تھے۔ خون پسینے کی کمائی میں دوسروں کو خود آگے بڑھ کر شامل کرنا ایک نہایت بے لوث اور بڑے وسیع ا لظرف انسان کا شیوہ ہوسکتا ہے۔ جس معاشرے میں اوپر سے نیچے تک زر پرستی کا سرطان پھیل چکا ہو‘ اس میں جناب حکیم سعید کا مثالی کردار دور سے نظر آنے والے روشنی کے مینار کی سی حیثیت رکھتا ہے۔

تحریک پاکستان میں حکیم صاحب نے جس انہماک اور جانفشانی سے حصہ لیا‘ اس کی بدولت وہ حضرت قائداعظم کے معتمد خاص بن گئے تھے۔ ان پر تحریک پاکستان کے قائد کا اعتماد اس درجہ راسخ تھا کہ انھوں نے ہندوستانی لیڈروں کے

نام تحریر کیے اپنے 1200 خطوط بڑی خاموشی سے ان کے حوالے کر دیئے۔ حکیم صاحب نے وہ خطوط اسی لئے شائع نہیں کئے کہ وہ بعض قائدین کیلئے دلآزاری کا باعث بن سکتے تھے۔ اس بیش قیمت ذخیرے کو وہ اب ایک کتابی شکل میں شائع کرنے والے تھے کہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔

☆☆☆

ان کی سب سے بڑی خوبی ان کا حد درجہ منضبط اور فعال رہنا تھا۔ وقت کا ضیاع ان کے نزدیک سب سے بڑا جرم تھا۔ پاکستان کے اندر ہوں یا پاکستان سے باہر' ان کے روزمرہ کے معمولات ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق سرانجام پاتے۔ وہ غالباً ایک ایک منٹ کا حساب رکھتے تھے۔ فجر کی نماز سے لے کر عام طور پر رات کے گیارہ بجے تک مسلسل کام کرتے۔ دن کے وقت آرام کرنے کا ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ ہوائی جہاز میں ہوتے' تو اپنے دورے اور ملاقاتوں کے تاثرات لکھتے رہتے۔ اہم شخصیات سے ملاقاتوں اور بین الاقوامی مذاکروں میں طے پانے والے بنیادی نکات خود ضبط تحریر میں لاتے اور ان کے فرض شناس اور قابل رفقائے کار انھیں کتابوں اور تحقیقی مقالات میں ڈھالتے رہتے۔ گھڑی کی سوئیوں کے مانند حرکت میں رہنے کے باوجود وہ کتابوں' جریدوں اور اخبارات کا مطالعہ بڑی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ ان کی طرف سے خطوط کے جواب نہایت اہتمام سے دیئے جاتے اور وہ اپنے نام آئے ہوئے چھوٹے چھوٹے پرزے بھی محفوظ رکھتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے بے حد منضبط اور نہایت اعلیٰ منتظم انسان تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کا انتخاب کامل احتیاط سے کیا تھا اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور عمدہ برتاؤ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک بار ان سے وابستہ ہوا انہی کا ہو کے رہ گیا۔ وقت کی نظام کاری وہ کچھ اسی طرح کرتے کہ مریض بھی دیکھتے' دوستوں سے ملاقاتیں بھی کرتے' علمی اور تحقیقی مجالس کا دور بھی چلتا رہتا' بین الاقوامی کانفرنسوں میں پوری تیاری کے ساتھ شریک ہوتے اور قومی امور پر مشاورت کا عمل بھی مستحکم رہتا۔ ان کے مجلسی اور علمی تعلقات کا دائرہ نہایت وسیع ہونے کے باوجود ان کے ہر شناسا کو یہی گمان رہتا کہ حکیم صاحب اسی کے سب سے قریب ہیں۔ انھوں نے وقت اور انسان کی قدر و قیمت کا صحیح احساس کیا اور یہی ان کی حیرت انگیز کامیابیوں کا قیمتی راز تھا۔

حکیم صاحب کی ژرف نگہی اس حقیقت کا بہت پہلے سراغ لگا چکی تھی کہ قوموں کی زندگی میں اصل اہمیت اعلیٰ اخلاق اور بلند سیرت و کردار کو حاصل ہے اور یہ جوہر عمدہ تعلیم و تربیت کے ذریعے جلا پاتا ہے۔ ان کی تمام تر قومی سرگرمیوں میں نظام تعلیم کی اصلاح اور ارتقا کو بنیادی اور مرکزی حیثیت دی گئی تھی۔ شام ہمدرد اور ہمدرد شوریٰ کے خطبات اور مباحث میں کردار سازی کا موضوع بار بار آتا رہا۔ انھوں نے اعلیٰ پائے کی تعلیمی کانفرنسیں منعقد کیں جن میں دوررس نتائج کے حامل' قابل عمل پروگرام وضع کیئے گئے تھے۔ نوجوانوں کی فکری اور اخلاقی تربیت کیلئے جناب حکیم محمد سعید نے آواز اخلاق کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور ذہنی آبیاری کیلئے آواز اخلاق کے عنوان سے ایک رسالہ جاری کیا۔ انھیں کامل یقین تھا کہ نوجوانوں کی صحیح نظریاتی اور فکری رہنمائی اور اعلیٰ درجے کی سیرت سازی کے ذریعے معاشرے کے بگاڑ پر قابو پایا اور ایک صحت مند انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے وسائل' اپنی توانائیاں اور اپنی صلاحیتیں قومی کردار کی تعمیر پر صرف کرتے رہے۔ یہ وہ عظیم کام تھا جس کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے۔ حکیم صاحب نے رحمت للعالمینؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کا عہد کیا تھا اور وہ شہادت کی منزل پر پہنچنے تک اپنا عہد نبھاتے رہے۔ اپنی اکلوتی بیٹی سعدیہ کو بھی تعلیم و تہذیب کے اسی سانچے میں ڈھالا تھا جو خدا کے محبوبؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ وہ خود بھی ایثار کیشی اور بے لوثی کا ایک دلکش مرقع تھے اور ان کے اہل و عیال بھی مکارم اخلاق کی بلندی پر تھے۔ ان کے قول میں جو شگفتگی اور شائستگی تھی' وہی رعنائی اور پاکیزگی ان کے فعل میں تھی۔ ظاہر اور باطن کی اسی یک رنگی نے ان کی شخصیت کو مرجع خلائق بنا دیا تھا اور وہ اقتدار سے بہت دور ہونے کے باوجود عوام و خواص کے دلوں میں رہتے تھے۔

☆☆☆

ان کی اصل عظمت یہ تھی کہ انھوں نے حکومت کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے خالق حقیقی اور اپنے وسائل پر بھروسہ کیا اور اپنی خداداد ذہنی اور انتظامی صلاحیتوں کی بدولت نصف صدی کے اندر اپنی ملت کی فلاح و بہبود کیلئے وہ عظیم الشان کام کیئے جو حکومتیں بھی نہ کر سکیں۔ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے ادارے بناتے اور مردان کار تیار کرتے رہے۔ انھوں نے اختیارات اور وسائل کو اپنی ذات میں مرتکز کرنے کے بجائے انھیں اجتماعی فیصلوں کے ذریعے بروئے کار لانے کی معروف روش اختیار کی۔ ان کا ذہن ہر وقت تعمیر کے خاکے تیار کرتا رہتا اور حسن تخلیق اور معاشرے کی تزئین سے ان کی روح کو بڑا سکون ملتا تھا۔ وہ یہی سوچتے رہتے کہ میں اپنے ملک اور قوم کو کیا تحفہ دے سکتا ہوں۔ حکیم صاحب ایک جدید معالج اور ایک جدید مصلح ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی تہذیب کے ایک جدید معمار بھی تھے۔

مطالعے کی گہرائی اور مشاہدے کی گیرائی نے حکیم صاحب کو ایک بہت بڑا مفکر اور نابغہ روزگار بنا دیا تھا۔ وہ مختصر جملوں میں حکمت و دانائی کے بڑے بڑے رموز بیان کر دیتے۔ علوم و فنون سیکھنے اور زبانوں پر عبور حاصل کرنے کا انھیں بے حد شوق تھا۔ چین گئے تو چینی زبان میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ انگریزی کے علاوہ فارسی اور عربی زبان کے مطالب سمجھتے اور ان میں اپنا مافی الضمیر بیان کر لیتے تھے۔ کتابوں کے اس قدر دلدادہ کہ ہر فکر انگیز تصنیف ان کے سرہانے رکھی ہوتی۔ ان کی شخصیت پر وزن ان کی علمی وجاہت اور خاندانی شرافت و نجابت سے پیدا ہوا تھا۔ مگر وہ اپنا علمی تبحر لوگوں پر مسلط کرنے کے بجائے صاحبان فکر و نظر کی باتیں بڑے غور اور ادب سے سنتے تھے۔ انھیں دولت کا زعم تھا نہ شہرت کا۔ وہ سادگی اور درویشی کے ایک باوقار پیکر تھے۔ اپنی ذات پر کم سے کم خرچ کرتے اور

اپنے نفس پر پورا پورا قابو رکھتے تھے۔ ذات کی نفی نے انھیں کندن بنا دیا تھا اور تمام عصبیتوں اور کثافتوں سے بلند کر دیا تھا۔ اسی اخلاص اور بے نفسی نے ان کے دل کی آنکھیں روشن کر دی تھیں اور وہ اپنی قوم اور مسلم امہ کے عوارض کی واضح نشان دہی کرنے لگے تھے۔ ایک روشن ضمیر انسان آنے والے وقت کے بارے میں پہلے سے تنبیہ کرتا ہے۔ محترم حکیم صاحب یہ فرض کئی برسوں سے ادا کر رہے تھے اور بلند آواز میں لٹیروں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کو للکارنے لگے تھے۔ قوم کی اخلاقی اور ذہنی زبوں حالی پر بڑے رنجیدہ خاطر تھے۔ ان کی گفتگو میں ایک شدت آتی جا رہی تھی اور تمام تر وضعداری کے باوجود ان کا لہجہ بڑا تلخ ہو گیا تھا۔ اپنے وطن کی بربادی کا منظر ایک صاحب نظر ٹھنڈے پیٹوں کیونکر برداشت کر سکتا تھا؟

☆☆☆

وہ اعلیٰ روایات کے فروغ میں بے حد سرگرداں رہتے لیکن جدید تصورات کو جذب کرنے کی ان میں غیر معمولی صلاحیت اور لچک تھی۔ طب مشرق جو ایک بڑی مدت سے تحقیق اور نئے نئے تجربات سے محروم ہو چکی تھی' اسے جدید خطوط پر نشو و نما دینے میں انھوں نے زبردست کردار ادا کیا۔ حکماء کی تنظیم سازی کی اور انھیں ضابطوں اور اصولوں کا پابند بنایا۔ دواسازی میں جدید ٹیکنالوجی استعمال کی اور ایک اعلیٰ معیار قائم کیا۔ انسانی صحت کے حوالے سے ان کی انقلابی سوچ یہ تھی کہ طب' ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے مابین ایک اتحاد ثلاثہ کے ذریعے ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی سنجیدہ کوششیں کی جائیں تاکہ انسانیت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ وہ تصادم کے بجائے تعاون اور قدر افزائی کے قائل تھے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے صحت مند ماحول پیدا ہوا تھا اور عالمی سطح پر اس قابل تحسین کردار کا اعتراف بھی ہونے لگا تھا۔ وہ تعصبات کے سارے بندھن توڑ کر ذہن کو ایک وسیع میدان فراہم کرنے کے حق میں تھے۔ دراصل ان کے پیکر میں ایک انقلاب آفریں شخصیت مستور تھی۔

حفظان صحت کا شعور بیدار کرنے میں ان کے ماہنامے 'ہمدرد صحت' نے ایک ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے۔ اس میں جسمانی' ذہنی' روحانی اور نفسیاتی امراض کے اسباب' سدباب اور اچھی صحت کے اصولوں پر نہایت مستند اور معلومات افزا مضامین شائع ہوتے رہے۔ مغربی اور مشرقی ممالک کی تجربہ گاہوں میں انسانی صحت کے حوالے سے جو نئے نئے تجربات ہوتے' ہمدرد صحت کے قارئین ان سے آگاہ رہتے۔ اس طرح پاکستان میں ایک سائنسی نقطہ نظر پروان چڑھا اور فرسودہ تصورات اپنی معنویت کھو بیٹھے۔ حکیم صاحب نے اپنے لئے پیشہ حکمت کو کاروبار کی سطح سے بلند کر کے ایک مشن کا درجہ عطا کیا۔ کاروبار سے جو کچھ میسر آتا وہ قوم کا علمی' اخلاقی اور ذہنی معیار بلند کرنے پر صرف کر دیتے۔ ان کے ہاں طب اور علم و تحقیق کے چشمے ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے۔



بیت الحکمہ کا آغاز --- ایک منظر

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

شاہ مصباح الدین شکیل

حکیم محمد سعید صاحب کے بیدردانہ قتل کی خبر سن کر تھوڑی دیر کیلئے مجھ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

وقت نے کس شبیہ کو خواب وخیال کر دیا۔

حکیم سعید شہید سے میری واقفیت تین دہوں کی مدت پر پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے ان جیسا فعال' پابند اوقات اور نظم و ترتیب کے ساتھ کام کرنے والا آدمی اب تک نہیں دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کس بہیمیت سے کیسی عظیم شخصیت ہم سے چھن گئی۔ جس نے کہا سچ کہا قدر نعمت بعد از زوال۔ ایسی ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور جب اٹھالی جاتی ہیں تو صدیاں ان کے پیدا کرنے سے قاصر رہ جاتی ہیں۔

ستمبر 1967ء میں جب میں ہجرت کر کے کراچی پہنچا تو سماجی اور علمی محفلوں میں کالی ٹوپی اور سفید شیروانی میں ملبوس ایک باوقار شخصیت ہمیشہ توجہ کا مرکز نی رہتی۔ اس بلند وبالا جامہ زیب ہستی میں دلچسپی کی ایک وجہ ان کی قائد ملت نواب بہادر یار جنگ سے مماثلت بھی تھی۔ وہ ہر محفل کی زینت ہوتے۔ اکثر مہمان خصوصی اور صدر جلسہ کی حیثیت میں۔ علمی' ادبی محفلوں میں شرکت کا مجھے بھی بے حد شوق ہے۔ اس طرح ہم انجانے طور پر ایک دوسرے کو پہچاننے لگے۔ میری عقیدت بھری نظریں ان کی جانب اٹھتیں تو اشاروں ہی اشاروں میں سلام ہو جاتا۔

پہلی بار میرے دل میں حکیم صاحب کی عظمت اس وقت جاگزیں ہوئی جب میرے بیٹے جاوید کے نام ان کا ایک خط ڈاک سے موصول ہوا۔ بات یہ تھی کہ جاوید جو چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا وہ ماہنامہ "نونہال" کا مستقل خریدار تھا۔ اس نے نونہالوں کے کلب کے فارم پر مشغلوں کے کالم میں "ڈاک ٹکٹ جمع کرنا" اپنا مشغلہ لکھا تھا۔ اسے دیکھ کر حکیم صاحب نے بچے کے نام شخصی خط لکھا اور انہیں ٹکٹ محفوظ رکھنے اور اس کی مدد سے متعلقہ ملک کے جغرافیائی اور تاریخی معلومات حاصل کرنے کی ہدایت کی۔ یہی نہیں بلکہ چند ممالک کے ٹکٹ بھی تحفتاً روانہ کئے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ اتنا مصروف آدمی ایک نونہال پر اس درجہ مہربان۔ ان کی یہ شفقت اسی ایک بچے کے ساتھ نہیں تھی بلکہ حکیم صاحب "نونہال" کے تمام لکھنے والے بچوں کی اسی طرح رہنمائی اور ہمت افزائی کرتے رہتے تھے۔ انہیں بچوں سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کے اخلاق و کردار سنوارنے کے وہ نت نئے طریقے سوچا کرتے تھے۔ ان کی ذہنی تربیت کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتے۔ مختلف عمر کے بچوں کیلئے سبق آموز کہانیوں کی باتصاویر دلچسپ اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتے قیمت بہت کم رکھتے تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے خرید سکیں۔ بچوں کی سالگرہ' امتحان کی کامیابی پر ان کتابوں کے تحفے بھیجتے۔ یوم آزادی' عیدین اور دیگر اہم مواقع پر بہت بڑی تعداد میں بچوں کو جمع کرتے۔ ان سے تقریریں کرواتے' مضامین پڑھواتے' ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے ممکنہ طریقے اختیار کرتے بچوں کی تعلیم ان کی نظر میں بہت اہم تھی۔ چنانچہ "ہمدرد پبلک اسکول" ہی وسعت اختیار کر کے ہمدرد جامعہ بن گیا۔ اس کے پیچھے حکیم صاحب کے برسوں کا ریاض' دنوں کی تپش اور شبوں کا گداز ہے۔

حکیم صاحب خود ان تھک کام کرتے اور اپنے رفقاء سے کام لینے کا ہنر بھی جانتے تھے۔ ان کی شخصیت بڑی پہلودار اور ہمہ جہت تھی۔ اسی مناسبت سے ان کا سکریٹریٹ بھی قابل و تجربہ کار افراد پر مشتمل ہے۔ اکثر ریٹائرڈ افراد ان کے سایہ میں آجاتے۔ ہر چیز ایک نظم اور ضبط کے ساتھ اپنے وقت پر انجام دی جاتی۔ کتنے ادیب شاعر اور اہل علم ہوتے جو اپنی تصانیف انہیں تحفتاً پیش کرتے۔ ایک ہفتہ بھی گزرنے نہیں پاتا کہ حکیم صاحب کی دستخط سے انہیں شکریہ کا خط موصول ہو جاتا۔ اس خط میں کتاب کے بارے میں جامع تبصرہ بھی ہوتا ہے۔ انہیں پاکر ادیب رشاعر کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ حکیم صاحب نے علمی افادیت کے دائرے کو وسیع تر کر دیا تھا۔ "کتابوں کی کتاب" کے نام سے کئی جلدیں شائع ہوئیں جن میں تحفتاً دی جانے والی کتاب کا تعارف اور اس پر تبصرہ محفوظ ہو جاتا۔ پچیس تیس سال پہلے دی جانے والی کتاب آج ہمدرد یونیورسٹی کی عظیم لائبریری کے شلف میں موجود ملے گی۔ لاکھوں کتابوں پر مشتمل "ہمدرد یونیورسٹی" کا یہ کتب خانہ علم کا خزانہ ہے۔ جو ایک شخص کی کتابوں سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عصری تقاضوں اور نئے اصولوں کے مطابق کتابوں کی ترتیب ریسرچ اسکالروں کیلئے مخزن علوم ہے۔

چند سال پہلے حکیم سعید صاحب نے بچوں کیلئے اپنی زندگی کی کہانی لکھی تھی۔ اسے پڑھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کام کرنے کیلئے وقت نہ ہونے کی شکایت کرنے والے خود اپنا وقت غیر ضروری مشاغل میں ضائع کردیتے ہیں۔ کام کرنے کی سچی لگن رکھنے والا وقت خود نکال لیتا ہے۔ حکیم سعید صاحب اپنے روز وشب کے ایک ایک لمحہ کو بے حد بامعنی انداز میں صرف کرتے۔ وہ نماز عشاء پڑھتے ہی سو جاتے۔ رات میں صرف دودھ کا ایک گلاس ان کا عشائیہ ہوتا۔ تین بجے رات کو اٹھ جاتے۔ آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتے تاکہ نیند کا غلبہ نہ ہو جائے۔ تھوڑی ورزش کے بعد تہجد پڑھ کر کام میں جٹ جاتے۔ اہم فائلیں دیکھتے' ہدایات جاری کرتے' ناشتہ کے بعد مریضوں کو دیکھنے مطب جاتے۔ اس طرح سونے تک کا پروگرام بڑی پابندی سے انجام دیتے۔ وقت کے بے جا مصرف کا کوئی خانہ ان کی زندگی میں نہ تھا۔ اپنی کہانی میں انہوں نے لکھا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید صاحب نے دہلی میں رہنے کا فیصلہ کیا اور چھوٹے بھائی نے پاکستان میں قسمت آزمائی کا ارادہ کیا۔ ماں نے بیٹے کو ایک تکیہ دیا اور تاکید کی کہ اسے ہمیشہ اپنے سر کے نیچے رکھنا۔ ماں کی اس نشانی کو بیٹے نے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور نصیحت پر عمل کیا۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ ہجرت کے بعد بڑی آزمائش کے دن آئے۔ تلاش روزگار میں چلتے چلتے جوتے گھس گئے اور ایسے دن بھی آئے کہ چنے پھانک کر بندر روڈ کے فٹ پاتھ پر راتوں کو بستر لگایا۔ نیا دیس' نئے لوگ' نیا مقام' مطب جمانے کیلئے طرح طرح کے پاپڑ بیلنے پڑے۔ ایک ہی جدوجہد میں لگے ہوئے تین دوست روز فٹ پاتھ پر جمع ہو کر راتیں گزارتے۔ ان میں دو دہلی والے اور ایک رنگون کا باشندہ تھا۔ تینوں نے عہد کیا کہ ہم حالات سے پست ہمت نہیں ہوں گے بلکہ اپنی محنت سے ملک کو کچھ نہ کچھ دیں گے۔ جانے کونسی مبارک گھڑی تھی کہ آنے والے زمانے میں تینوں نے اپنے محبوب نئے وطن کو اپنے منفرد صلاحیتوں سے مالا مال کردیا۔ رنگون والا بڑا تاجر بنا اور اپنی سماجی خدمات سے اہل وطن میں ممتاز ہوا۔ زلیخابائی رنگون والا ہال کراچی میں اس کی یادگار ہے۔ دوسرا فرد دنیائے صحافت کا بادشاہ بنا۔ دہلی سے اپنے روزنامہ ''جنگ'' کو کراچی منتقل کیا۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ کے مصداق اپنے چھوٹے سے ہینڈ پریس پر اخبار چھاپتا۔ اخبار کے بنڈل سائیکل پر لاد کر ہاکروں کو پہنچاتا اور ضرورت پڑی تو سڑکوں پر اخبار بھی بیچتا۔ رفتہ رفتہ اپنی انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ''جنگ'' کو ملک کا ایک باوقار کثیر الاشاعت اخبار بنادیا۔ چاروں صوبائی صدر مقاموں سے شائع کرنے لگا۔ پھر لندن اور نیویارک سے بھی اس کے اڈیشن نکلنے لگے۔ اردو ہی نہیں انگریزی زبانوں میں بھی روزنامے اور ہفتہ وار میگزین نکالے۔ جدید ترین ٹکنالوجی سے اردو صحافت کا معیار بین الاقوامی زبانوں کے اخبارات کے برابر کردیا۔ دولت کمائی اور خوب کمائی کسی کی محنت رائیگاں نہیں جاتی یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ بلڈنگوں پر بلڈنگ بنیں۔ یہ سارا سرمایہ میر خلیل الرحمن اور ان کے خاندان کی ملکیت ہے۔ تیسرے فرد کی کہانی۔ آپ ؔ ق نہیں' ملک ؔ ق ہے۔ اس نے اپنی لگن سے یونانی طب کو اوج کمال پر پہنچایا۔ ہمدرد کی ادویات ملک کے گوشے گوشے میں پہنچائیں۔ اس کاروبار میں اللہ نے برکت دی۔ اس برکت میں ماں کا عطیہ بھی شامل ہے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں سخت مشکل کے دن تھے عزیزوں نے آنکھیں پھیر لیں' دوست راستہ کترا کے نکل جاتے۔ پائی پائی کی محتاجی کا وقت آ گیا تھا کہ ایک دن صبح اٹھے تو تکیہ پر غلاف نہ تھا۔ تکیہ میل سے اٹ گیا تھا۔ خیال آیا کہ آج ماں کے اس عطیہ کو اپنے ہاتھوں سے دھولوں۔ سیون ادھیڑا تو روئی کہ تہ میں سو روپے کے کئی نوٹوں کو پایا۔ مفلسی میں یہ دولت ماں کی دعاؤں کا خزانہ تھی۔ اسے طب کے کاروبار میں لگایا اور پھر اللہ نے میرے دن پھیر دئے۔ وہ دن اور آج کا دن کہ دولت میں اضافہ ہی اضافہ کاروبار میں برکت ہی برکت کام میں پھیلاؤ ہی پھیلاؤ ہورہا ہے۔ ادویات سے حاصل ہونے والی دولت قوم اور ملک کی بھلائی کے لئے وقف کردی۔ ترجیحات قائم کیں۔ سوچا تو قوم کی جہالت کو تمام امراض کی جڑ پایا۔ حکیم تو تھے ہی تشخیص کیوں نہ درست ہوتی۔ تن من دھن کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ اس کی بیخ کنی میں لگ گئے۔ علامہ اقبال کے قول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے من کہ نومیدم زپیران کہن۔ نونہالوں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا۔ ان کی ذہنی تربیت کے لئے ایک جامع پروگرام ترتیب دیا۔ ماہنامہ ''نونہال'' تقریباً نصف صدی سے مسلسل یہ کام انجام دے رہا ہے۔ ساتھ ہی بچوں کیلئے صحت مند لٹریچر تیار ہونے لگا۔ ہر موقع پر قوم کو جھنجھوڑتے کہ اتنے فیصد نونہال علم کی دولت سے محروم ہیں اس فکر و جستجو میں کئی مدارس کے ساتھ تعاون کیا۔ مالی امداد دی۔ کتابیں فراہم کیں' ہمدرد پبلک اسکول کو سائنسی بنیادوں پر ترقی دے کر یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچادیا۔ بغداد کے بیت الحکمت کی طرز پر علوم و فنون کی آبیاری کے لئے کراچی سے تیس پچیس کلو میٹر دور افتادہ صحرائی علاقہ میں ''مدینہ الحکمت'' کے نام سے ایک عظیم علمی ادارہ قائم کیا۔ ایک شخص کی مخلصانہ کوششوں سے صحرا میں علوم و فنون کے چشمے ابل پڑے۔ ہمدرد پبلک اسکول' عظیم الشان کتب خانہ' ہمدرد یونیورسٹی کی مختلف فیکلٹی کی دیدہ زیب عمارتیں' تشنگان علم کی آمد و رفت سے جنگل میں منگل کا سماں پیش کرتے ہیں۔ صحرا میں گلاب کھل رہے ہیں۔ فضا علم کی خوشبو سے مہک رہی ہے۔ پرائیوٹ سیکٹر میں پاکستان میں دو عظیم یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ ایک سر آغاخاں میڈیکل یونیورسٹی اور دوسری ہمدرد یونیورسٹی۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی یونیورسٹی آغاخانیوں کے سرمایہ سے وجود میں آئی اور دوسری یونیورسٹی تنہا ایک علم دوست ہستی کی ذاتی کوششوں کا کرشمہ ہے۔ جو 80 کے پیٹھے میں جوانوں کا عزم اور مجاہدوں کا جذبہ رکھتا تھا۔ جب اللہ نے اقتدار عطا فرمایا اور صوبہ سندھ کی گورنری ملی تو سب سے پہلے تعلیم کی ترویج پر توجہ دی۔ مزید تین یونیورسٹیوں کے قیام کیلئے چیف منسٹر کو نوٹ بھیجا۔ تعصب نے روڑے اٹکائے

تو اپنے خصوصی اختیارات استعمال کر کے منسٹری بر طرف کرنے کی دھمکی دی۔ اس کے نتیجے میں خواتین کیلئے علٰحدہ یونیورسٹی 'ہمدرد' میڈیکل یونیورسٹی' ایک اور یونیورسٹی کی اسکیموں کو عملی جامعہ پہنایا گیا۔

طب یونانی کے فروغ کیلئے دونوں بھائیوں حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید کی انتھک محنت اور خدمات آب زر سے لکھی جائیں گی۔ جڑی بوٹیوں پر تحقیق 'ادویات کی جدید طریقے پر تیاری' اطباء کی تربیت 'اور تعلیم کا ثبوت برصغیر کے ہر شہر اور گاؤں میں موجود ہمدرد طبی مراکز پر ملے گا۔ یہی وہ بنیادی کام ہے جو قوم کی صحت کا ضامن بھی ہے اور کم قیمت پر موثر دیسی علاج کا ذریعہ بھی۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کے تحت جدید خطوط پر کام کرنے والی لیباریٹریاں رات دن ریسرچ میں مصروف ہیں۔ اطباء کی مسلسل تربیت اور عوام کیلئے ان کی خدمات کی فراہمی مقصود حیات ہے۔ حکیم صاحب ہر روز صبح و شام مطب میں خود بیٹھتے تھے۔ عوام کی سہولت کی خاطر بڑے شہروں کے مختلف محلوں میں ایسے مطب موجود ہیں۔ اس پیشہ سے ان کی مخلصانہ وابستگی کا ذکر سن کر حیرت ہوتی ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کو جب مرکز میں وزارت یا صوبہ کی گورنری آفر کی گئی تو ان کی پہلی شرط یہی تھی کہ مجھے اپنے مریضوں سے روزانہ ملنے پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔ سرکاری ذمہ داریاں مطب کی حاضری میں مانع نہیں ہوں گی۔ ان کا یہ اخلاص' خدمت خلق کا بے لوث جذبہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوا۔ وقت موعود آیا تو مریضوں کے درمیان ہی جام شہادت نوش کیا۔ حکیم سعید کو خدمت خلق کا انعام اللہ کی نظر میں پسندیدہ موت شہادت عطا ہوئی۔

طب یونانی کی علمی سطح پر ترویج کے سلسلہ میں حکیم سعید شہید نے وقیع خدمات انجام دیں۔ عالمی سطح پر سیمینار منعقد کئے جس میں مسلم سائنس دانوں اور اطباء پر تحقیقی مقالے پڑھے گئے۔ سائنسی علوم کی ترقی کا سارا کریڈٹ مغربی دنیا اپنے کھاتے میں ڈالتی ہے۔ اس طلسم کو توڑنے کا سہرا بھی سعید شہید کے سر ہے۔ جابر ابن حیان کوفی' ابن ہیثم' بو علی سینا اور درجنوں مسلم اطباء اور سائنس دانوں کی خدمات سے اہل مغرب کو روشناس کروایا۔ ان سیمناروں میں پڑھے جانے والے مقالے اردو اور انگریزی زبانوں میں کتابی شکل میں شائع کئے جاتے اور دنیا کی تمام لائبریریوں میں ہمارے اسلاف کے علمی کارنامے محفوظ کروائے جاتے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کا شعبہ تصنیف و تالیف ماہرین فن پر مشتمل ہے اور اس کی نگرانی وہ خود کرتے تھے۔

"شام ہمدرد" کا سلسلہ پاکستان کی علمی اور تہذیبی زندگی کا ایک شاندار باب ہے۔ ہر ماہ بڑی پابندی سے چاروں صوبوں کے صدر مقاموں کراچی' لاہور' کوئٹہ اور پشاور میں ان کے اجلاس منعقد ہوتے۔ مقررہ عنوان پر مقالات پڑھے جاتے۔ صوبہ کی مقتدر علمی شخصیتیں ان میں حصہ لیتیں۔ ہر شعبہ زندگی کی ذی اثر ہستیاں "شام ہمدرد" کے دعوت نامہ کی منتظر رہتیں۔ اس میں شرکت کی خاطر اپنی اہم مصروفیات میں تبدیلیاں کر لیتیں۔ "شام ہمدرد" ہر صوبہ کی اہم علمی اور ثقافتی محفل ہوتی جو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد ہوتی۔

اسی طرح نونہالوں کی اسمبلیاں بھی ہوتی۔ حکیم صاحب بڑی پابندی سے شرکت کرتے وہی تو روح محفل اور شمع انجمن ہوتے صوبوں کے صاحب الرائے شخصیتوں سے تبادلہ خیال ہوتا۔ سماجی' تعلیمی اور سیاسی مسائل زیر بحث ہوتے۔ دائرہ شناخت وسیع تر ہونے لگا۔ کئی جلدیں "مقالات شام ہمدرد" کی صورت میں طبع ہوئیں جو بجائے خود آنے والی نسلوں کی رہنمائی کا علمی سرمایہ ہے۔ ان علمی محفلوں کے ساتھ ساتھ ان صوبوں کے "مطب ہمدرد" میں حاضری دیتے۔ مریضوں کو دیکھتے اطباء کے بورڈ ترتیب دیتے۔ علاج کے بارے میں صلح و مشورے ہوتے۔ اس طرح ہر مہینہ دو چار دن ہر صوبے کے "ہمدرد سنٹر" میں گزارتے۔ یہ نظریاتی کام بھی تھا اور عملی خدمت بھی تھی۔ چاروں صوبوں میں اہل علم صاحبان فکر' ادیب اور شاعروں کی خدمات کے اعتراف میں نشان سپاس اور وثیقہ جات دینے کا سلسلہ بھی "شام ہمدرد" اور سعید شہید کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ یہ اعزازات ملک اور قوم میں بڑی وقعت کے حامل ہیں۔

پچھلے چند برسوں میں ملک کے بحرانی واقعات' کراچی لاہور کی بدامنی' دہشت گردی و فرقہ واریت کی خوں آشام لہر نے ہر محب وطن کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ فکر سعید نے "شام ہمدرد" کے فورم کو "مجلس شوری" میں تبدیل کر دیا۔ مجلس شوری حالات حاضرہ' حکومت کی پالیسوں اور عوام کے مسائل پر مثبت انداز میں غور کرتی اور تعمیری نقطہ نظر سے بہترین آراء پر مشتمل قراردادیں مرتب کرتی اور انہیں حکومتی اور عوامی اداروں کو رہنمائی کے لئے روانہ کرتی۔ "مجلس شوری" "شام ہمدرد" کے شرکاء کے مقابلہ میں چھوٹا اجتماع ہے لیکن اس کا ہر ممبر اپنے شعبہ میں ماہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجلس شوری میں ریٹائرڈ جج / ماہران تعلیم / وکلا / عوامی نمائندے اور صاحب الرائے افراد شامل ہیں۔ ان کی منظور کردہ قراردادوں کو ذرائع ابلاغ بڑی اہمیت دیتے اور حکام بھی غور کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پاکستان کے کسی دوسرے غیر سیاسی ادارے کو یہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ مختصر یہ کہ مجلس شوری کو ایک پریشر گروپ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

حکیم سعید صاحب شہید اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کا خلاق ذہن مختلف جہتوں میں کام کرتا۔ ریڈیو پاکستان سے ہر ہفتہ دو تین بار "قرآن اور ہماری زندگی" کے عنوان سے تقریریں نشر کرتے' ٹی وی پر انٹرویو دیتے "آواز اخلاق" سڑکوں کے سائن بورڈوں پر ہمدرد کا پیام بن جاتی۔ ہمدرد کے اشتہارات اکثر اردو رسائل کی حیات کے معاون ثابت ہوتے۔ شعراء' اور فنکاروں کو کیسہ زر پیش کیا جاتا تو حکیم صاحب کا ممکنہ تعاون ہوتا۔ شادی کی

دعوت میں کھانوں کے اسراف پر ان کا دل کڑھتا تو وہ سراپا احتجاج بن جاتے۔ ان تقاریب میں شرکت سے انکار کرتے۔ زبان سے جو کہتے اس پر عمل کرتے تھے۔ بیرونی دنیا کیلئے وہ پاکستان کے ثقافتی سفیر کی حیثیت رکھتے تھے ہر اہم سیمنار اور کانفرنس میں شرکت کرتے۔ یونیسکو کی کئی بین الاقوامی تنظیموں کے رکن تھے۔ بلاد اسلامیہ میں ان کے قدردانوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ وہ تعلقات استوار رکھنے کا ہنر جانتے تھے۔ تقریباً تمام دنیا کا انہوں نے مطالعاتی سفر کیا۔ اپنے مشاہدات اور تجربات کو سفر ناموں کی صورت میں "سعید سیاح" نے قوم کے حوالے کیا۔ اس موقع پر بھی وہ نونہالوں کو نہیں بھولتے۔ بچوں کے لئے سعید سیاح آسان زبان وار دیدہ زیب سفر نامہ تیار کرتا۔ ملک کی ترقی کی کہانی سنا کر انہیں آمادہ عمل کرتا۔

ان کا سفر قوم کے لئے وسیلہ ظفر بنتا۔ میں شائد یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ حکیم سعید شہید کی طرح بامقصد سیاحتی اسفار شاید ہی کسی پاکستانی نے کئے ہوں۔ حکیم محمد سعید صاحب کو مملکت آصفیہ' جامعہ عثمانیہ دارالترجمہ اور اہل حیدر آباد سے خصوصی دلچسپی تھی۔ جس طرح ایک مسلم مملکت کے تاجدار اعلی حضرت نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے دولت کو علم علوم وفنون کی ترویج میں صرف کیا' جامعہ عثمانیہ جیسی منفرد یونیورسٹی قائم کی' دارالترجمہ جیسا ادارہ قائم کیا۔ طب یونانی کی ترویج کی غیر معمولی سرپرستی کی۔ مملکت آصفیہ میں انگریزی دواخانوں کے ساتھ ساتھ طب یونانی کے شفاخانوں کا جال پھیلایا۔ طب یونانی کی تعلیم کے لئے نظامیہ یونانی طبی کالج قائم کیا گیا جہاں طب یونانی کا 5 سالہ کورس ہوتا تھا۔ اس کالج کے حکیم کبیر الدین صاحب نے اردو میں حکماء کے لئے کتابیں لکھیں۔ جمہوریت کے اس پاسدار نے بھی اپنی دولت کو علم کی ترویج' طب یونانی کے فروغ پر مصرف کیا۔ ہمدرد یونیورسٹی اور مدینۃ الحکمت کے قیام میں جامعہ عثمانیہ اور دارلترجمہ کے تجربات سے بھرپور استفادہ کیا۔ جنوری 1991 میں جب کراچی میں جامعہ عثمانیہ پلاٹنم جوبلی منائی گئی تو انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ کے ترجمان "مجلّہ جامعہ عثمانیہ" کے ضخیم جوبلی نمبر کے لئے راقم الحروف مدیر مجلّہ کے نام بحیثیت گورنر سندھ پیغام میں لکھا اور ان ہی خیالات کا اظہار تقریب کی صدارت کرتے ہوئے بھی فرمایا۔

"انجمن کے زیراہتمام جامعہ عثمانیہ کی پلاٹنم جوبلی کی تقریبات ایک یاد ماضی کا عنوان توں ہیں مگر یہ پیش رفت اس کی متقاضی کیوں نہ ہو۔ کہ حیدر آباد سندھ کے نواح میں اس کے قریب تر ایک جامع عثمانیہ کو اہل اردو کے تعاون واشتراک سے کیوں نہ وجود دیں۔"

حیدر آباد کے دو عظیم سپوتوں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی (مرحوم) اور ڈاکٹر حمید اللہ کے بڑے مداح اور قدرداں تھے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن میں ایک شعبہ ڈاکٹر حمید اللہ سے متعلق ایک عربی کتاب کا ڈاکٹر حمید اللہ نے ترجمہ کیا جو اطبائے کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے۔ (کتاب کا نام ذہن سے نکل گیا ہے) اسے ہمدرد فاؤنڈیشن نے زیور طبع سے آراستہ کیا۔

حکیم سعید صاحب نے نونہالوں کے لئے سیرت طیبہ ﷺ پر نہایت مفید کتابیں لکھیں□□ □ور ان کو بہت دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا۔ ان کی اپنی تصانیف کے علاوہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ تعلیم کو ملکی اور قومی ضروریات سے ہم آہنگ کیا جائے چنانچہ مدینۃ الحکمت کے عظیم ادارہ کے منصوبے میں ابتدائی تعلیم کے فروغ کو بھی شامل کیا۔ اس منصوبے کا آغاز دینیات کے نصاب کی تیاری سے ہوا۔ مرتبین کی ایک کمیٹی بنائی۔ ہندوپاک کے تمام دینی اداروں کی تیار کردہ کتب کا جائزہ لیا گیا اور آخر کار فاضل مرتبین نصاب نے مملکت آصفیہ کے تیار کردہ اور سرکاری مدارس میں رائج کردہ دینیات کے نصاب کو سب سے زیادہ مفید پایا اور فیصلہ کیا کہ پاکستان میں اس کو جاری کیا جائے۔ اس نصاب کی تیاری میں جامعہ عثمانیہ کے جید علماء میں مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت اور مولانا سید ہاشمی فرید آبادی نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اس نصاب دینیات کو معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ حکیم صاحب نے شائع کروایا اور تمام ملک میں پھیلا دیا۔ یہ کارنامہ حکیم صاحب کی دیدہ وری کا ایسا نمونہ ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا بلکہ دوسروں کیلئے قابل تقلید بھی ہے۔ پچاس سال بعد یہ کتابیں نونہالوں کی دینی تعلیم اور عقائد کی صحیح کی واقفیت کیلئے دوبارہ حیدر آباد میں طبع ہوئی ہیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے شعبہ نشرواشاعت سے خبر نامہ (نیم ماہی) نونہال (ماہنامہ) پابندی سے شائع ہوئے اہم کام انجام دے رہے ہیں۔

حکیم محمد سعید شہید طبعتاً بڑے نرم خو' کم گو اور باوقار انسان تھے۔ میں نے انہیں بہت کم فی البدیہہ تقریر کرتے سنا ہے۔ ان کی صدارتی تقاریر ہمیشہ پہلے سے لکھی ہوتیں۔ جنہیں وہ پڑھ دیتے۔ گزشتہ دو تین سالوں سے میں نے ان کی نرم خوئی کو تند گوئی میں بدلتے دیکھا۔ وہ کہتے کہ ہم اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں غلام بننے کے لئے نہیں آئے۔ نج کاری کی پالیسی سے انہیں سخت اختلاف تھا وہ حکومت کے اعلی عہدوں پر فائز رہ چکے تھے ایک طرح سے محرم راز دارون خانہ تھے۔ ان کی حق گوئی عوام کے دل کی دھڑکن بن جاتی تھی۔ دو سال پہلے بھی ایک شام کو افواہ اڑی تھی کہ حکیم صاحب قتل کردئے گئے۔ اس کے بعد سے یہ مرد حق گو محتاط ہونے کی بجائے اور بےباک ہو گیا تھا۔ تنقید اور سخت ہو گئی تھی بقول اقبال۔

میں زہر ہلاہل کو بھی کہہ نہ سکا قند۔

اللہ کے کلام کا حافظ بھلا موت سے کب ڈرنے والا تھا۔ شہادت تو مطلوب مقصود مومن ہے۔ ان کا خون نہال ملت کے کام آیا۔

سرخاک شہید برگ ہائے لالہ می پاشم
کہ خونش بانہال ملت ما ساز گار آمد

سقراط کو زہر دیا گیا حکیم سعید کو گولی ماری گئی

حکیم فیاض عالم اصلاحی

لیجئے حکیم محمد سعید صاحب کو بھی کچھ ناعاقبت اندیشوں نے گولیوں کی بوچھار کر کے ابدی زندگی دے دی۔ غیر معمولی صلاحیت کے حامل اشخاص کو قتل کرنے کا سلسلہ سقراط سے شروع ہوتا ہے۔ سقراط کا زمانہ! یقینی طور سے اس کا تعین کرنا مشکل ہے' تاہم پانچ سو سال قبل مسیح کا اندازہ ملتا ہے۔ ایسے اشخاص جن کے ہاتھوں سے مالک حقیقی نے شفا کا معاملہ رکھا' ایسے غیر معمولی وصف رکھنے والے افراد کو اس وقت کے ایسے لوگوں کی ٹولی ان کے جان کی دشمن بن گئی جس نے اس شخصیت سے جیتے رہنے کا حق چھین لیا۔ سقراط ہوں' یا حضرت عیسی علیہ السلام' یا بو علی سینا' (ان کو قتل کرنے کی سازش کامیاب نہ ہو سکی) یا حکیم اجمل خاں اور ایسے بہت سے افراد جن کا کام کاج شفایابی سے تعلق رکھتا تھا انسانی سازش کا شکار ہو کر قتل کر دئے گئے۔ حکیم محمد سعید بھی اس صف میں شامل ہوگئے۔ قاتل یہ سمجھتا ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل کر کے وہ انہیں ختم کر دیتا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ایسے عالی مرتبت لوگ ختم نہیں ہوتے' زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ ان کا مشن جتنا تیزی سے پہلے نہیں تھا' اب اس سے کہیں زیادہ تیز گامی سے چلے گا انشاء اللہ ان کے پیروکاروں کی تعداد میں بھی کئی سو گنا کا اضافہ ہو جائے گا' یہ قانون فطرت ہے۔ سقراط کو جب قتل کرنے کی اسکیم بنی تو اس میں اس وقت کے سربر آوردہ مذہبی رہنما بھی شامل تھے اور حکومت وقت کا سربراہ بھی اس کے قتل میں شامل ہو گیا۔ شفایابی کے کام میں مشغول غیر معمولی صلاحیت کے حامل لوگوں کی حالت زندگی کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو سبھی کے کاموں میں کم و بیش یکسانیت ملتی ہے۔ سقراط جسے زہر کا پیالا پینا پڑا یا یوں کہئے کہ اسے زہر پلا کر مار ڈالا گیا' بہت بڑا خدا پرست تھا' موحد تھا' وحدانیت کا پرچار کرتا تھا' کئی خداؤں کو ماننے والے افراد سے وہ مناظرے کیا کرتا تھا اور انہیں ان کی غلطی کا احساس دلا کر اپنا ہم خیال بنا لیا کرتا تھا۔ خدا ترسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہترین معالج تھا جو اپنے علم کی ترقی و ترویج کے لئے ہمیشہ کوشش کیا کرتا تھا۔ اگر ہم سقراط کی زندگی سے حکیم محمد سعید کا موازنہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بعینہ حکیم محمد سعید بھی ایک بہت بڑے خدا ترس اور موحد انسان تھے' فن طب سے انہیں والہانہ لگاؤ تھا' ان کے اپنے ملک میں ان کے جا بجا مطب تھے جہاں وہ ذاتی طور سے وقت دیتے اور شفایابی کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے اللہ رب العزت کی عطا کردہ جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دواؤں سے علاج و معالجہ کیا کرتے تھے' ان کی کامیابی کو دیکھ کر طب جدید کے علمبردار حسد کی آگ میں جلا کرتے تھے' لیکن وہ کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن میں مشغول رہے' سقراط کا خیال تھا کہ علم و حکمت ایک مقدس فن ہے' اور لطیف فن ہے' جسے عام طور سے ہر کس و ناکس کو بتانا' بڑھانا مناسب نہیں ہے' اسی وجہ سے وہ اپنے شاگردوں کا انتخاب بڑے امتحان کے بعد کیا کرتا تھا' بد اخلاق اور بد کردار اشخاص کو کبھی علم نہیں سکھایا۔ ٹھیک اسی طرح حکیم محمد سعید نے بھی اپنی درسگاہ میں طب کے طالب علموں کے لئے انتہائی سخت امتحانات کا نظم کیا۔ ان امتحانات سے گزر کر کامیاب ہونے والے افراد کو طب یونانی کا طالب علم بناتے تھے یہ ایک عجیب قانون قدرت ہے کہ خدا ترس لوگ ہمیشہ اپنی موت سے بے پروا نظر آئے۔ سقراط بھی اپنی موت سے ہمیشہ بے فکر رہا۔ سقراط کے ایک شاگرد اقریطون نے اس کو زہر دینے سے قبل جیل خانے سے بھگائے جانے کا منصوبہ بنایا' اقریطون نے کہا کہ ہم نے محافظین زنداں کو رشوت کا لالچ دے کر اس بات پر راضی کر لیا ہے کہ اگر آپ یہاں سے نکلنا چاہیں تو وہ رکاوٹ نہیں بنے گے' سقراط نے کہا یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں' رشوت دینا میرے ضمیر کے خلاف ہے' اقریطون نے کہا کہ ہماری دولت اور ہماری جانیں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں' اس نے تمام ترجحت کے بعد کہا کہ موت تو آئی ہے اگر خدائے بزرگ و برتر کو اسی بہانے زندگی ختم کرنی ہے تو میں یہیں مرونگا' ورنہ کبھی نہ مرونگا۔ حکیم محمد سعید کے متعلق جو خبریں آ رہی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے قریب رہنے والے لوگوں نے حفاظتی اقدامات سخت کرنے کے لئے کہا تھا' لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو بظاہر ان کے جانی دشمنوں نے سولی چڑھائی لیکن اس سے قبل وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے' اسی طرح وہ بھی اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرائض میں مصروف تھے' بیماروں کو شفا دینے کا معجزہ ان کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ حکیم شیخ بو علی سینا بخارا کے قریب ۹۸۰ء میں پیدا ہوا ہمدان کے حکمراں شمس الدولہ کے دربار میں مصاحبین میں شمار ہوتا تھا' اور عہدہ وزارت بھی ملا۔ لیکن عوام الناس کی شفا اور نئی زندگی کا وسیلہ بننے والوں کو یہ دنیا جینے نہیں دینا چاہتی' چنانچہ شاہی فوج

نے کسی معاملہ پر بدگمان ہو جانے پر شیخ کا گھر لوٹ لیا' اور اسے قید کر لیا اور پھر اسے قتل کرنے کی بات آئی' لیکن شیخ بو علی سینا قسمت کے دھنی تھے کسی نہ کسی طرح بچ گئے' بعد میں شمس الدولہ نے معافی مانگی اور دوبارہ وزارت سونپ دی۔ شیخ بو علی سینا رات کے وقت اپنے طالب علموں کو کتاب القانون کا درس دیتے تھے اور دن میں دوسرے مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ شمس الدولہ کی موت کے بعد بدستور عہدہ وزارت پر رہنے کا اصرار کیا گیا' لیکن سیاسی حالات اتنے خراب ہوئے کہ تاج الملک کے حکم سے شیخ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا' چار مہینہ بعد جب دوسرا حکمراں علاؤالدولہ آیا تو شیخ قید سے رہا ہوئے اسی دوران انہوں نے اپنی کئی کتابیں لکھیں' شیخ کا تعلق خوارزم شاہ کے دربار سے بھی رہ چکا ہے۔ لیکن وہاں شیخ کو بہت کم دنوں سکون مل سکا محمود نے خوارزشاہ کے پاس



سابق وزیراعظم پاکستان محترمہ بینظیر بھٹو کے ساتھ

حکم بھیجا تھا کہ چند آدمیوں کو میرے پاس بھیج دو' ان میں سے ایک شیخ تھا' حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنے یہاں سے چپکے سے روانہ کر دیا۔ ذرا موازنہ کیجئے مرحوم جناب حکیم محمد سعید مجاہد اعظم اور شیخ بو علی سینا کی زندگی کا۔ حکیم محمد سعید کی تصانیف بھی بہت ہیں۔ آج ان کی قائم کی ہوئی یونیورسٹی دنیا میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔

اسی طرح ہندوستان کے ایک نامور طبیب اور مجاہد آزادی حکیم حافظ محمد اجمل خاں جو ایک خدا ترس انسان تھے' اللہ تبارک تعالی نے ان کے ذریعہ سے یا ان کے ہاتھوں سے بھی شفایابی کا کام لیا۔ جڑی بوٹیوں سے یا اس سے بنی ہوئی دواؤں سے علاج کرنا' اور اس علم کی ترقی و ترویج میں اپنی زندگی کے وقت کو لگانا ان کا اپنا ایک مشن تھا' ٹھیک حکیم محمد سعید کی طرح انہوں نے بھی اللہ تعالی کی عطا کردہ نباتاتی ادویہ کے ذریعہ علم و حکمت کو پھیلایا' یہی ان کی زندگی کا مقصد تھا' دہلی میں قرول باغ میں تقریباً ۳۵ یا ۴۰ ایکڑ زمین پر ایک وسیع درسگاہ "طبیہ کالج" کی تعمیر کی حکیم اجمل خاں نے اس کا افتتاح مہاتما گاندھی کے ہاتھوں سے کرایا۔ حکیم اجمل خاں ۱۸۶۴ء میں دہلی میں بلی ماراں کے علاقے میں شریف منزل میں پیدا ہوئے' خدا ترس آدمی تھے' خود حافظ قرآن تھے' وحدانیت کی تعلیم' اللہ کی عظمت اور کبریائی بیان کرتے کرتے درس و تدریس کے کاموں میں مشغول رہتے تھے' سچائی' محنت' لگن اپنے فن سے لگاؤ ان کے اہم اوصاف تھے ان کا کہنا تھا کہ اگر انسانی طب کے لئے کوئی فن معالجہ شفا بخشی کا ذریعہ بن سکتا ہے تو یہ جڑی بوٹیوں کے علاج کا فن ہے۔ ابتدائی زمانہ میں حکیم صاحب نے ۱۹۰۰ روپیہ پر اس سستائی کے زمانے میں رام پور میں سرکاری طبیب کی حیثیت سے ۹ سال تک خدمت کی۔ حکیم صاحب اپنی دیانت داری اور سچائی کیلئے بہت مشہور تھے' ایک مرتبہ ہندو مہاسبھا کے استقبالیہ کے اجلاس کی صدارت دی گئی جو حکیم صاحب کی ہر فرقہ میں مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔

حکیم صاحب کا انتقال ۹۲ دسمبر ۱۹۶۷ء کو صبح سوا دس بجے ہوا۔ ان کی موت کی بابت ان کے باورچی نے کراچی میں یہ انکشاف کیا ان کی موت کا ذمہ دار وہ خود ہے جسے رام پور کے کسی نواب نے رشوت دی تھی اور حکیم صاحب کو مار ڈالنے پر تعینات کیا تھا۔ حکیم حافظ محمد اجمل خاں کے جیسے اوصاف کے حامل حکیم محمد سعید بھی ہر کس و ناکس کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ اللہ تبارک تعالی نے ان کے ہاتھوں سے طبی درسگاہ کا قیام اور شفایابی کا کام بڑی کامیابی کے ساتھ لیا۔

اس مختصر سے مضمون میں طب یونانی کے جید حکماء کے بارے میں زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا جا سکتا تاہم یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسانی خدمت کا وسیع تر فریضہ انجام دینے والوں کے ساتھ حسد کا جان لیوا معاملہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم مرحوم حکیم سعید صاحب کی مغفرت کیلئے دعا گو ہیں: ط

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

حکیم محمد سعید: وجود خاکی صفات ملکوتی

محمد صہیب قریشی

ندائے ملت کے حکیم عبدالحمید نمبر کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ بحیثیت مہمان خصوصی رسم اجراء میں شرکت کے لئے ہم جناب حکیم محمد سعید صاحب کو دعوت نامہ ارسال کرنے والے تھے۔ مقررین میں بھی وہ شامل تھے۔

اس المناک اور دلدوز واقعہ نے ہمیں اندر تک ہلا کر رکھ دیا۔ ہم ان کے محترم بڑے بھائی جناب عبدالحمید صاحب سے تعزیت کریں تو کیسے کریں۔ آج ساری دنیا سے ان کے پاس تعزیتی کلمات فیکس اور ٹیلیفون کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوگا۔ مگر کیا اس سب سے حکیم صاحب کو اپنا پیارا بھائی مل جائے گا۔ جو ان کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اس وقت بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شہداء کی فہرست میں ان کا نام لکھا ہوا ہے اور ان کیلئے خدا کے دربار میں پہونچنے کا وہ راستہ معین ہو چکا ہے۔ جس کی بڑے بڑے اولیاء اللہ نے تمنا کی اور جس کی فضیلت اور علوئے مرتبت پر قرآن وحدیث ناطق ہیں:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

حکیم محمد سعید اپنے بڑے بھائی محترم حکیم عبدالحمید صاحب کی طرح پاکستان میں ان ہی اقدار وامور کے امین تھے۔ وہ جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دور حکومت میں وزیر صحت ہوئے اور پھر بعد میں سندھ کے نگراں گورنر مقرر ہوئے لیکن کام کا اصل میدان طب یونانی اور تعلیم ہی رکھا۔ مدینۃ الحکمت جدید اور مثالی ادارہ ہے۔ ہمدرد خواہ ہندوستان میں ہو یا پاکستان میں ایک باوقار ادارہ مانا جاتا ہے۔ اس نے طب یونانی کی نشاۃ ثانیہ کا اہم کارنامہ انجام دیا۔ آج وہ ہزاروں خاندانوں کی روزی روٹی کا بھی ذریعہ ہے۔ خداتعالیٰ نے حکیم محمد سعید صاحب کو بڑی عجیب اور حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بحیثیت مصنف درجنوں کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اس ہجوم کار میں بلا کا سلیقہ تھا۔ نظم ونفاست اور پھر پابندی وقت کا حیرت انگیز معیار جو انہیں اپنے محترم بھائی حکیم عبدالحمید صاحب کی تربیت کے نتیجے میں ملا تھا۔ آدمی تہیہ کر لے اور کسی اعلیٰ مقصد کے لئے اپنی ذہنی صلاحیتوں جسمانی قوتوں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو کھپانے کی پختہ نیت کر لے تو دشت امکاں میں کیسے کیسے نقوش پا قائم کر سکتا ہے۔ اس کی ایک گھر کی مثال حکیم محمد سعید صاحب تھے۔

مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی دو بھائی تھے۔ دونوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ کر کے ہندوستان کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اردن کے شاہ حسین اور ان کے بھائی شہزادہ حسن نے باہم محبت سے ایک غریب چھوٹے سے ملک کو عظیم بنادیا اور عرب سیاست کا رخ موڑنے کی جدوجہد کی۔ اسی طرح حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید نے باہم محبت سے علم وحکمت کے چراغ جلائے۔ ایک روشن چراغ دہلی میں ہے اور دوسرا روشن چراغ کراچی میں۔

حکیم محمد سعید شہید ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "میں تو یہاں تک بھی کہنے کو تیار ہوں کہ اگر محقق کو اخوت کے موضوع پر تحقیق کی فرصت ملی اور اس نے ہم دونوں بھائیوں کو موضوع فکر نہ بنایا تو اس کی تحقیق معیار تحقیق پر شاید ہی پوری اور صحیح اتر سکے۔

حکیم محمد سعید صاحب نے صرف نو برس میں دہلی میں اونچی مسجد حوض قاضی میں حافظ سید عمر دراز علی صاحب سے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا' جس کے بعد ان کی والدہ محترمہ رابعہ بیگم نے انہیں اپنی تربیت سے نکال کر ان کے بھائی جان محترم حکیم عبدالحمید صاحب کی تربیت میں دے دیا۔ جس کا اعتراف حکیم سعید صاحب خود کرتے ہیں کہ "آج میں جب زندگی کے میدانوں میں اپنی سرگرمیوں کو دیکھتا ہوں تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکتا کہ میرے بھائی جان محترم نے میری پرورش کی ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے فکر وعمل سے دین ودنیا کی تعلیم وتربیت دی۔ کہ جس نے آج مجھے حکیم محمد سعید بنادیا۔ آج بھی میں ان سے سبق لینے دہلی آتا ہوں۔ چند دن رہتا ہوں گویا ریفریشر کورس ہوتا ہے"۔

اب کون حکیم صاحب کے پاس آئے گا۔ کون اس سسکتی بلکتی انسانیت کو بیچ منجدھار سے نکالنے کیلئے حکیم صاحب سے مشورے کرے گا کہ ہندوستان کو آپ کسی حد تک سنبھال رہے ہیں۔ اہل پاکستان سب تو اپنے ہم مذہب ہونے کے باوجود لسانی' مسلکی اور فرقہ واریت کی تاریکی میں الجھے ہوئے ہیں۔ ان کو جہالت کے اندھیرے غار سے کس طرح باہر نکالا جائے......؟ ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ "دونوں بھائیوں کے فکر وعمل میں اس درجہ وحدت واشتراک رہا ہے کہ "حمیدیت اور سعیدیت" کو سوائے اغیار بات بن ہی نہیں سکتی......"۔

کیا پاکستان کے روز بروز بگڑتے ہوئے حالات سے ان کا دل کڑھتا نہیں ہوگا جو اپنے محترم بھائی کو غموں کے پہاڑ تلے دبتا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے صرف اس جیاد پر

۹ر جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان ہجرت کر گئے تھے کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ یہاں رہ کر فن طب اور تعلیم کیلئے فضا زیادہ سازگار ہو سکتی تھی۔ بقول ان کے "تقسیم ہند پر پنڈت نہرو کو میرے دہلی چھوڑ دینے کا افسوس تھا۔ انہوں نے اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ہمارے گھر آکر ہم کو ڈھارس بندھائی"۔

یہ صورت حال پاکستان میں اس وقت پیش آتی ہے جب اسلام آباد میں ہندوستان اور پاکستان کے خارجہ سکریٹریوں کی سطح پر مذاکرات چل رہے تھے۔ اس امید پر کہ دونوں ملکوں کے مابین کشیدگی میں کسی حد تک کمی واقع ہو گی۔ ذاتی طور پر میں کچھ زیادہ ہی پر امید تھا کیوں کہ ہندوستان کے یہ وہ وزیر اعظم ہیں کہ جب خود وزیر خارجہ تھے تو پاکستان سے تعلقات استوار کرنے میں سب سے آگے تھے۔ ادھر پاکستان کے وزیر اعظم جناب میاں محمد نواز شریف قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت رکھتے ہیں اور پھر جنرل جہانگیر کرامت کی جگہ اپنا پسندیدہ آدمی جنرل پرویز مشرف کو مقرر کر دیا۔ خود نواز شریف صاحب جنرل محمد ضیاء الحق شہید کی باقیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان کی سیاسی پرورش جنرل ضیاء نے کی تھی۔ مگر سب جانتے ہیں کہ مذاکرات بغیر کسی مثبت اور ٹھوس نتیجے کے ناکام ہو گئے۔ رسمی طور پر دونوں وزراء اعظم نے دس منٹ تک ہاٹ لائن پر گفتگو بھی کر لی۔

نواز شریف صاحب نے شدید مخالفتوں کے باوجود قومی اسمبلی میں شرعی بل پیش کر دیا۔ پاکستان کے صدر رفیق تارڑ بھی ان کی مرضی سے منتخب ہوئے۔ پاکستان میں صدر کے اختیارات کو ختم کرانے میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اور پھر حال میں ہندوستان کی دیکھا دیکھی نیوکلیر دھماکہ کر دیا جس کے نتیجے میں امریکہ نے اقتصادی پابندی عائد کر دی۔ پھر کیا تھا شریف صاحب پورے عالم اسلام میں ایک ہیرو بن کر ابھرے لیکن سوال اٹھتا ہے کہ بقول ان کے "ان تمام کامیابیوں کا" سہرا نواز شریف صاحب کے سر باندھا جائے گا۔ کیا اس کے حقدار صرف وہی ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے قوم کی فلاح و بہبود اور ان کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کیلئے دن و رات ایک کر دیا۔ اپنی صلاحیت، دولت سب کچھ نام و نمود اور سیاسی فتنہ پروری سے بے پرواہ کر قوم پر نچھاور کر دیا۔ کیا اس کا صلہ یہی ہے کہ ان کو بر سر عام گولی مار دی جائے اور پھر حکومت کی طرف سے عقیدت کے چند پھول ان کی قبروں پر ڈال دیئے جائیں۔

پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے رابطہ عالم اسلامی کی پہلی ایشیائی کانفرنس (کراچی) کے موقع پر فرمایا تھا کہ "پاکستان عالم اسلامی کا وہ واحد ملک ہے جو اسلام کو اپنانے کی انتھک محنت و سعی کر رہا ہے۔" بس یہی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر وہ محنت و سعی کر رہا ہے تو سندھ اور بلوچستان کی سرحدوں پر خلفشار کیوں ہے۔؟ مسئلہ کشمیر ہو یا ہندوپاک کے درمیان کرکٹ کا کھیل ہو۔ کفر و اسلام کی جنگ کا ہوا اس پر کیوں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ جب کراچی میں دہشت گردوں اور تخریب کاروں پر آج تک کنٹرول نہیں کیا جا سکا۔ بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے سیکڑوں مسلمانوں کی آنکھیں اپنے ملک پاکستان کے دیدار میں پتھرا گئیں۔ ان کو اپنے دل میں جگہ نہ دے سکے۔ تو کشمیریوں کے ساتھ کون سا عدل جہانگیری پاکستان حکمرانوں کے سینوں میں پھوٹ پڑ رہا ہے......؟

یہودیت ایک بار پھر سے ساری دنیا میں اپنے ظلم و ستم کے گھناؤنے پنجے گاڑ رہی ہے۔ اس سلسلے میں حکیم محمد سعید صاحب اس کے نت نئے ہتھکنڈوں سے اسلامی ممالک سے ہوشیار کرتے رہے۔ خاص طور پر پاکستانی حکمرانوں کو انجام بد سے خبردار کرتے رہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "پاکستان نے غربت کو ناپسند کیا اور امیر بننا پسند کیا۔ اس امیری کیلئے کاسہ گدائی ہاتھ میں لے لیا۔ در در بھیک مانگی۔ جب بھیک ملنا بند ہو گئی تو پھر اپنی عزت فروخت کر دی۔ اپنا حسن گروی رکھ دیا۔ اپنی مقدس زمین کو بیچ دیا۔ مگر کیا پاکستان امیر بن گیا۔ پاکستان کی کوئی عزت نہیں ہے"۔

ظاہر ہے کہ امریکہ عملی اقدام تو دور اس طرح کے بیانات بھی ہضم نہیں کر پاتا۔ وہ تو ایسا مداری ہے جس کے ہاتھ میں ہمیشہ ڈگڈگی رہتی ہے کہ کب کس ملک اور شہر کی شامت آجائے۔ اور جب تک وہ ڈسکو کر کے بے دم نہیں ہو جاتا۔ انسانیت اور حاکمیت کی روح نکل نہیں جاتی۔ دانتوں تلے دبائے رکھتا ہے۔

نیوکلیر پاور بننے کے باوجود تعلیمی اعتبار سے آج پاکستان بہت پیچھے ہے۔ آج صرف دو فیصد نوجوان یونیورسٹی کی سطح پر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پاکستان میں اعلیٰ تعلیم پر مجموعی قومی پیداوار کا آدھا فیصد خرچ کیا جاتا ہے۔ جب کہ پہلے پنج سالہ منصوبے سے نویں پنج سالہ منصوبے تک تعلیم پر خرچ کی جانے والی رقم میں ۳۲ فیصد کمی ہوئی ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں تقریباً دو فیصد رقم خرچ کی جا رہی ہے۔ ہندوستان میں نویں پنج سالہ منصوبے (۱۹۹۵۔۲۰۰۰) میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے دو کھرب اور پاکستان نے سات ارب روپئے مختص کئے ہیں۔ اس کے باوجود پاکستان میں ۱۹۴۷ سے ۱۹۸۶ تک ۴۰ سال کے دوران صرف ۲۳۸ افراد نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ جب کہ ہندوستان میں ہر سال تین ہزار افراد پی ایچ ڈی کرتے ہیں۔

پاکستان حکمرانوں کو ہمیشہ صحیح رخ دکھانے کیلئے اور عوام الناس میں آپسی میل ملاپ، اخوت و مساوات کی جوت جگانے کیلئے حکیم محمد سعید صاحب جیسے اپنے وقت کے صلاح الدین ایوبی ہر زمانہ میں موجود رہے۔

مگر ہائے رے انقلابات زمانہ! جب جب ایسے ممتاز لوگ سامنے آئے زمانے نے ان کو جینے نہیں دیا۔ جو خوشبوئیں وہ لٹانا چاہتے تھے پاؤں تلے روند دی گئیں۔ ایسا لگا کہ ہوا کا ایک تازہ جھونکا آیا اور گزر گیا۔ ایک بہار دیکھنے کو ملی تھی کہ خزاں نے وہ حق بھی چھین لیا۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

ہم ہندوستان کے مسلمان بصد احترام اپنے پاکستانی بھائیوں سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ خدا کے لئے اپنی ان تمام حرکتوں سے باز آجایئے جو اسلام کے عین منافی ہیں۔ آپ نے ضیاء صاحب کی قدر نہیں کی۔ "انٹر نیشنل ویکلی تکبیر"

کے مدیر اعلیٰ محمد صلاح الدین بھی شہید کر دیے گئے اور آج خواب غفلت سے آپ کو بیدار کرنے والے حکیم محمد سعید صاحب بھی یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ :

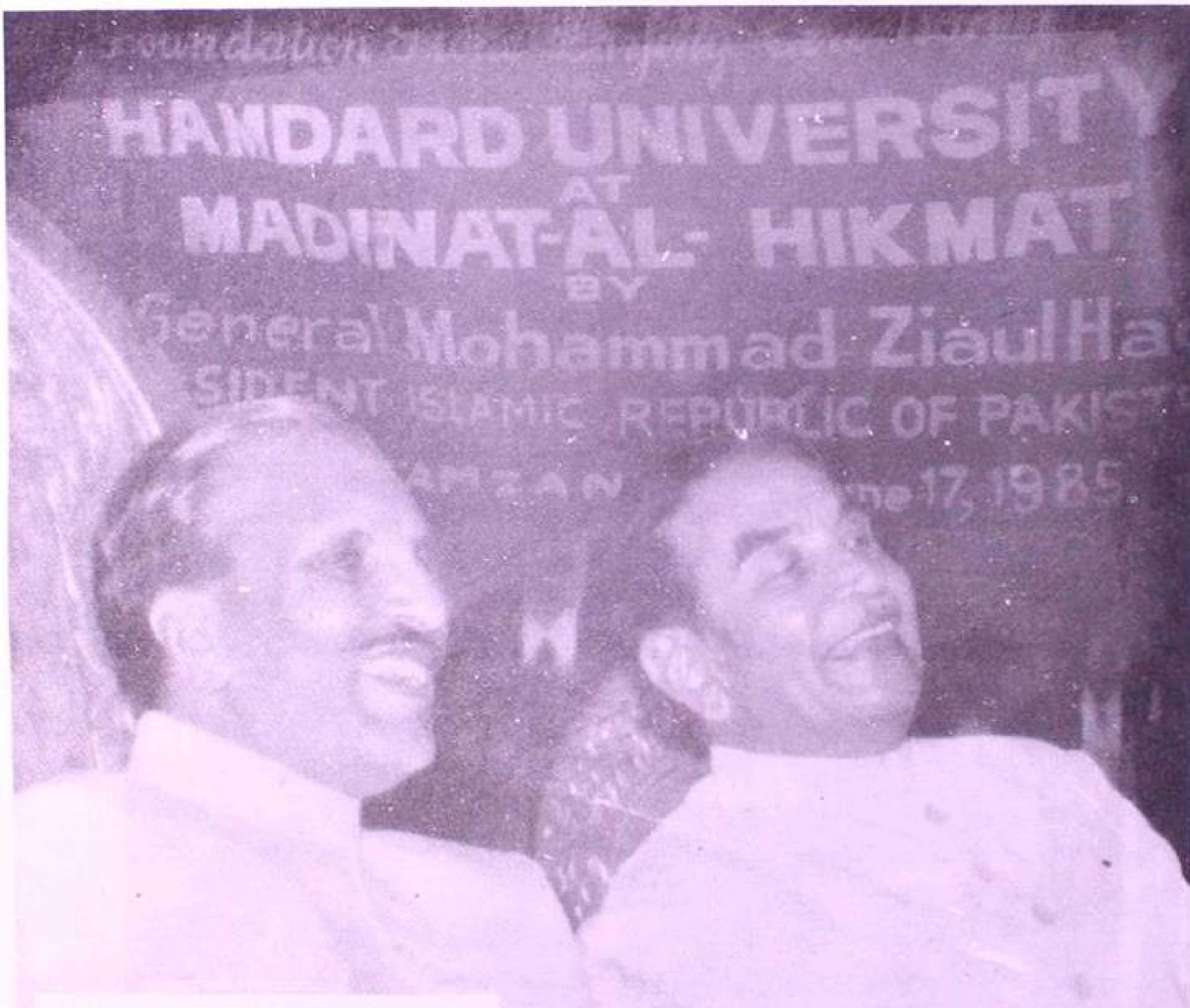
اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے تیری رگوں میں رواں خوں لب تک ہمارا

اگر آپ خود کچھ نہیں کر سکتے تو خدارا ایسے لوگوں کو پیچھے نہ دھکیلئے۔ ان کی ہمتیں مت پست کیجئے جو اپنا سب کچھ پاکستان اور اسلام پر لگا چکے ہیں۔ وہ تو شہادت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو گئے مگر آپ کو کیا ملا......؟ ذلت 'رسوائی اور حقارت......!! جس کی بنا پر آج ہم کو یہاں اپنے ہم وطنوں سے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ ہم ان سے آنکھ نہیں ملا سکتے کہ مسلمان مسلمان کی جان کا پیاسا ہو جائے اور وہ بھی اسلامی ملک میں۔

اگر اب بھی آپ نے ہوش کے ناخن نہیں لئے اور اب بھی نہ جاگے تو یہ سمجھ لیں کہ خدا کے یہاں بے انصافی نہیں ہے۔ اس کے یہاں دیر ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں۔

ادارہ ندائے ملت اس عالمی سانحے پر پاکستان سمیت دنیا کے تمام غمزدہ لوگوں سے خاص طور پر پاکستان میں ان کے اہل خانہ اور ہندوستان میں ان کے برادر بزرگ جناب حکیم عبدالحمید صاحب سے اور ان کے اہل خانہ سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اور ایصال ثواب کی گزارش کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا



سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ

شہید حکیم محمد سعید : ان گنت فیوض جاریہ

جمیل الدین عالی

شہید حکیم سعید صاحب کے بڑے بھائی محترم حکیم عبدالحمید صاحب کا ایک قول ہندوستانی ٹی وی پر بھی سنایا گیا اور ہمارے پریس میں بھی آیا یہ کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو سیاست میں حصہ لینے سے منع کیا تھا۔

اگر یہ کوئی پرانا حوالہ ہے مثلاً جب انہوں نے (اور میں نے بھی) پی پی پی کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیا (۱۹۷۷ء) اور ہار گئے تو دوسری بات ہے۔ اگر یہ کسی تازہ دور سے متعلق ہے۔ تو اب وہ سیاست میں کوئی راست حصہ نہیں لے رہے تھے بے شمار کارہائے خیر' تصنیف و تالیف علمی و ثقافتی تقریبات میں شرکت' بیرونی دورے (علمی) اور عظیم مدینۃ الحکمت کی مسلسل تعمیر توسیع ہاں کبھی تقریبات میں تقریریا کبھی تحریر میں کچھ برائیوں کے خاتمے پر نسبتاً زور دینے لگے تھے یہ باتیں سیاست میں شامل نہیں یعنی یہ سکے بند سیاست نہیں ورنہ تمام زندگی سیاست ہے...... کراچی سے گاہے گاہے لیکن مسلسل غیر حاضری کی بناء پر ہر روز تو کراچی میں ان کی تقریر و تحریر سے مطلع نہیں رہ سکتا تھا مگر جب سنا اور پڑھا نہیں کسی مخصوص سیاسی پارٹی یا فرد یا افراد کے خلاف لکھتا ہو تا نہ پایا۔

وہ ڈرگ مافیا کے خلاف بولتے تھے وہ ظالم جاگیر داروں کے خلاف بولتے تھے وہ ان لوگوں کے خلاف بولتے تھے جو پاکستان کے نقد اثاثے بیرون ملک لے گئے ہیں۔ مگر کبھی کسی گروہ کسی پارٹی کا نام نہیں لیا' اور ان تمام طبقات کے خلاف تو عمومی' خواہ نرم خواہ شدید خواہ رسمی تقریر تو پارلیمان' مساجد' سیاسی اور سماجی جلسوں' اور سماجی جلسوں' اداریوں اور اظہاریوں میں روز آتی ہے۔ یہ "آواز اخلاق" جو ہر وقت ہر طرف سے بلند ہوتی ہی رہتی ہے اور جسے حکیم صاحب نے ایک تواتر' تسلسل اور تقدس کے ساتھ ایک خاص رنگ دیدیا تھا اس کا عنوان سیاسی نہیں ہے' علم پھیلانا' اخلاقیات کی طرف لے جانا' حکومت اور خواص و عوام سے سدھار کا مطالبہ کرنا سیاست نہیں عمرانیات کے ذیل میں آتا ہے۔ نہیں میری رائے میں شہید حکیم سعید کا یہ دور سیاسی دور نہیں تھا' لیکن شاید بڑے حکیم صاحب ہمارے حالات کی اصل مجھ سے زیادہ بہتر انداز سے جانتے تھے۔ اور کیا اگر کوئی سیاست میں ہو تو واجب القتل ہو جاتا ہے؟

"کلائی میکس"

فاتحہ سوم کے بعد مخدومی جناب سعید جعفری اپنی کرسی پر نڈھال اور مغموم بیٹھے باہر آ رہے تھے۔ مددگار آہستہ آہستہ کرسی دھکیلتا جاتا تھا۔ میں سامنے آیا اور جب معمولاً ان کے گھٹنے چھو کر سلام کیا (جب سے وہ فالج زدہ ہو کر بھی ماشاء اللہ مردانہ وار سماجی تقریبات میں پابندی وقت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ میں ان کے گھٹنے چھوتا ہوں ورنہ' پہلے صرف پورے ادب کے ساتھ سلام کیا کرتا تھا...... میری طرف نظریں اٹھا کر بڑے نرم اور غمگین لہجے میں پوچھا "میاں کیا تھا یہ......" "میں شہادت کے روز اسلام آباد سے بھاگم بھاگ آیا تھا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہو چکا تھا۔ میرے اندر ہی اندر بہت کچھ پگھل رہا تھا۔ بہت کچھ ابل رہا تھا کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ایک دم جواب دیا "کلائی میکس سر" "شاید یہی کلائی میکس ہے۔ انہوں نے زیر لب دہرایا "کلائی میکس" "کلائم میکس" نہ میری تائید کی نہ تردید۔ میں چپ چاپ کھڑا رہا اور ان کے مددگار صاحب آہستگی سے کرسی دھکیلتے ہوئے گاڑی کی طرف لے گئے......

کیا میں محض جذبات میں بہہ گیا تھا؟ میں کسی اسٹیج پر کھڑا اہنکار رہا تھا؟ پھر میں کیا کہہ گیا ہوں؟ وہی جو کہا ہاں سوالیہ نشان کے ساتھ "کلائی میکس سر' شاید" کسی دانستہ یا رواجی احتیاط کی وجہ سے نہیں لگایا گیا میرے اندر کار جائی مستقبلیاتی طالب علم بروقت جاگتا رہا ہے۔ یہ "شاید" اس "شاید ہجوم" کا نمائندہ تھا جو بدترین حالات میں بھی پاکستان کے مستقبل سے میری امیدیں برابر جمع کرتی رہتی ہیں۔ "ہجوم امید" "نا امیدی" تو غالب کے ہاں مل جاتی ہے۔

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی لیکن یہ "ہجوم امید" مجھے یاد نہیں آ رہا کسی نہ کسی نے اسے ضرور استعمال کیا ہو گا۔ تو یہ "شاید" اس ہجوم کا نمائندہ تھا...... مگر کیا محض ایک شہری وہ بھی کراچوی شہری کے قتل' شہادت' ضیاع' کو پورے ملک کیلئے پیمانے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ شاید ہاں' شاید نہیں۔ میرے تصوراتی پیمانے سے تو صرف ایک ناواجب قتل بھی سارے ملک ساری انسانیت پر قاتلانہ حملے بلکہ ان کے قتل کے مترادف ہے لیکن آج تصوراتی پیمانے مضحکہ خیز عمومیات پہلے بھی کمتر قرار دے دیئے گئے ہیں اس لئے میں ادھر نہیں جاتا "حقائق زمین" کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

کراچی پاکستان کا معیشتی دل و دماغ ہے۔ شہید حکیم محمد سعید آج اس شہر اس ملک کے مولانا ایدھی جیسے یا اگر علم و دانش کی اضافی صفات شامل کر لی جائیں تو...... تو صرف اپنے ہی جیسے...... ایک تشخص' ایک عرفیت' ایک نشان تھے۔ شرافت' خدمت' عظمت کی علامت' مستقبل کی ضمانت...... "ہجوم امید" جب ایسا تشخص' عرفیت' علامت' ضمانت ایسی لاقانونیت کا شکار ہو اور ایک دم دھڑ سے گر جائے تو خواہ لمحہ بھر کے لئے "شان حال" اور "جان استقلال" پر سخت اندھیرا چھا گیا ہے...... خدا کرے جلد دور ہو جائے مگر یہ احساس تو طبعی ہے نا کہ جب ایسا ہو سکتا ہے تو...... پھر کہیں بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لازماً باہر سے نہیں' اندر سے بھی۔ جیسے کوئی جسم باہر سے لگنے والی ہزاروں ضربات سہہ لے

مگر کوئی اندرونی مرض اتنا مہلک ہو جائے کہ انسان کو تاشے کی طرح تھادے ......

شہید حکیم سعید کے مناقب مسلسل شائع ہو رہے ہیں میں ان میں کیا اضافہ کر سکتا ہوں۔ جی کو قرار نہیں ہے اگر اور جب کسی قدر ارتکاز کی صورت ہوئی تو کچھ اپنی زبان میں کہنے کی کوشش کروں گا۔ ٹی وی اور ریڈیو پر بہتوں کی طرح میں نے بھی اضطراری طور پر چند فقرے بول دیئے وہ براڈ کاسٹ اور ٹیلی کاسٹ ہو گئے اب انہیں دہرانا اچھا نہیں لگتا...... بیشتر "عمائد" نے بھی خواہ رسمی طور پر خواہ سچے دل سے ان کیلئے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ بڑے عمدہ اداریئے اور اظہاریئے ...... اور خطوط ...... چھپ چکے ہیں ...... آفرین ...... ان کے دفن کے وقت ہزاروں افراد فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ ایصال ثواب کر رہے تھے۔ تو مقدس انجیل کا ایک فقرہ بھی یکایک میری بجھتی ہوئی یادداشت سے ابھرا (کسی ادبی حوالے میں پڑھا ہے) ترجمہ: "مردے اپنے مردے دفن کر دیں"۔

مجھے اعتراف ہے کہ نہ اس وقت نہ بوقت تحریر (کراچی جمعہ بتاریخ 23/ اکتوبر بوقت شام) مجھے اس فقرے کے سیاق و سباق سے آگاہی نہیں ہو سکی۔ مجھے مروج مقدس اناجیل ادب عالیہ کے طور پر پڑھائی گئی تھیں مگر یہ اور گفتگو ہے۔

میں اپنا یہ احساس بتا رہا تھا کہ مجھے یہ لگا میں خود ایک مردہ ہوں جو دوسرے مردے کو دفن کر رہا ہے۔ برابر میں ڈاکٹر احسان رشید، پروفیسر سحر انصاری، ڈاکٹر منظور احمد، ڈاکٹر جعفری (پاکستان اسٹیڈیز) اور آس پاس کئی محترمین بیٹھے تھے۔ سامنے شہر سے گیا ہوا سیکڑوں نہیں ہزاروں افراد پر مشتمل اور مدرسہ الحکمت سے ملحق مقامی بستیوں سے آئے ہوئے سیکڑوں سندھی بلوچ سوگواروں کا مجمع بہ آواز بلند کلمہ پڑھتے ہوئے انہیں دفن کر رہا تھا۔ دھول اڑ رہی تھی (یہاں جلد ایک یادگار مقبرہ بن جائے گا) ہم اس نوجوان جوشیلے مجمع کے اندر نہیں گھس سکتے تھے ...... اللہ تعالیٰ ان تمام دوسرے شرکا کو محفوظ و مامون رکھے اور مجھے بھی لیکن دوسرے اپنی جانیں مجھے تو اپنا وجود ہی نہیں لگتا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھی تھے مگر زندہ نہیں تھا...... شاید اس لئے بھی کہ آج کل میرا دل بھی کچھ بے جواز، نئے حاسدوں کی طرف سے دکھا ہوا ہے شاید اس لئے بھی کہ شہید حکیم محمد سعید کی شخصیت میں میری دانست میں، شہر دلی کی ایک آخری، روایت اٹھ گئی جو پاکستانی اقدار کی امین بھی تھیں...... بے غرضانہ خدمت، علم و جستجو کو پھیلانا...... شائستگی، شریف پروری۔ بقول غالب۔

ہائے دلی وائے دلی، مگر میں

اب بھی خوانخواستہ ہائے پاکستان وائے پاکستان نہیں کہوں گا...... بس یہ کہوں گا کہ "اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت کرے......"

"والٹیئر"

والٹیئر کہتا تھا کہ (ترجمہ) "ہم پر زندوں کی توقیر فرض ہے مگر مردوں کے معاملے میں صرف صداقت......"

سچ کہ ابھی عہد حکیم محمد سعید کو اس سانحاتی طور سے گزرے ہفتہ عشرہ ہی ہوا ہے غم، شدید غم، شدید غصہ، حیرت، شدید حیرت سب تازہ ہے۔ ایسے عالم میں کسی ایسی ہمہ جہت شخصیت کا معروضی تجزیہ وہ بھی اخباری اظہاریاتی سطح پر ممکن نہیں، لیکن جتنی صداقت ان کیلئے آج بھی یقینی بدیہی اور مسلم ہے اس کا اظہار تو آج بھی کیا جا سکتا ہے یہ دیکھ کر میرا "ہجوم امید" کچھ استقرار پاتا ہے کہ صوبہ صوبہ، شہر شہر، سرکاری اور نجی سطح پر شہید حکیم سعید کے لئے تعزیتی جلسے منعقد ہو رہے ہیں اور قراردادیں منظور ہو رہی ہیں ...... اور یہ سب ایک بے اختیارانہ اظہار عقیدت اور خراج تحسین ہے آج وہ اپنے قصیدے سن کر مجھے یا کسی کو انعام و اکرام دینے کے لئے موجود نہیں ...... میں ان کی شان میں کامل صداقت کے ساتھ چند باتیں اوپر کہہ آیا ہوں بہت سی باتیں، اگر جیا اور اللہ نے چاہا، آئندہ کہنے کی کوشش کروں گا، ان سے خاصا جونیئر ہوں مگر دلی سے جانتا تھا ...... شورائیہ روس کے جشن حضرت امیر خسرو میں ہم سفر رہا ...... 1975ء کی بہت سی مجالس و تقاریب میں ملاقاتیں رہیں اتفاق کہ ان کے دفتر یا گھر بھی جانے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا اس رویے کو وہ میری حد سے بڑھی ہوئی خودداری کہتے تھے۔ (ظاہر ہے کہ نئے حاضرین کرام نہیں مانیں گے) کبھی کبھی ان سے ہنسی مذاق بھی کر لیتا تھا وہ برداشت بھی کرتے گاہے گاہے جواب بھی دیتے اور بہر حال میرا لاڈ کرتے۔ میں اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا از کپن کا ایک ملاقاتی ضرور ہوں جو آہستہ آہستہ ان کا بڑا ہی مخلص اور بے غرض مداح ہو گیا تھا۔ الحمد للہ کبھی ان کا کوئی احسان نہیں لیا۔ صرف ایک بار ایک ادیب دوست کی ملازمت میں توسیع کے لئے کہا تھا انہوں نے لاج رکھ لی۔ بڑے آدمیوں کے چھوٹے واقعات ان کی زندگی کا نجی رخ بھی دکھاتے ہیں اس لئے بیان کر دیئے جاتے ہیں ورنہ دراصل شہید حکیم سعید کے گوناگوں ادارے، فعال اور زیر تکمیل منصوبے، ان کے منعقد کرائے ہوئے بین الاقوامی مذاکرے (اور ان کی ضخیم روداریں) ان کے صحت یاب ان گنت مریض جو کراچی، لاہور، پنڈی، پشاور میں ان کے باقاعدہ مطب سے خود ان سے اور ان کے مقرر کردہ اطبائے کرام سے مسلسل فیض یاب ہوتے رہے ...... اور ان کی اپنی کتابیں ...... اور ان کے جاری کردہ جرائد ...... اتنے فیوض جاریہ ہیں کہ تفصیلات اور اثرات کا شمار کتاب در کتاب مانگتا ہے ...... انہی میں یہ بھی آجائے گا کہ مدتوں انکم ٹیکس محکمہ نے ان کے ٹرسٹ کو خیراتی نہیں مانا اور کاروبار برائے ذاتی منافع قرار دے کر ٹیکس لگایا گیا۔ بہر حال اب وقت ہے کہ ان کی صاحب زادی اور شریک صدر ادارجات عزیزہ سعدیہ صاحبہ اشاعتی ادارے میں سے چند افراد پر مشتمل ایک ٹیم بنائیں جو مرحوم و مغفور کی حیات ہی نہیں ان کے قائم کردہ اداروں کی تشکیل، مشکلات دائرہ ہائے کار اور ان کے اثرات سابقہ و جاریہ پر ریسرچ کے بعد چند جلدیں مرتب کر دیں۔ یہ کتابیں اگلی نسلوں کے لئے تشویق و ترغیب کا باعث بھی ہوں گی اور بہر صورت پاکستان کی ایک ناقابل یقین حد تک فعال شخصیت کے کارنامے ریکارڈ پر بھی آجائیں گے۔

شکریہ اے محترم شکریہ

شہید حکیم سعید کے اہم شریک کار پروفیسر برکاتی نے ان کی ایک تحریر بھیجی ہے ساتھ میں ٹائپ شدہ نقل (مرحوم کا خط خاصا مشکل تھا) ایک اشاعتی ادارے نے مجھ ناچیز پر ان کی رائے مانگی تھی انہوں نے جو لکھا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود میرے لئے ایک یادگار سرٹیفیکٹ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

پروفیسر برکاتی کے اندازے میں 'دفتری احکام و خطوط کو چھوڑ کر یہ ان کی آخری تحریر ہے ...... مگر آج میں اسے اشاعت کو نہیں دے رہا ...... (میں نے فیض صاحب مرحوم کا ایک خط بھی جو انہوں نے انیس سو چوراسی میں لکھا تھا چند ہفتے قبل ہی اپنے اشاعتی ادارے کو دیا ہے) تاہم تحریر اس عنایت کیلئے شہید حکیم سعید کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں ......

شکریہ اے محترم شکریہ!

حکیم محمد سعید

ماہنامہ "معارف" اعظم گڈھ

حافظ حکیم محمد سعید کے وحشیانہ اور بے رحمانہ قتل پر کون ہے جو تڑپا اور بے قرار نہ ہوا ہوگا، وہ بین الاقوامی شخص مملکتِ خداداد کے ہمدرد و مسیحا، پاکستان کے معمار، اس کا مقدر چمکانے اور بنانے کیلئے فکر مند، ہمدرد فاؤنڈیشن کے سربراہ اور مدینۃ الحکمت کے بانی، عالم، مصنف، مدبر، عالی دماغ، سچے اور پکے مسلمان، قوم و ملت کے بے لوث خادم، مخالف ہوا میں طب کا چراغ روشن کرنے، علم کو فروغ دینے، حکمت و محبت کا خزانہ لٹانے والے، غریبوں اور مصیبت زدوں کے درد و غم میں شریک، پہلو میں درد مند دل رکھنے، پاکستان کے تشویش انگیز حالات سے بے چین اور پریشان رہنے والے کو چند دقیقوں میں جن لوگوں نے موت کے گھاٹ اتارا وہ بڑے خوں خوار، درندہ صفت اور انسانوں کے بھیس میں وحوش سے بھی بدتر لوگ تھے۔ آخر اس فرشتہ صفت، پاک دل، پاکباز، رحم و مروت کے پیکر، مجسم شرافت اور اخلاقی خوبیوں سے منور انسان کا قصور کیا تھا؟ ذوق مرحوم کے شاگرد محمد مظفر خاں گرم رامپوری کا وہ قطعہ تاریخ وفات یاد آ گیا جو نواب شمس الدین خان مرحوم کو پھانسی دیے جانے پر کہا گیا تھا۔

یہ دست درازی ستم کس سے بیاں ہو
بے جرم وگنہ مسند نواب کو الٹا
تاریخ معمے میں نئی طرز سے لکھ، گرم!
کیا چرخ نے "نوابی سہراب" کو الٹا

جو مملکت اس اسلام کے نام پر وجود میں آئی تھی جو سراپا امن و سلامتی ہے اور جس کے آئین میں خون خرابہ اور قتل و دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں اور جس کے ماننے والے (مسلم) ساری دنیا کیلئے سراپا رحمت ہوئے ہیں، آج وہی مملکت جہنم کا نمونہ بنی ہوئی ہے، کراچی مقتل میں تبدیل ہو گیا ہے، پاکستان کے گلی کوچوں میں خون مسلم کی ارزانی ہے، وہاں کے در و دیوار سے تشدد و دہشت گردی پھوٹی پڑ رہی ہے، امن چین عنقا ہو گیا ہے، پرامن شہریوں کی جان پر بن آئی ہے، خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ دن میں بھی لوگ اپنے گھروں سے نہیں نکلتے۔

این چہ شوریست کہ در عہد قمری بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شری بینم

شروع ہی سے پاکستان میں انتشار، جارحیت اور سفاکی کی جو باد سموم چل رہی ہے اب اتنی تیز و تند ہو گئی ہے کہ حکیم محمد سعید جیسے شریف النفس اور بے ضرر انسان کو بھی خاک کے مانند اڑا لے گئی، لیاقت علی خاں سے لے کر جنرل ضیاء الحق تک کتنے بے گناہ لوگ اسی کی نذر ہو چکے۔ اپنے محسنوں اور بے گناہ شہریوں کو تہ تیغ کر دینا اگر کسی قوم کا معمول بن جائے تو وہ کس طرح اپنی آزادی کو باقی رکھ سکے گی اور خود کب تک محفوظ رہے گی۔

شنبہ 17/ اکتوبر کو حکیم محمد سعید فجر کی نماز کے بعد حسب معمول آرام باغ کراچی کے اپنے مطب میں تشریف لے گئے تو اندھا دھند ان پر فائرنگ ہونے لگی اور وہ اپنے دو ساتھیوں سمیت شہید کر دیئے گئے، وہ روزے سے تھے، ہر شنبہ و یکشنبہ کو روزہ رکھنا ان کا معمول تھا، یہ خبر سنتے ہی سکتہ میں آ گیا اور حکیم صاحب کا سراپا نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید مدظلہ جو لقمانِ وقت اور کوہ ضبط و تحمل ہیں اور دوسرے عزیزوں کی تعزیت کس طرح کی جائے۔ حافظ حکیم محمد سعید کا آبائی وطن دہلی مرحوم تھا، یہیں 9/ جنوری 1920ء کو پیدا ہوئے وہ اپنے پانچ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے اور ابھی طفل خورد سال ہی تھے کہ 22/ جون 1922ء کو ان کے والد بزرگوار حافظ حکیم عبدالمجید صاحب سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، ان کی پرورش و پرداخت ان کی والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے بڑی توجہ اور دلسوزی سے کی جو ان سے عمر میں 13/ سال بڑے تھے، حکیم محمد سعید اس کا اعتراف بڑی احسان مندی اور فخر سے کرتے تھے، اپنی والدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم سب کی ذمہ داری ابتداً ہماری آپا (والدہ مرحومہ) پر رہی اور انھیں کی تربیت نے ہمیں وہ بنا دیا جو آج ہم ہیں، یہ خاتونِ محترم رابعہ ہندی تھیں...... ابا جان سے انھوں نے تربیت اولاد کا گر سیکھا تھا اور اس کا انتہائی صحیح استعمال کیا، انھوں نے کبھی اخلاق کی کسی کوتاہی کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا، اس بات میں وہ بڑی سخت گیر تھیں...... توازن ان کا ہنر تھا، وہ اس توازن اور عدل کی وجہ سے پورے خاندان پر حکمراں تھیں، اگر ان میں یہ عظمتیں اور صلاحیتیں نہ ہوتیں تو ابا جان کے انتقال کے بعد ہمدرد باقی کہاں رہ سکتا تھا، ابا

جان کی زندگی میں ہمدرد کے لئے آپا مرحومہ نے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے...... دیانت داری کی بات یہ ہے کہ میں نے اپنی آپا کی کوئی دوسری مثال آج تک نہیں دیکھی ہے۔"

اپنے "بھائی جان" کے تاعمر ممنون اور نیاز مند رہے، اپنے کو ان کی تربیت کا ثمرہ سمجھتے تھے ان کے سامنے بہت مودب رہتے، جب وہ دارالمصنفین تشریف لائے اور حکیم عبدالحمید صاحب قبلہ کے کمرہ میں ان کی چارپائی بھی بچھائی گئی، تو انہوں نے فرمایا کہ میں بھائی صاحب کے ساتھ کیسے رہوں گا، ایک جگہ لکھتے ہیں'

"عظمت ہمدرد کیلئے حکیم عبدالحمید نے ایک بڑا کام یہ بھی کیا ہے کہ مجھے انسان و ہمدرد بنادیا، انہوں نے سرمایہ اسے قرار دیا کہ ہمدرد کیلئے ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو ہمدرد کو ہر حال میں سربلند اور سرفراز کر سکیں اور اس کو بقائے دوام دے سکیں، میں ان کا چھوٹا بھائی ضرور ہوں لیکن انہوں نے مجھے انسان سمجھا اور انسان کی تمام خوبیاں مجھ میں پیدا کرنے کیلئے خود بڑی سے بڑی قربانی دے دی۔ اس اعتبار سے میرا رواں رواں ان کے زیرِ احسان ہے۔"

وہ ساڑھے چھ برس کی عمر میں قرآن کریم ختم کر چکے تھے اور نو سال کی عمر میں اس کے حافظ بھی ہو گئے تھے۔ اردو مادری زبان تھی، تیرہ برس کی عمر میں عربی فارسی سیکھ چکے تھے، سن نے اور تجاوز کیا تو انگریزی کی شدبد بھی ہو گئی تھی

حکیم صاحب نے چودہ برس کی عمر تک پوری دلچسپی اور انہماک سے علم کی تحصیل کی اور کبھی پڑھنے لکھنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مگر کھیل کود میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مرغ بازی، کبوتر بازی، گھوڑ سواری، موٹر سائیکل دوڑ، گلی ڈنڈے شطرنج، فٹ بال، کشتی رانی، پہاڑوں پر چڑھنے، اکھاڑوں اور دنگلوں میں کشتی لڑنے کا بڑا شوق ہو گیا تھا، مگر حکیم عبدالحمید صاحب نے اس موڑ پر ان سے سوال کیا کہ "اب کھیلنا ہے یا مزید کچھ پڑھ لکھ کر ہمدرد کیلئے کام کرنا ہے" اس سے چوکنا ہو کر انہوں نے تمام کھیل کود فی الفور بند کر دیئے، ان کا رجحانِ طبع صحافت کی جانب تھا تاکہ اس میدان کی بے راہ روی دور کر کے کچھ نئے نقش قدم قائم کریں مگر ان کے بھائی جان کا فیصلہ تھا کہ "خاندان میں ہمدرد کا مقام اور مشن خدمت خلق بذریعہ طب ہے، لہذا تعلیم طب لازم ہے" اس کے سامنے سر تسلیم خم کر کے انہوں نے 1936ء میں طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لیا اور 1939ء میں اس سے فارغ ہوئے۔

تحصیلِ طب کے زمانے ہی سے وہ اپنے بھائی جان کی رہنمائی میں ہمدرد کے کاموں کی تربیت حاصل کرتے رہے۔ ابتدائی مرحلے میں دواخانے میں عطاروں کی مددگاری پھر عطاری، نسخہ بندی اور دوا شناسی کی تربیت حاصل کی، دوا سازی کی تربیت کیلئے بھٹیوں میں لکڑیاں اور کوئلے جھونکے، ہمدرد کی ڈاک، پارسل، پیکٹ تیار کرنے کی تربیت ان کاموں کو انجام دینے والوں سے لی۔ طبیہ کالج سے فراغت کے بعد وہ صبح سے شام تک ہمدرد کے مختلف دفاتر اور شعبوں میں کام کرتے اور شام کو اسی دواخانے میں بیٹھ کر مطب کرتے تھے، جہاں عطاری کی تربیت حاصل کی تھی۔

ان مراحل سے گزرنے کے بعد ان کے بھائی جان نے بتدریج انھیں اختیارات منتقل کرنا شروع کیا اور 1941ء میں انھیں سیاہ و سفید کا مالک بنادیا، اب وہ رات دن کام کرتے تھے، چھ مہینے تک ہمدرد کی عمارت کے باہر نہیں نکلے، اس طرح بقول ان کے "میری پوزیشن یہ تھی کہ ادارۂ ہمدرد کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جہاں میں انتہائی مہارت سے کام نہیں کر سکتا ہوں۔ دواؤں کی پیکنگ میں جب بیٹھتا تو بڑے سے بڑے ماہر کاکن کو ہرا دیتا تھا، ہمدرد صحت ایک ایک چھپتا تھا، اردو ٹائپ کرنے بیٹھتا تو طوفان میل بن جاتا تھا...... ان کاموں میں اگر میں نے شکست کبھی کھائی ہے تو صرف بھائی جان قبلہ سے۔ وہ خود ہمدرد کا ہر کام اسی طرح کر سکتے ہیں اور کرتے رہے ہیں۔" 1941ء میں ان کا شعور پختہ اور ذہن بالغ ہو گیا تھا اور وہ صنعت و تجارت کے اصول سے جو دیانت و اخلاق میں مضمر ہے واقف ہو گئے تھے جس سے ان کے بھائی جان نے انھیں دور نہ ہونے دیا۔

1937ء ہی سے ہمدرد صحت کی ادارت بھی ان کو تفویض کی جا چکی تھی جس سے ان کے بھائی جان کو عشق تھا اور جو اس سے پہلے اس کے مدیر بھی رہے تھے، مگر حکیم محمد سعید نے 41ء میں اسے مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے کر چار چاند لگا دیا۔ 47ء میں عارضی طور سے وہ بند ہو گیا تھا مگر 48ء میں انہوں نے کراچی سے اسے جاری کیا۔

40ء سے 47ء تک حکیم محمد سعید اپنے بھائی جان کی سرکردگی میں ہمدرد کی عظمتوں میں اضافہ کرتے رہے، ان کا عزم یہ تھا کہ وہ فن طب کی آواز دنیا بھر میں پہونچادیں، ملک کی تقسیم کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی حکومت کا وہ دل سے احترام نہ کر سکیں گے، اس لئے دیانت و امانت کا تقاضا سمجھ کر وہ 9ر جنوری 48ء کو دلی کی گلیاں چھوڑ کر پاکستان چلے گئے، ان کے جانے کا سب سے زیادہ ملال ان کے بھائی جان کو تھا جنہیں دلاسا دیتے ہوئے حکیم محمد سعید کے شفیق استاد قاضی سجاد حسین صاحب نے فرمایا "حکیم صاحب آپ آزردہ نہ ہوں جب پاکستان میں مشکلات کے پہاڑ ٹوٹیں گے تو میاں سعید ضرور آجائیں گے"۔ شفیق استاد کے یہ جملے ان کیلئے چیلنج بن گئے، بڑی بے سروسامانی اور فلاکت کے باوجود وہ کراچی میں ہمدرد کا جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہو گئے، حکیم عبدالحمید نے 1935ء میں انھیں حفاظتِ طب اور ہمدرد کیلئے کام کرنے کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اسے کراچی پہونچ کر پوری ذمہ داری سے انجام دینے کا تہیہ کیا، ان کا خود بیان ہے کہ "پاکستان کا ہمدرد اس انداز سے شروع ہوا کہ میں 9ر جنوری 48ء سے جون 48ء تک کراچی کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا اور دو وقت کھانے کو نہ تھا، لیکن ان کی مسلسل تگ و دو، عزم و حوصلہ اور غیر معمولی قوتِ عمل نے ہندوستان کے ہمدرد کی طرح پاکستان کے ہمدرد کو بھی عالمی شہرت کا حامل اور طبی و اسلامی تحقیقات کا عظیم الشان ادارہ بنادیا۔

حکیم محمد سعید نے طب کے احیاء و ترقی اور دنیا بھر میں اس کی آواز پہونچانے

کیلئے دنیا بھر کے اتنے سفر کیئے کہ لوگ کہتے تھے کہ ان کے برابر ہوائی اور بحری وبری سفر تاریخ میں کسی طبیب نے نہیں کیا ہے وہ اپنی تحریروں میں اپنے سفر کی کثرت کا بار بار ذکر کرتے ہیں :

"گزشتہ کم از کم دس سال سے میری زندگی کا یہ عالم ہے کہ میں نچلا نہیں بیٹھا ہوں رات دن سفر میں ہوں، صبح پاکستان میں ہوں تو دن کو جرمنی میں، شام کو پیرس میں۔ میں کبھی لندن میں ہوتا ہوں، کبھی واشنگٹن میں شام کو اگر ماسکو میں اٹھتا ہوں تو صبح تہران میں داخل ہوتا ہوں، ابھی میکسیکو میں ہوں تو دوسرے دن پورٹ آف اسپین میں۔ نیویارک سے اڑا تو صبح میڈرڈ میں داخل ہو گیا، کبھی بغداد اور مکہ مدینہ میں ہوں تو اس سے اگلے دن حلب اور دمشق میں یا بغداد میں۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

"اب یہ حال ہے کہ میں ایک مہینے میں کئی کئی سفر کرتا ہوں، لاکھوں میل جاتا ہوں، دنیا کا کونا کونا میں نے چھان لیا ہے۔ دنیا کو کف دست بنا کر رکھ دیا ہے"۔

یہ سارے سفر وہ لطف و تفریح کے بجائے اپنے عظیم طبی مقصد اور مقدس مشن کی تکمیل کیلئے کرتے تھے۔ لکھتے ہیں "مگر میں نے ہر سفر احیائے طب کے مقصدِ عظیم کیلئے کیا ہے اور بھائی جان کے فیصلے کے عین احترام میں کیا ہے اور بالآخر میں نے اپنے مشن میں جو در حقیقت میرے عظیم بھائی کا مشن ہے' کامیابی حاصل کرلی۔ آج دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں کی خبر میں نے نہ لی ہو اور جہاں طب پر تحقیقی کام نہ ہو رہا ہو الحمد للہ۔

سال گزشتہ میں فن لینڈ میں ایک کشتی لے کر کوئی آٹھ دن وہاں کے ہزار ہا جزیروں میں گھومتا رہا، تلاش یہ تھی کہ بڑے بڑے شہروں سے دور دراز جزیروں میں گم انسان اپنا علاج کن جڑی بوٹیوں سے کرتے ہیں، پھر بلغاریہ پہونچا تاکہ وہاں مفردات کے تحقیقی کام کو دیکھوں، ماسکو گیا کہ وہاں سرطان اور جڑی بوٹیوں پر کام ہو رہا ہے، واشنگٹن میں اس موضوع کا جائزہ لیا۔

1952ء اور 1956ء میں انھوں نے اپنے بھائی جان کے ساتھ جنوب مشرقی ایشیا اور یورپ کے ملکوں کے بھی مطالعاتی اور تجرباتی سفر کیئے، 56ء کا سفر کثیر المقاصد تھا، یورپ میں یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ طب و سائنس میں اس نے کیا پیش رفت کی ہے، دواسازی میں کیا انقلابی کام ہو رہے ہیں، علمی سطح پر اہل علم وادب کس انداز سے مصروف کار ہیں، عبادت گاہوں کا مقام یورپ میں کیا ہے وغیرہ۔ ان کے کثرتِ سفر اور مقاصدِ سفر کے بارے میں ان کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو :۔

"1970ء سے 1980ء تک میں نے دنیا کے اکثر ممالک کا مطالعاتی سفر کیا ہے، ان سفروں کی تعداد اتنی ہے کہ میں خود بھی یاد نہیں کر سکتا۔ میں نے ان سفروں میں خصوصیت کے ساتھ سائنس کے میدانوں میں شخصی روابط پیدا کیئے ہیں اور ان کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہے، میرے اکثر و بیشتر سفر طب کیلئے ہوئے ہیں جس کے احیاء ترقی کی ذمہ داری 1935ء میں بھائی جان نے مجھے سونپ دی تھی اور میں نے اس ذمہ داری کو انتہائی حد تک پورا کر کے بھائی جان کے سامنے سرخ روئی حاصل کرنے کا فخر حاصل کیا ہے، یورپ میں طب کو تسلیم کرانے اور موضوعِ فکر بنانے اور آخر کار عالمی ادارۂ صحت سے طب کو تسلیم کرانے میں 'میں نے دس سال مسلسل جدوجہد کی ہے' میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے فن طب اور صحتِ عالم کیلئے ایسا کام کر دیا ہے جس کے اثرات دور رس ہوں گے انشاء اللہ العزیز الحکیم"۔

شریعت و طریقت کی اصل روح خدمت ہے، حکیم عبدالحمید کی طرح حکیم سعید کی زندگی کا یہی مشن تھا، اسی کیلئے انھوں نے میدان طب و حکمت میں قد رکھا تھا اور اپنی سعی بلیغ سے اسے نئی زندگی دے کر عالمی سطح پر اسے باوقار بنا دیا، لیک ان کی سرگرمیاں ہمدرد فاؤنڈیشن اور مدینۃ الحکمت اور ان کے مختلف و متع شعبوں کے قیام تک ہی محدود نہیں تھیں وہ ایک عالم، دانشور اور صاحب کما مصنف بھی تھے، اردو اور انگریزی میں بے شمار کتب ان کی یادگار ہیں ۔ کم لوگو کو تحریر و تقریر دونوں کا ملکہ ہوتا ہے۔ حکیم صاحب میں تقریر و خطابت کا م خداداد تھا۔ وہ اردو، عربی اور انگریزی زبانوں سے واقف تھے اور سب میں دل پذیر ا موثر تقریریں کرتے تھے۔

حکیم صاحب کی طبیعت میں بڑی بوقلمونی اور عجیب رنگا رنگی تھی، ایک طرف تو وہ احیائے طب کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے اور اس کیلئے ملک ملک کی خاک چھا رہتے تھے، مگر ان کی یہ جہاں گردی اور بادیہ پیمائی اور ہمہ تن مشغولیت قلم و قرطاس اور تصنیف و تالیف میں مانع نہ بنتی، انھوں نے سینکڑوں کتابی لکھیں جن میں کئی سفرنامے ہیں۔ 1936ء ہی سے روزنامچہ لکھنے کا معمول تھ ہمدرد صحت کی ادارت کی ذمہ داری اس پر مستزاد، نونہال کی ادارت ان کے معت جناب مسعود احمد برکاتی کے سپرد تھی مگر اس کے صفحات پر بھی وہ موجود ہوتے، ہ شمارے میں پاکستان کے نونہالوں کو جاگنے اور جگانے کی تلقین بھی وہی کرتے تھے افسوس ہے کہ ایسے جاگنے اور جگانے والے کو بھی بے رحموں نے ہمیشہ کے لئ سلا دیا۔

حکیم صاحب ایک فولادی انسان تھے جو برابر متنوع اور مختلف قسم کے کام کرتے رہتے تھے، وہ کبھی کام کرنے سے نہ تھکتے اور نہ گھبراتے تھے۔ بڑے اصول پسند اور مرتب شخص تھے، کھانے پینے کے معاملے میں نہایت محتاط تھے، ان کے مستعد، چاق و چوبند، کارگزار، صحت مند اور تندرست ہونے کا سبب یہی تھا۔ اوقات و معمولات کے پابند تھے اسی لئے ان کے کاموں میں بڑی برکت ہوئی او قدرت نے ان سے مختلف النوع کام لیئے، ایک جگہ لکھتے ہیں :

"ایک بار میں بھائی جان کے ساتھ تھانہ بھون گیا، حکیم الامت حضرت

مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ ان کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اس قدر پابند اوقات ہیں کہ لوگ ان کے آنے جانے پر اپنی گھڑیاں ملا لیتے ہیں، میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی، پھر جب سے میں عملی زندگی میں داخل ہوا ہوں تو اب میرا یہ حال ہے کہ میری نقل وحرکت پر لوگ واقعی اپنی گھڑی درست کر لیتے ہیں، یہ بھائی جان محترم کی اعلیٰ تربیت کا ثمرہ ہے اور میں نے اس سے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں''۔

حکیم صاحب بڑے پاک طینت، شریف النفس، پاکیزہ صورت اور پاکیزہ سیرت تھے، دیانت اور راست بازی ان کی سرشت تھی، خوش خلق، وضع دار، ملنسار، اور تکلف سے بری تھے، نہایت ہنس مکھ اور بڑے باغ وبہار شخص تھے، لوگوں سے تپاک اور گرم جوشی سے ملتے، بڑوں کا احترام کرتے اور چھوٹوں پر شفقت فرماتے ۔ جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم سے مخلصانہ تعلقات تھے، ان کی محبت انھیں دارالمصنفین بھی کھینچ لائی، ان کے بھائی جان حکیم عبدالحمید صاحب اس کے رکن رکین ہیں، اس لئے بھی اس سے بڑا تعلق رکھتے اور اپنی ایک ایک کتاب یہاں بھیجتے تھے، یہیں ان سے پہلی بار ملاقات ہوئی، پھر ہمدرد نگر کے ایک بین الاقوامی سیمنار میں ملا تو دیکھتے ہی پہچان گئے، سیمنار کئی روز تک چلتا رہا، جب جب ملاقات ہوتی تو سلام میں سبقت لے جاتے، بڑی دل جوئی کرتے، باتیں اتنی دلچسپ کرتے کہ افسردہ اور ملول شخص بھی خوش ہو جاتا۔ حرص وہوس زر، زمین وجائداد کی محبت کبھی ان کے دل میں گھر نہیں بنا سکی، کراچی میں انھوں نے اپنے لئے ایک انچ زمین نہ بنائی، بڑے پختہ عزم و ارادے کے انسان تھے جس کام کو ٹھان لیتے وہ کر کے چھوڑتے۔

اذا هم القى بين عينيه عزمه   ونكب عن ذكر العواقب جانبا

ان میں غرور، گھمنڈ اور پندار نام کو بھی نہ تھا، وہ بڑی شہرت وعظمت کے مالک تھے، ان کو بڑے سے بڑے اعزاز ملتے رہے، پاکستان کے ممتاز ترین ایوارڈ ''ستارۂ امتیاز'' سے نوازے گئے، سندھ کے گورنر ہوئے اور صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کے مشیر بنے مگر کبھی نہ آپے سے باہر ہوئے اور نہ ان میں رعونت وتمکنت پیدا ہوئی، بلکہ جتنا بڑا عہدہ ملتا وہ ان کے انکسار اور فروتنی میں اور اضافہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے اور ان پر اپنے رحم وکرم کی بارش کرے۔ آمین!

(معارف نومبر 1998ء)

قطعۂ تاریخ وفات حکیم محمد سعید

(کوثر نقوی)

دنیا دکھوں کا گھر ہے، بس اب اِسکو چھوڑ دے
خالق کے قُربِ خاص میں مردِ شہید آ
رضواں کے لب پہ صاف یہ تاریخ مرگ ہے
"باغِ ارم میں تُو، اے محمد سعید آ"

نالۂ غم

لئیق احمد قاسمی جونپور

بروفات حسرت آیات عالی جناب حکیم محمد سعید صاحب

تھے سعید محترم شیریں مقام
کارنامے ان کے تھے سب بے مثال
پاک میں تھی ذات انکی محترم
ہے سبھی کو ان کے مرنے کا ملال
ناگہانی موت تھی ان کی لکھی
مارتا ان کو یہ تھی کس کی مجال
قتل میں جتنے ملوث ہیں تو انکو اے خدا
پست کردے اور کردے پائمال
ہے جہنم قاتلوں کے واسطے
اس میں ذرہ بھر نہیں ہے احتمال
اے سعید باصفا تیرے لئے
خلد میں مسکن بنا ہے قیل وقال
اب کہاں ڈھونڈیں انھیں پائیں کہاں
جانے والوں کا ہے آنا اب محال
صاحب شوکت حمید باصفا
صدمہ فرقت سے ہیں اب خستہ حال
ان کی عالی ذات کا کیا پوچھنا
وہ نہایت نیک تھے اور خوش خصال
شاذ ونادر ہی جہاں میں دوستو
حکم رب سے آتے ہیں ایسے رجال
تھا کراچی شہر میں ان کا مطب
رزق ان کو ملتا تھا پاک وحلال
شہر حکمت کے وہ بانی اور میانی بھی رہے
انکے دم سے اس کا روشن تھا جمال
کانپ اٹھتے تھے جنھیں سب دیکھ کر
چہرۂ انور سے ان کے پھوٹتا تھا وہ جلال
ان کو شہرت اور عزت بھی ملی
اور خدا کے فضل سے طب میں کمال
شہرت ولالچ سے کوسوں دور تھے
گرچہ حاصل تھا انھیں مال وسال
والدہ کی یہ نصیحت تھی انھیں
دل میں بدلہ کا نہ لانا تم خیال
رنج وغم سے چور ہے ان کا لئیق
اس کو حق میں تھا لکھا یہ غم کا سال

حکیم سعید کو کیوں قتل کیا گیا

محمد علی خالد

حکیم محمد سعید کو کیوں قتل کیا گیا؟ یہ سوال حکیم سعید کے سوئم کے اجتماع میں ہر زبان پر تھا۔ حکیم محمد سعید کی رہائش گاہ مزار قائد اعظم کے عقب میں شکار پور کالونی میں واقع ہے۔ حکیم محمد سعید کی تدفین اور سوئم میں سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔ سوئم میں وزیر اعظم سمیت اہم شخصیات کی آمد متوقع تھی، اس لئے پورے علاقے کا پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ حکیم محمد سعید کی رہائش گاہ سے متصل بنگلوں کی چھتوں پر بھی پولیس کے اہلکار موجود تھے۔ انٹلی جنس اہل کاروں کی بڑی تعداد چاروں طرف موجود تھی۔ حکیم محمد سعید کا سوئم کراچی کی تاریخ کا ایک بہت بڑا اجتماع تھا جس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد موجود تھے۔ حکومت، عدلیہ، انتظامیہ، تعلیم، ادب، تحقیق صحافت، کاروبار، تجارت وصنعت سمیت نمائندہ افراد ایک ایسی مقتدر شخصیت کے سوئم میں شریک تھے جسے دہشت گردوں نے بے دردی سے قتل کر دیا تھا اور جن کے قتل کے بارے میں ارباب اقتدار نے مجرمانہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ حکیم محمد سعید نے کراچی شہر کی ترقی اور استحکام میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ یہ شہر ان کی شناخت تھا۔ کراچی کو اہم تشخص دلانے میں حکیم محمد سعید کی کوششوں کا بھی گہرا دخل تھا، اس لئے ان کے بہیمانہ قتل پر پورا شہر سوگوار ہے۔ شہریوں نے خوف عدم تحفظ یا کسی اور وجہ سے اگرچہ اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا، کاروبار بند نہیں کیا، ہڑتال نہیں کی، لیکن کراچی کا ہر شہری اندر سے سوگوار ہے۔ ہر دل پر اس قتل نے اثرات مرتب کئے ہیں۔ اور ہر ذہن پر اس قتل نے مایوسی اور بے یقینی مسلط کی ہے۔ یہ قتل بظاہر ایک فرد کا قتل ہے لیکن یہ ایک ایسی شخصیت کا قتل ہے جس نے کراچی کی مانگ سنوارنے میں اپنی پوری عمر گزار دی تھی۔ جن کی آنکھوں میں کراچی کے اچھے مستقبل کے خواب تھے اور جنھوں نے کراچی کی سڑکوں پر محنت ومشقت کر کے اعلیٰ مقام حاصل کر کے پورے ملک میں ایک تقلید مثال قائم کی تھی۔ حکیم محمد سعید کے بہیمانہ قتل پر پورے شہر کی خاموشی ایک المناک واقعہ ہے جس کے محرکات کا سراغ لگانا شہریوں کی ذمہ داری ہے۔ حکیم محمد سعید عروس البلاد کراچی کی شناخت تھے وہ سر تا پا کراچی تھے۔ وہ خود چلتے پھرتے کراچی تھے۔ ان کے اندر پورا کراچی آباد تھا اس کراچی کے دکھوں کا مداوا انھوں نے کیا تھا۔ کراچی پر جب بھی وار ہوا انھوں نے ہمت وجرأت سے حملہ آوروں کا دانشورانہ سطح پر مقابلہ کیا تھا۔ کراچی کے حقوق کی پامالی کے خلاف ہر جدوجہد میں وہ شریک رہے۔ لیکن جب دہشت گردوں نے حکیم محمد سعید کو قتل کیا تو کراچی نے مجرمانہ خاموشی اختیار کی۔ کراچی کی سڑکوں پر گاڑیاں دوڑتی رہیں۔ دکانوں پر ہجوم رہا، سنیما گھر کھلے رہے۔ بازاروں کی رونق برقرار رہی ضمیمے کثیر تعداد میں شائع کئے گئے۔ کراچی کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے شام کے بعض اخبارات نے اپنی سرخیوں میں حکیم محمد سعید کے قتل کو "ہلاکت" ظاہر کر کے اس سانحے کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی۔ شام کے ایک اہم اخبار میں صفحہ اول پر حکیم محمد سعید کی پندرہ سال سے زائد عرصہ پہلے انتقال کی جانے والی اہلیہ کا فرضی انٹرویو چھاپ کر یہ ثابت کیا گیا کہ کراچی کی صحافت کس مقام پر کھڑی ہے۔ کلاشنکوفوں کے سائے میں شب وروز گزارنے والے اخباری مالکوں کو اپنے اخبارات میں چھپنے والے مواد کا جائزہ لینا چاہئے اور حکیم محمد سعید کے قتل کے بارے میں تحقیقاتی رپورٹس کی اشاعت پر توجہ دینی چاہئے۔ یہ ایک ایسا "ٹیسٹ کیس" ہے جس کی بنیاد پر ارباب اقتدار واختیار اور حکومتی اداروں کا کڑا احتساب ممکن ہے۔ لیکن اس کیلئے اہل صحافت اور صحافتی کارکنوں کو مصلحتوں کی صلیب سے اتر کر حقائق وسچائی کی دنیا میں آنا ہوگا۔ حکیم محمد سعید کے سوئم میں چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان جسٹس اجمل میاں بھی تھے۔ حکیم محمد سعید سے ان کے پرانے روابط تھے۔ جسٹس اجمل میاں عدلیہ کے اس وقت "سپہ سالار" ہیں ان کا چہرہ سوگوار تھا اور آنکھیں رو رہی تھیں۔ حکیم محمد سعید کا بہیمانہ قتل ہر صاحب فکر ودانش کی طرح ان کا بھی ذاتی نقصان ہے۔ سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کمال منصور عالم، جسٹس الانعام، جسٹس راجہ قریشی، جسٹس ماجدہ رضوی، حاذق الخیری بھی مجلس سوئم میں موجود تھے۔ عدلیہ کی اہم شخصیات کے چہروں سے پڑھا جا سکتا تھا کہ انھیں حکیم محمد سعید کے بہیمانہ قتل سے حد درجے صدمہ ہوا ہے۔ ہائی کورٹ کے سابق ججوں کی بڑی تعداد مجلس سوئم میں شریک ہوئی۔ انھیں اب فتویٰ دینے کا قانونی اختیار نہیں ہے لیکن سابق ججوں کے چہروں کے تاثرات اور باہمی گفتگو سے اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ کراچی کے المناک واقعات پر عدلیہ کی اہم شخصیات

کارد عمل انتہائی سخت ہے۔ سوئم کے اجتماع میں عدلیہ سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیت سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ نسیم حسن شاہ بھی موجود تھے۔ لاہور سے آکر انھوں نے اپنے "قد" کو بڑھالیا۔ ان کی سوئم کے اجتماع میں شرکت کا خوشگوار اثر مرتب ہوا وہ حکیم محمد سعید کے قتل پر نڈھال تھے اور ان کی آنکھوں میں دکھوں کی پرچھائیاں نظر آرہی تھی، وہ خاموش رہے لیکن ان کا چہرہ حکیم محمد سعید کے قتل پر دکھ ویاس کا محور تھا۔ جب پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے سابق وفاقی وزیر قانون اقبال حیدر آئے تو وہ حسب معمول اس قتل پر جذباتی تھے۔ انھیں جس جگہ بٹھایا گیا وہاں نسیم حسن شاہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے درمیان مصافحہ ہوا لیکن گرم جوشی کا فقدان تھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے مجبوراً ہاتھ ملائے جارہے ہیں۔ جس وقت دعا ہو رہی تھی اس وقت اقبال حیدر نے بلند آواز میں کہا کہ اللہ تعالیٰ حکیم سعید کے قاتلوں کو برباد کردے۔ انھوں نے اس جملے کو کئی مرتبہ دہرایا۔ جس کے بعد دعا میں اقبال حیدر کا یہ مطالبہ بھی شامل کیا گیا کہ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ تحریک انصاف کے سکریٹری جنرل معراج محمد خان بھی اس صدمہ عظیم سے بوجھل نظر آرہے تھے۔ اے پی این ایس کے سکریٹری جنرل میر جاوید الرحمٰن اخبارات کی نمائندگی کے لئے موجود تھے۔ بنیادی طور پر صحافی نہیں تھے لیکن اخبارات وجرائد سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ وہ مصنف اور ادیب تھے ملک کے ہزاروں اخبارات ورسائل وجرائد کی وہ سرپرستی کرتے تھے۔ علمی وادبی و تحقیقی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ حکیم محمد سعید کی زندگی میں روزنامہ خبریں کے ایڈیٹر ضیاء شاہد نے ان کے خلاف قلمی محاذ کھولا تھا اور حکیم سعید پر بے بنیاد الزام عائد کئے تھے۔ حکیم محمد سعید نے ان الزامات کے باوجود حتی الامکان مشکل حالات میں ضیاء شاہد کی امداد کی۔ یہ ان کی وسیع الظرفی تھی کہ وہ مخالفوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اے پی این ایس کے صدر مجید نظامی کی سوئم کے اجتماع میں شرکت کی کمی محسوس کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حکمرانوں کی قربت اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس سوئم میں شریک نہیں ہوئے۔ نوائے وقت گروپ آف نیوز پیپرز اور دیگر اہم اخبارات کی نمائندگی بھی نہیں تھی۔ حکیم محمد سعید کی زندگی میں ہمدرد کے اشتہارات کی بدولت ترقی کی سیڑھی چڑھنے والے سینکڑوں صحافتی مالکان، مدیر، اخبار نویس غائب تھے۔ سوئم میں وزیر اعظم، قائم مقام گورنر، وزیر اعلیٰ اور دیگر اہم سرکاری شخصیات نے اس اہم اجتماع کا "بائیکاٹ" کیا۔ وزیر اعلیٰ سندھ کے معاونین موجود تھے مگر وہ شامیانہ کے باہر لاتعلقی کے ساتھ کھڑے رہے۔ حکیم محمد سعید کے سوئم کی تقریب سے "حکمرانوں" کی علیحدگی اس امر کا واضح ثبوت تھی کہ اقتدار پر فائز شخصیات فقط زندہ افراد کی خوشیوں میں شریک ہوتی ہیں۔ مرنے والوں سے انھیں کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ سوئم میں فوج، حکومت وانتظامیہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی عدم شرکت کئی ذہنوں میں ایسے سوال چھوڑ گئی ہے جس کا آنے والے وقت میں ارباب اختیار کو جواب دینا پڑے گا۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ کراچی کی سیاسی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والی جماعت متحدہ قومی موومنٹ بھی سوئم کے اجتماع میں عملاً شریک نہیں ہوئی۔ تدفین میں اس جماعت کے سرکردہ رہنما ضرور شریک ہوئے لیکن سوئم میں کوئی اہم شخصیت موجود نہیں تھی۔ سنیٹر جمیل الدین عالی صف اول میں موجود تھے مگر وہ حکیم محمد سعید سے دیرینہ تعلقات کی وجہ سے آئے تھے۔ وہ غم ویاس کے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے، انھیں دیکھ کر ان کے ایک مزاج آشنا نے کہا کہ "عالی صاحب تو ایسا لگتا ہے کہ خود اپنے سوئم کی تقریب میں ہوں۔" جون ایلیا نے برسوں پہلے ایک شعر کہا تھا کہ ۔

میر دلی سے نکلے، گئے لکھنؤ
ہم کہاں جائیں گے تم کہاں جاؤ گے

وہ سوئم کے اجتماع میں دلی سے تعلق رکھنے والے حکیم محمد سعید کے قتل پر ماتم کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ متحدہ قومی موومنٹ کیوں کہ حکومت میں شریک ہے اس لئے اس نے حکومت کی پالیسی کی تقلید کرتے ہوئے چہلم کے اجتماع سے علیحدگی کو مناسب سمجھا۔ "بابائے کراچی" کے قتل پر فرزندان کراچی کا دعویٰ کرنے والی تنظیم کا ردعمل سوئم کے اجتماع میں بحث کا موضوع تھا۔ اکثریت کا خیال تھا کہ متحدہ قومی موومنٹ کی یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کا انھیں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ بعض شرکاء کا خیال تھا کہ متحدہ قومی موومنٹ نے قتل کے دن شہریوں کے ردعمل کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور ہڑتال نہیں ہونے دی۔ یہی نہیں بلکہ متحدہ قومی موومنٹ نے اعلانیہ جاری کیا کہ بعض علاقوں میں ہڑتال کرانے والوں کو ان کے ذمہ دار عہدیداروں نے پولیس کے حوالے کیا۔ اجتماع کے بعض شرکاء کا خیال تھا کہ متحدہ قومی موومنٹ نے شہریوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور ان کی یہ غلطی مستقبل کی سیاست پر انداز ہو سکتی ہے ۔ اجتماع میں شریک ایک سیاسی جماعت کے عہدیدار نے کہا کہ میں تو ہمیشہ یہ سمجھتا تھا کہ حکیم محمد سعید حکومت، انتظامیہ کی بیساکھیوں کے سہارے چلتے ہیں اور ان کا عام آدمی سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن آج جس بڑی تعداد میں نمائندہ شہریوں نے اس اجتماع میں شرکت کی ہے اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمدرد دواخانہ کے نہیں بلکہ حکیم شہر کراچی تھے اور شہری کی نبض پر ان کا شفقت بھرا ہاتھ تھا۔ اے این پی کے قائدین کی شرکت بھی اہمیت کی حامل تھی اپنے جوان بیٹے کا سوگ لئے ہوئے غلام احمد بلور جب پنڈال میں اے این پی کے صوبائی صدر امین خٹک کے ساتھ داخل ہوئے تو ان کی آمد کو بھی ایک مثبت عمل قرار دیا گیا۔ غلام احمد بلور کا پختون سیاست سے تعلق ہے مگر انھوں نے اس اجتماع میں شرکت کے لئے آکر اہل کراچی کو یہ پیغام دیا کہ حکیم محمد سعید کے بہیمانہ قتل پر پورا ملک سوگوار ہے اور ہر علاقے کے لوگ اس عظیم ہستی کے قتل کی مذمت کرتے ہیں۔ سینئر رپورٹرز اور فوٹوگرافرز آخری وقت تک وزیراعظم کی آمد کا انتظار کرتے رہے، پہلے ان کا سوئم کے اجتماع میں شرکت کا پروگرام تھا مگر

سیکورٹی ایجنسیوں نے انھیں "کلیئرنس" دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف سوئم کے اجتماع میں شریک ہونا چاہتے تھے اور حکیم محمد سعید کے قتل کے متعلق اہل کراچی کے جذبات کا خود جائزہ لینا چاہتے تھے اور مگر آخری وقت پر انھیں آنے سے روک دیا گیا اور سیکورٹی ایجنسیوں کی کلیئرنس کے بعد رات کو حکیم محمد سعید کے اہل خانہ سے انھوں نے تعزیت کی۔ مسلم لیگ کے حلقوں کا خیال ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف کی سوئم کے اجتماع میں آمد کے موقع پر مخالفانہ نعرے بازی ہو سکتی تھی، مشتعل نوجوان وزیر اعظم کی توہین بھی کر سکتے تھے اس لئے وزیر اعظم نواز شریف سوئم کے اجتماع میں شریک نہیں ہوئے لیکن بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ حکیم محمد سعید کے قتل کی واردات کے پس پردہ واقعات جس تیزی کے ساتھ سامنے آرہے ہیں اس کی وجہ سے حکمراں حلقے پریشان ہیں اور وہ خود کو اخلاقی طور پر اس قتل کا ذمہ دار سمجھ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف پر حکیم محمد سعید کے قتل کے بعد سخت دباؤ موجود ہے، وہ جہانگیر کرامت کو ہٹانے کے بعد خود کو طاقتور محسوس کر رہے تھے۔ مگر حکیم محمد سعید کے قتل نے ان کی حکومت کے وقار کو تہس نہس کر دیا ہے۔ باخبر ذرائع کہتے ہیں کہ وزیر اعظم نواز شریف نے کراچی کی صورت حال کا اب سختی سے نوٹس لیا ہے وہ حکومت اور سرکاری ایجنسیوں کے کردار سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کراچی پر اب حکومت کی اتھارٹی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور یہ شر انارکی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ خصوصاً کراچی کی انٹلی جنس ایجنسیوں کے کردار پر مسلم لیگ حکومت کی ذمہ دار شخصیات پریشان کن صورت حال سے دوچار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورے کراچی کو بھیڑیوں کے سپرد کر دیا گیا ہے اور حفاظت پر مامور عملے نے خود دہشت گردوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ سوئم کے اجتماع میں شریک اہم افراد کی رائے ہے کہ حکیم محمد سعید کو ایک منصوبہ بندی کے ساتھ قتل کیا گیا ہے۔ یہ اتفاقی واردات نہیں ہے اور یہ حملہ آور اناڑی تھے۔ انھوں نے اپنا ٹارگٹ مکمل کیا۔ "اناڑی" حملہ آور سیکورٹی گارڈ کو قتل کر کے آرام وسکون کے ساتھ فرار ہوگئے۔ یہ ایک منظم واردات تھی جس میں طاقتور عنصر شریک ہوئے حکیم محمد سعید کیوں کہ کافی عرصے سے حکمراں طبقات کی بد اعمالیوں، بد عنوانوں اور مجرمانہ کارروائیوں کے خلاف ہر سطح پر آواز بلند کر رہے تھے اور وہ کراچی میں "آواز پاکستان" تھے اس لئے انھیں حکمراں طبقات نے سازش کر کے اپنے راستے سے ہٹایا ہے۔ ایک سیاسی جماعت کے عہدے دار کا کہنا ہے کہ کراچی میں ہزاروں قتل ہوئے ہیں اور آج تک کسی قتل کے ذمہ دار گرفتار نہیں ہوئے ہیں، اب وزیر اعظم کہتے ہیں کہ حکیم محمد سعید کے قاتل کو گرفتار کریں گے جو وزیر اعظم خود پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ درویش صفت غلام حیدر روائیں کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کرا سکا۔ جنھوں نے مسلم لیگ کو منظم کیا تھا، تو وہ حکیم محمد سعید کے قاتلوں کو کیسے گرفتار کرانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اجتماع میں بعض شرکاء کا خیال تھا کہ قتل کے بعد ٹیلی ویژن کے خبر نامے میں حکیم محمد سعید کے متعلق اچھی کوریج دی گئی۔ یہ ایک مثبت فیصلہ تھا۔ حکیم محمد سعید ایک قومی شخصیت تھے ان کو خراج عقیدت پیش کرنا ضروری تھا۔ خصوصاً وفاقی وزیر چودھری نثار علی کے انٹرویو کو سراہا گیا۔ اس انٹرویو میں چودھری نثار علی نے کھل کر حکیم سعید کے قتل کو حکومت کی ناکامی سے تعبیر کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ کراچی میں ایجنسیاں اور امن وامان حال کرانے والے ادارے مکمل طور پر ناکام ہوگئے ہیں اور یہ حکومت کی ناکامی ہے۔ لیکن اس "چارج شیٹ" کے باوجود متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او کے خلاف بھی اس قتل کی واردات کے سلسلے میں کارروائی نہ ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ چودھری نثار علی اور دیگر حکومتی شخصیات نے عوام کے رد عمل سے خوف زدہ ہو کر حکومت کی ناکامی کا ڈھنڈورا پیٹا تھا۔ اب وقت گزر جانے کے بعد دیگر وارداتوں کی طرح حکیم محمد سعید کے قتل کی واردات کو بھی سرد خانے میں ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اہل کراچی کو آنکھیں کھلی رکھ کر قاتلوں کا تعاقب کرنا ہوگا اور کرائے کے قاتلوں کے سرپرستوں کو بے نقاب کرنا ہوگا۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ حکیم محمد سعید کے قتل کا تعلق افغانستان کے اندرونی حالات سے ہے۔ وہ طالبان حکومت کی خواتین کی تعلیم کو محدود کرنے کی پالیسی کے حق میں نہیں تھے لیکن اس نقطہ نظر کو تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ حکیم محمد سعید نے کبھی بھی فرقہ وارانہ سیاست نہیں کی اور نہ ہی وہ فرقہ واریت کے حق میں تھے۔ وہ فرقہ واریت کے خلاف ہر سطح پر جہاد کرنے کے لئے رائے ہموار کرتے تھے۔ سندھ اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر جلال محمد شاہ کا کہنا ہے کہ حکیم محمد سعید کے قتل میں بیرونی ہاتھ نہیں ہے۔ تو پھر ڈپٹی اسپیکر کو جواب دینا چاہئے کہ حکیم محمد سعید کے قتل میں "اندرونی ہاتھ" کس کا ہے اور انھیں کس کی سرپرستی حاصل ہے۔ کیوں کہ ڈپٹی اسپیکر کی حیثیت سے حکومتی معاملات اور سندھ حکومت اور سندھ کے پس پردہ واقعات سے وہ بخوبی واقف ہیں۔

جس وقت حکیم محمد سعید کے سوئم کا اجتماع شروع ہوا تو ان کے بنگلے سے متصل عمارت کے پاس ایک صاحب نے اپنی کار کھڑی کر دی اطراف میں ڈیوٹی پر مامور پولیس کے سپاہی تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے اور کار کے مالک سے کہنے لگے کہ آپ یہاں سے کار ہٹا دیں۔ سیکورٹی کے نقطہ نظر سے یہاں کار کھڑی کرنا مناسب نہیں ہے۔ کار کے مالک نے سپاہی سے استفسار کیا یہاں کونسی کاریں کھڑی ہوں گی؟ ایک سپاہی نے جواب دیا یہ حصہ وی آئی پی کے لئے مخصوص ہے۔ کار کے مالک نے سپاہی سے غصے میں کہا "میرے نزدیک اس ملک میں ایک وی آئی پی تھا۔ جسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ میں کار نہیں ہٹاؤں گا۔" اس سپاہی کے پاس بھی ملک کے حکمرانوں کی طرح کار کے مالک کے سوال کا جواب نہیں تھا۔

حذاقت سعید: تجربات طبیب کے آئینے میں

حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی

حکیم حافظ محمد سعید شہیدؒ جیسی ہمہ جہت شخصیت کے فتوحات کا احاطہ کسی مضمون میں ممکن نہیں۔ مرحوم رواں صدی کے اوائل میں یعنی 9/جنوری 19ء کو دہلی میں اس عالم رنگ وبو میں آئے۔ اردو، فارسی اور انگریزی تعلیم کے ل کے بعد 1939ء میں آیورویدک ویونانی طبیہ کالج' نئی دہلی سے طبی تعلیم کی ل کی اور اپنے برادر گرامی حکیم حاجی عبدالحمید کے شریک ومعاون ہوگئے۔ اسی میں مشہور طبی ماہنامہ "ہمدرد صحت" کی ادارت بھی سنبھال لی۔ حکیم صاحب ندگی کے متعدد مفید پہلو تھے، جہاں وہ مفکر تھے وہیں کامیاب مصنف، مولف ریر بھی تھے، جہاں صنعت کار اور تاجر تھے، وہیں طبیب حاذق بھی تھے۔ تاہم طبابت کو انھوں نے ترجیحی طور پر اختیار کیا تھا۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

"جب بھائی جان محترم حکیم حاجی عبدالحمید صاحب نے میرے حق میں یہ فیصلہ کردیا کہ مجھے صحافی نہیں، طبیب ہونا چاہئے اور خاندان ہمدرد کی عظمت طبابت اور اس کے تسلسل کو برقرار رکھنا چاہئے تو فن طب کی رفعت وروایات کا امین ہونا میں نے بہ خوشی قبول کرلیا اور زندگی بنالیا"

یہ جذبہ خلوص خدا کو اتنا پسند آیا کہ انھیں شہادت بھی نصیب ہوئی اس وقت مرحوم خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہوکر مطب کی دہلیز پر قدم رکھنے ہے تھے۔

طب کو حکیم محمد سعیدؒ نے ہمیشہ خدمت خلق کے جذبہ کے تحت اختیار کیا۔ اور کے پیش نظر ہمیشہ "افضل اشغال خدمتہ الناس" رہا۔ یہی وجہ تھی کہ قدرت بہت جلد جذبہ احسان سے فرض شناسی کے مقام تک انھیں پہنچادیا بلکہ یہ کہنا ہوگا کہ انھوں نے کبھی بھی خدمت خلق کو احسان کا درجہ نہیں دیا امن کا ادراک ساس مرحوم کا تاحیات رہا۔ جس کا اظہار اس انداز میں کیا ہے:

"الحمدللہ اس بستی کی حقیقت اور اس بلندی کی معنویت کو سمجھنے میں میں نے کبھی غلطی نہیں کی ہے۔ اس لئے طب کو ذریعہ خدمت بنانے میں میری راہ سیدھی تھی اور اس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔"

9/جنوری 1948ء کو جب حکیم صاحب نے اپنے وطن اور یہاں کی ہر ائشوں کو خیرباد کہہ کے مملکت خداداد پاکستان کو اپنے لئے سرمایہ عزوافتخار قرار دیا ہمدرد کی عظمتوں کو ایسی سنگلاخ سرزمین پر حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہ تھا۔ جہاں طب یونانی انتہائی ناقص حالت میں تھی نیز دوائی نباتات اور ان کے مرکبات تقریباً ناپید۔ لیکن ان نامساعد حالات میں بھی ایک مرد آہن کا محدود وسائل سے کام لیتے ہوئے کسی بڑے منصوبے کا آغاز بڑے عزم وحوصلے کی بات تھی۔ بالآخر وہی نقطہ آغاز بڑھ کر پورے پاکستان پر محیط ہوگیا۔

معیاری ادویہ کی تیاری اور فراہمی میں ہمدرد نے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ 19/جون 1948ء کو کراچی میں ہمدرد مطب کی ابتدا ہوئی اور حکیم صاحب مرحوم نے خدمت خلق کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنالیا۔ انھوں نے اپنے بزرگوں اور اسلاف کی طبی اور اخلاقی روایات کا نہ صرف احترام کیا، بلکہ انہیں آگے بڑھانے اور زمانے کی رفتار سے ہم آہنگ کرنے میں جو اہم کردار ادا کیا ہے، تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ حکیم صاحب نے سریری سطح پر بھی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ محض ارض پاک تک محدود نہیں تھا، بلکہ دنیا کے دیگر ممالک کے مرضا بھی طبی مشورے حاصل کرتے رہے۔

اپنے مطب کے مثالی مرجوع کو دیکھتے ہوئے ان کے فنی ذوق کو مہمیز ہوئی اور مریضوں کی گہما گہمی کے باوصف حکیم محمد سعید کے اندر کے ادیب نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا، اور بالآخر 530 صفحات پر مشتمل سریری ریکارڈ "تجربات طبیب" کے نام سے منصہ شہود پر آگیا۔ اس میں اوٹی چاشنی ہی نہیں، مریضوں کے عام علاج اور اصول علاج کے سلسلے میں زریں نکات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس قیمتی ارمغان کے مطالعہ کے وقت ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم خود اس زندۂ جاوید طبیب حاذق کے مطب میں موجود ہیں۔ سریریاتی طب پہلے علمی وفنی حیثیت رکھتی تھی جو رفتہ رفتہ ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے مستقل سائنس کی شکل اختیار کرگئی۔

حکیم محمد سعید کے پختہ اور بالیدہ ذہن نے اسے ہمیشہ سائنٹفک انداز میں سوچا اور برتا ہے۔ "تجربات طبیب" اسی غور و تفحص کی شیرازہ بندی ہے، جس میں سریری ریکارڈ کو حسب ذیل نظام کے تحت ترتیب دیا گیا ہے:

1۔ امراض نظام دوران خون، 2۔ امراض نظام تنفس، 3۔ امراض نظم ہضم، 4۔ امراض نظام بول وتناسل، 5۔ امراض نسواں، 6۔ مقعدی امراض، 7۔ امراض عضلات وعظام ومفاصل، 8۔ جلد وفساد خون، 9۔ امراض نظام اعصاب

روداد کی ترتیب اور سریری ریکارڈ کچھ اس انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔

مریض نمبر : تاریخ : نام : عمر :

جائے پیدائش : موجودہ سکونت : موجودہ حالات :

سابقہ علامتیں : خاندانی حالات : ذاتی حالات :

امتحان مریض : زبان، ضغط الدم، دانت، ذائقہ، امتحان بطن، امتحان صدر، امتحان براز۔

اشارات معالج : یہ حصہ عموماً خاصا تفصیلی ہوتا ہے۔

علاج : مختلف مراحل میں

اشارات علاج :

ایک ایک مرض کے تحت بعض مقامات پر ایک سے زیادہ یعنی 2 تا 5 اصابات کے ریکارڈ کیے گئے ہیں۔ معالج چونکہ مریض کا رازدار ہوتا ہے اور اخفائے راز طبیب کے فرائض منصبی میں شامل ہوتا ہے، اسی لئے مرحوم نے نام کے بجائے مخففات پر اکتفا کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرحوم اخفائے راز کے رموز سے بخوبی واقف تھے۔

تجربات طبیب میں بہت سے سیدالعلاج امراض کا بھی احاطہ کیا گیا ہے، جن کے علاج سے طب جدید قاصر ہے، مثلاً ابطلان عمل الکلیہ Renal Failure جس



سابق سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کرٹ والڈ ہائیم کے ساتھ

کی اہمیت فی زمانہ محتاج وضاحت نہیں۔ یہ بھی امر مسلمہ ہے کہ گردے کی ناکامی کی صورت میں ڈیالDialysis کے مصارف کا تحمل ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اور اگر یہ سہولت میسر آبھی جائے تو مریض چراغ سحری ثابت ہوتا ہے، ادھر ڈیال کی سہولت ختم اُدھر مریض حذف۔ ایسی صورت میں یونانی کے دامن میں اگر علاج شافی میسر آجائے تو اعجاز مسیحائی سے تعبیر کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔

کامیاب معالج کسی ایک اصول یا نسخے تک اپنے کو محدود نہیں رکھتا ہے، بلکہ مرض کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نسخے میں ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کرتا رہتا ہے اور بالآخر وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ حکیم محمد سعیدؒ نے اس اصول کو بڑے اہتمام سے برتا ہے اور بلا کسی مبالغہ آرائی کے درست سریری ریکارڈ پیش کر کے ایک عظیم تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے جو مستقبل میں عملی مطب والے ارباب فن کیلئے رہنما کتاب کا کام کرتی رہے گی۔ تفکر و تدبر حکیم محمد سعید کا وطیرہ تھا۔ جدید و قدیم ذرائع تشخیص پر انھیں عبور حاصل تھا۔ جن کا استعمال اپنی تمام تر حذاقتوں کے باوصف وہ بڑی سیر چشمی سے کرتے تھے۔ اس گرانقدر سریری ریکارڈ سے اس الزام کی بھی تردید ہوتی ہے کہ اطبائے قدیم اپنے سینے میں "مجربات" لے کر دنیا سے چلے گئے۔ انھوں نے معروضی انداز میں اس مفروضہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ اگر معالج کے اندر حذاقت موجود ہے تو ہر مریض کو نئے انداز میں مختلف نسخے تجویز کر کے اور بوقت ضرورت ان میں ترمیم و تنسیخ کر کے باذن اللہ صحت سے ہمکنار کر سکتا ہے دراصل تجویز و تشخیص میں مزاج مریض اور مزاج و خواص ادویہ کی بھرپور آگہی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعتماد کی کمی کی صورت میں مجربات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اور خدانخواستہ پھر بھی ناکامی ہوتی ہے تو الزام "اُس حکیم" کے سر تھوپ دیا جاتا ہے،

"خود فراموشی کند طعنہ دہد استاد را"

حکیم محمد سعید مرحوم نے بین السطور میں زیر نظر کتاب کو حصہ اول قرار دیتے ہوئے سریری ریکارڈ کی ترتیب مزید کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سلسلہ مذکورہ کتاب کی اشاعت 1973ء کے بعد بھی جاری رہا۔ مرحوم کے رفقائے کار سے ہم بجا طور توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ریکارڈ تلاش کر کے جلد از جلد مرتب کر کے شائع کیا جائے تا کہ اس کا فیض ارباب فن تک پہنچ سکے۔ طبی برادری کو بلاشبہ ان تحریروں سے بڑی روشنی ملے گی، علمی دنیا میں بھی اور عملی میدان میں بھی۔

حکیم محمد سعیدؒ نے 78 سال کی طویل عمر پائی۔ ان کی ولادت موجودہ صدی کا بہت بڑا طربیہ تھی لیکن اسی صدی میں ان کی رحلت بھی بہت بڑا المیہ ہے، جس کی تلافی دیر تک نہ ہو سکے گی۔ مرحوم نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قوم و ملت کی امانت کے طور پر برتا۔ بیشمار علمی فنی کارنامے انجام دیئے اور آخری مگر اہم ترین سوغات کے طور پر مدینۃ الحکمۃ جیسی دانش گاہ قوم و ملت کو دے گئے، لیکن ایک قرض ہمارے ذمے چھوڑ گئے، وہ یہ کہ سعید شناسی میں ہم کیا رول ادا کرتے ہیں؟

انسانیت کا علمبردار

ڈاکٹر سمیرا لطیف

"پاکستان سے محبت کرو، پاکستان کی تعمیر کرو" حکیم محمد سعید کی زندگی کا مقصد و محور یہی رہا ہے۔ وہ نہ صرف خود اس پر عمل پیرا رہے بلکہ ہمیشہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔ ان کے پیش نظر وطن عزیز کا مفاد، خدمت، ترقی، تعمیر اور فلاح رہی ہے جس کیلئے انھوں نے اپنا تن من اور دھن قربان کر دیا۔ آج اگرچہ ان کی عظیم شخصیت ہمارے درمیان نہیں ہے لیکن انھوں نے علم کی روشنی آگہی و شعور کے جو چراغ روشن کیے تھے وہ بدستور اپنی تابناکی پھیلا رہے ہیں اور تا قیامت منور رہیں گے۔

تمام زندگی امن کا درس دینے والے یہ ہمدرد، نیک شائستہ مزاج اور نفیس شخص دہشت گردی کا نشانہ بن گئے۔ بلاشبہ یہ بہت بڑا المیہ و سانحہ ہے کیونکہ وہ ملت اسلامیہ کا اثاثہ تھے۔

17/ اکتوبر 1998ء بروز ہفتہ صبح سویرے آرام باغ کراچی کے علاقے میں جس وقت انھیں بے رحمی سے شہید کیا گیا وہ روزے سے تھے اور اپنے قدیمی مطب پر فرائض انجام دینے پہنچے تھے۔ گھر کے قریب واقع مسجد میں نماز فجر باجماعت ادا کی تھی اور گھر سے مطب تک کا سفر خاموش رہ کے تسبیح پڑھتے ہوئے گزارا تھا۔ ایسے عبادت گزار شفیق متقی انسان سے جو خدمت خلق میں مشغول رہتا تھا بھلا کسی کو کیا دشمنی تھی؟ یہ دلخراش خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ان کی شہادت پر ہر فرد تڑپ اٹھا۔ اس دکھ کو امیر غریب سب نے یکساں طور پر محسوس کیا۔ دفاتر، بازار، اسکولوں و کالجوں میں ایک ہی ذکر رہا۔ ہر ایک اشکبار تھا، در و دیوار پر سناٹا چھا گیا۔ بقول خالد شریف۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ایک سچے اور پکے مومن ہونے کے ناطے ان کا موت پر ایمان تھا۔ وہ مار دیئے جانے کی دھمکیوں کو سن کے کہتے تھے جب میرا وقت پورا ہو جائے گا دنیا سے چلا جاؤں گا لیکن ڈر و خوف سے راستہ نہیں بدلوں گا۔

آپ 9/ جنوری 1920ء میں پیدا ہوئے۔ آیورویدک اور طب یونانی میں بی ای ایم ایس اور ڈی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ اردو، انگریزی کے علاوہ عربی اور فارسی بھی جانتے تھے۔ آپ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے صدر، ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر، ہمدرد پبلک سکول کے صدر، ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان کے صدر اور انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اینڈ ریسرچ کراچی کے صدر، انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹیڈیز کے صدر رہے۔ آپ 1979ء سے 1982ء تک طب پر صدر پاکستان کے مشیر/وفاقی وزیر رہے۔ 34 علمی اداروں کے وائس چیئرمین، ممبر اور فیلو تھے۔ ان میں کویت، آسٹریلیا، بھارت، فرانس، امریکہ، برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ شامل ہیں۔ ان کی خدمات کے حوالے سے انھیں کئی اعزازات و اسناد دی گئیں۔ ان میں 1966ء میں ستارہ امتیاز، صادق دوست سرٹیفیکیٹ آف میرٹ، استنبول یونیورسٹی 1981ء اسلامک میڈیسن پرائز کویت 1982ء ابو علی ابن سینا انٹرنیشنل پرائز 1982ء، World No Tobacco Day میڈل ایوارڈ 1995ء، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن، ایوارڈ نیویارک 1996ء برائے صحت، تعلیم و سماجی خدمات، آؤٹ سٹینڈنگ پاکستانی ایوارڈ 1996ء اسلام آباد وغیرہ شامل ہیں۔ وہ 1993ء میں سندھ کے گورنر رہے۔

وہ صلے و ستائش کی تمنا اور نمود و نمائش کے بغیر انسانیت کی خدمت میں مصروف عمل رہتے تھے۔ ان کے نزدیک کام اور مقصد پیش نظر تھا۔ وہ اردو اور انگریزی کے کئی رسائل و جرائد کے ایڈیٹر تھے ان میں ہمدرد صحت جو 1939ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ ہمدرد نونہال 1953ء، اخبار طب 1995ء، پیامی 1977ء سے 1990ء، میڈیکل ٹائمز 1978ء، ہمدرد اسلامیکوز 1978ء اور Endeavour 1987 شامل ہیں۔

اس کے علاوہ 189 کتابوں کے مصنف ہیں جو انگریزی و اردو میں شائع ہوئیں۔ ان کے 500 مضامین سائنس، میڈیسن، ہسٹری اور اسلام پر شائع ہوئے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں وہ 92 پیپرز پڑھ چکے ہیں۔ مختلف کانفرنسوں میں طبی خدمات کے حوالے سے بھی وہ ممتاز اور اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں تین ملین مریضوں کا علاج کیا اور عام آدمی سے لے کر نمایاں و ممتاز شخصیت، سربراہان مملکت وغیرہ تک ان کے زیر علاج رہے۔ وہ لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں بھی مہینے میں ایک بار مطب کرتے تھے۔ واضح رہے کہ وہ مستحق اور نادار مریضوں کا مفت علاج کرتے تھے۔ مدینۃ الحکمت ہمدرد یونیورسٹی کا قیام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

حکیم محمد سعید نے یہ کامیابی برسوں کی ریاضت کے بعد حاصل کی تھی۔

1947ء میں جب وہ پاکستان آئے تو خالی ہاتھ تھے۔ ابتدا میں وہ ایک پسماندہ بستی میں بچوں کو تعلیم دیتے رہے۔ سات ماہ کا عرصہ بہت تنگ دستی میں گزارا۔ پھر انھوں نے آرام باغ میں ایک کمرہ اور ساڑھے بارہ روپے ماہوار پر فرنیچر کرائے پر حاصل کرکے مطب شروع کیا۔ پھر اپنی محنت، نیک نیتی کے باعث ترقی کرتے چلے گئے۔ اللہ نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ اب ان کے ادارے نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ دو ہزار حکیم، فارمسٹ، کیمسٹ اور دوسرا عملہ، جدید ترین مشینری دیگر کامیابیاں اور منصوبے اس کے علاوہ ہیں۔

ہمارا حکیم محمد سعید سے پہلا تعارف بچپن میں ہمدرد نونہال کے ذریعے ہوا تھا۔ پھر ایک دو مرتبہ مختلف تقریبات میں ملاقات ہوئی اور ان کی شخصیت کے کئی نمایاں وصف سامنے آئے۔ ان کی شخصیت میں ایک ایسا سحر تھا جو ہر ایک کو ان کا گرویدہ بنا دیتا۔ ان کی شہادت سے چند روز قبل ہمدرد سیکرٹریٹ ناظم آباد کراچی میں ان سے آخری ملاقات ہوئی وہ ہمیشہ کی طرح پر سکون، پر اعتماد اور مصروف تھے۔ وہ حسب معمول سفید لباس میں ملبوس تھے۔ ان کا روشن چہرہ جگمگا رہا تھا۔ ایک نور سا تھا۔ حسب معمول وہاں ملاقاتیوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو اپنے مسائل اور کام کے سلسلے میں آئے تھے۔ حکیم محمد سعید توجہ اور ہمدردی و غور سے باری باری سب کو بلا کے ان کے مسائل سن رہے تھے، احکامات جاری کر رہے تھے اور دفتری امور انجام دے رہے تھے۔ بشاشت، کشادہ دلی اور شائستگی ان کی پہچان تھی۔ ان میں کسی قسم کا غرور، تکبر اور گھمنڈ نہیں تھا۔ کسے خبر تھی کہ یہ مہربان شخص بہت جلد جدا ہونے والا ہے اور قوم اپنے عظیم اثاثے سے محروم ہو جائے گی۔

یوں تو حکیم محمد سعید کی زندگی میں ان کی شہادت کے بعد اب تک ایک صاحب علم و حکمت، مفکر، اسکالر، ماہر تعلیم، انسان دوست وغیرہ کی حیثیت سے ان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی گھرانے کے سربراہ کے طور پر ان کی شخصیت کے کچھ پہلو بھی ہیں جن کے بارے میں ان کے اہل خانہ نے بتایا۔

شام کے ڈھلتے ہوئے سائے میں ہم نے ہمدرد ہاؤس شکار پور کالونی کراچی میں ان کی اکلوتی صاحبزادی محترمہ سعدیہ راشد اور اہل خانہ سے ملاقات و تعزیت کی۔ سبز رنگ کے کشادہ و سادہ اس مکان میں نفاست جھلکتی ہے۔ لان میں سر سبز پودے اور سبزے کی تازگی ہے۔ وہاں لوگوں کا ایک ہجوم موجود تھا۔ گرچہ ان کی شہادت کو ایک ہفتہ گزرا تھا لیکن کل کی بات لگتی تھی۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد موجود تھے۔ ایک بات واضح طور پر محسوس کی گئی کہ تعزیت کیلئے آنے والے تمام لوگ رنجیدہ اور دل شکستہ و اشکبار تھے۔ ہر ایک نے اس غم کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا۔

محترمہ سعدیہ راشد ایک مہذب، بااخلاق، تعلیم یافتہ، پر اعتماد اور باہمت خاتون ہیں۔ وہ سفید دوپٹے کو سر پہ اوڑھے ہوئے دھیمے لہجے میں مصروف گفتگو تھیں۔ انھوں نے بتایا میرے والد گھرانے کے سربراہ کے طور پر بھی ایک شفیق باپ تھے۔ وہ مکمل طور پر آئیڈیل انسان تھے۔ دنیا کی ہر بیٹی کو فطری طور پر باپ سے زیادہ لگاؤ اور محبت ہوتی ہے۔ مجھے بھی ان سے بے حد محبت تھی اور وہ بھی مجھ پر جان چھڑکتے تھے۔ انھوں نے میری تعلیم و تربیت اور پرورش پر خصوصی توجہ اور شفقت دی۔ بچپن میں انھوں نے میرے بے جا لاڈ نہیں کیے۔ وہ اولاد کو لاڈ میں بگاڑنے کے قائل نہ تھے۔ وہ صحت اور تعلیم کے معاملے میں کوئی غفلت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کے کچھ اصول تھے جن پر وہ ہمیشہ کاربند رہے۔ وہ ڈسپلن کے پابند تھے۔ ان کی تعلیم اور راہنمائی نے زندگی کے پیچ راستوں پر چلنے کا ہنر سکھایا۔ ہمیں شعور کا ادراک حاصل ہوا۔ ان کا مشن انشاءاللہ جاری رہے گا۔

محترمہ سعدیہ راشد، حکیم محمد سعید کی واحد اولاد ہیں۔ آپ کے شوہر کا نام مسٹر راشد ہے۔ آپ کی تین بیٹیاں ہیں۔ حکیم محمد سعید ان کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ قارئین کرام! حال ہی میں ہمدرد (وقف) پاکستان کے بورڈ آف ٹرسٹیز کا اجلاس محترمہ سعدیہ کی صدارت میں مدینۃ الحکمت کراچی میں ہوا جس میں متفقہ طور پر حکیم محمد سعید کے ڈیکلیریشن کے مطابق ان کی بیٹی سعدیہ راشد کو ان کے جانشین کے طور پر ہمدرد (وقف) پاکستان کی چیف متولیہ اور ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کی صدر مقرر کیا گیا ہے۔ اجلاس نے ہمدرد شوریٰ لاہور کی اس قرارداد کی توثیق بھی کی جس میں حکیم محمد سعید کو "شہید پاکستان" کے لقب سے نوازا گیا۔

حکیم صاحب ایک اچھے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شوہر بھی تھے۔ ان کی اہلیہ کا نام "نعمت بی بی" تھا جن کا کئی برس پہلے انتقال ہو گیا۔ محترمہ نعمت بی بی یعنی مسز حکیم محمد سعید نے زندگی کے کٹھن دور میں اپنے شوہر کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ نہ صرف ان کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں بلکہ عملی طور پر بھی اپنے زیورات فروخت کر کے مدد کی۔ حکیم محمد سعید نے ہمیشہ ان کے حوصلے کو سراہا اور ذاتی انٹرویوز میں اعتراف کیا کہ اگرچہ ہماری شادی والدین کی طے کردہ تھی لیکن ہمارے درمیان اعتماد، ذہنی ہم آہنگی اور اخلاص کا رشتہ تھا جس کی وجہ سے یہ رفاقت بہت کامیاب رہی اور ہمیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔ خود حکیم محمد سعید بھی بطور شوہر کے بہترین ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنی اہلیہ کو کبھی تنگ نظر، محدود سوچ رکھنے والے روایتی مردوں کی طرح بیٹا نہ ہونے کا طعنہ نہ دیا بلکہ ایک حالیہ انٹرویو میں بشاشت سے کہا "میری ایک بیٹی ہے بیٹا کوئی نہیں اور اچھا ہے کہ بیٹا نہ ہوا ورنہ پتہ نہیں کیا ہوتا" ہنستے ہوئے لطیف پیرائے میں یہ جملہ کہا تھا۔ عموماً بیویاں اپنے شوہر سے ان باتوں پر نالاں رہتی ہیں کہ وہ دوست یاروں میں گھوم پھر کے وقت برباد کرتے ہیں، سنیما، تاش، چائے، پان سگریٹ کے شوق رکھتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ایسی کوئی علت نہ پالی تھی۔ وہ ان خرافات سے کوسوں دور رہے۔ کبھی مرغن ثقیل کھانوں کی فرمائش نہ کی۔ ہمیشہ سادہ کھانا کھاتے اور دوپہر کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ وہ ایک ناشتے ایک کھانے کے قائل تھے اور دوسروں کو بھی اس کیلئے کہتے۔ اگر ایک لفظ سے ان کی شخصیت واضح اور اجاگر کرنی ہو تو وہ "سادگی" ہے۔ سادہ مزاج، سادہ لباس، سادہ غذا، سادہ زندگی۔ وہ اپنا لباس خود دھویا کرتے تھے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ وہ ہمیشہ اچکن شیروانی اور پاجامہ سفید رنگ کا

دھرتی ماں کا عظیم سپوت

دستار علی شاہ

راچی کو دہشت گردی کے واقعات سے محفوظ کرنے کیلئے اور دہشت گردوں کے
کارروائی کرنے کے لئے ایک ماہ قبل حکومت نے فوج سے مدد طلب کی جس کے
میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ جب حکومت دہشت گردوں کو رہا کرنے کی پالیسی پر
پیرا ہے تو فوج کس طرح امن وامان بحال کر سکتی ہے۔ اور حکومت کے اسی سوچ
رسیاسی گٹھ جوڑ کے نتیجے میں سترہ اکتوبر کو پاکستان کی دھرتی کے عظیم بیٹے جنھوں
ھرتی ماں کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی جنھوں نے دھرتی ماں کے لاوارث
ں کو طب تعلیم اور شعبہ ہائے زندگی کے دوسرے شعبوں میں بے بہا خدمات پیش
لآخر اسی کے دھرتی ماں پر قربان ہو گئے۔
جنی حکیم محمد سعید سابق گورنر سندھ بھی دہشت گردی کا نشانہ بن گئے جہاں ان
ں ناگہانی موت کا اثر اقتدار کے ایوانوں کو ہلا گیا وہاں ہر محب وطن پاکستانی کی
ں بھی خون کے آنسو روئیں۔ حکیم محمد سعید جیسے لوگوں کے متعلق علامہ اقبال
رے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بالکل صحیح ترجمانی کرتا ہے کیونکہ حکیم محمد سعید جیسی شخصیات قوموں کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ عظیم باپ کی عظیم بیٹی نے جب ہسپتال سے لاش وصول کی تو اس نے کہا کہ حکیم صاحب آج دھرتی ماں پر قربان ہو گئے ہیں۔ حکیم محمد سعید جب سندھ کے گورنر بنے تو حکومت نے انھیں سرکاری گاڑی اور باڈی گارڈز دیئے۔ جس کو انھوں نے ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا کہ "جو رات زمین کے نیچے ہے وہ زمین کے اوپر کسی طرح نہیں آسکتی" حکیم مرحوم ہمدرد فاؤنڈیشن کے بانی اور معروف دانشور تھے۔ وہ سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی لائبریری میں چار لاکھ سے زیادہ کتابوں کا خزانہ ہے۔

حکیم محمد سعید جس وقت دہشت گردی کا نشانہ بنے تو اس وقت وہ روزے سے تھے۔ اس سانحے کے بعد عوام اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ حکومت اس وقت تک قتل وغارت اور دہشت گردی پر قابو نہیں پا سکتی جب تک قانون سب کیلئے برابر نہیں ہوتا۔

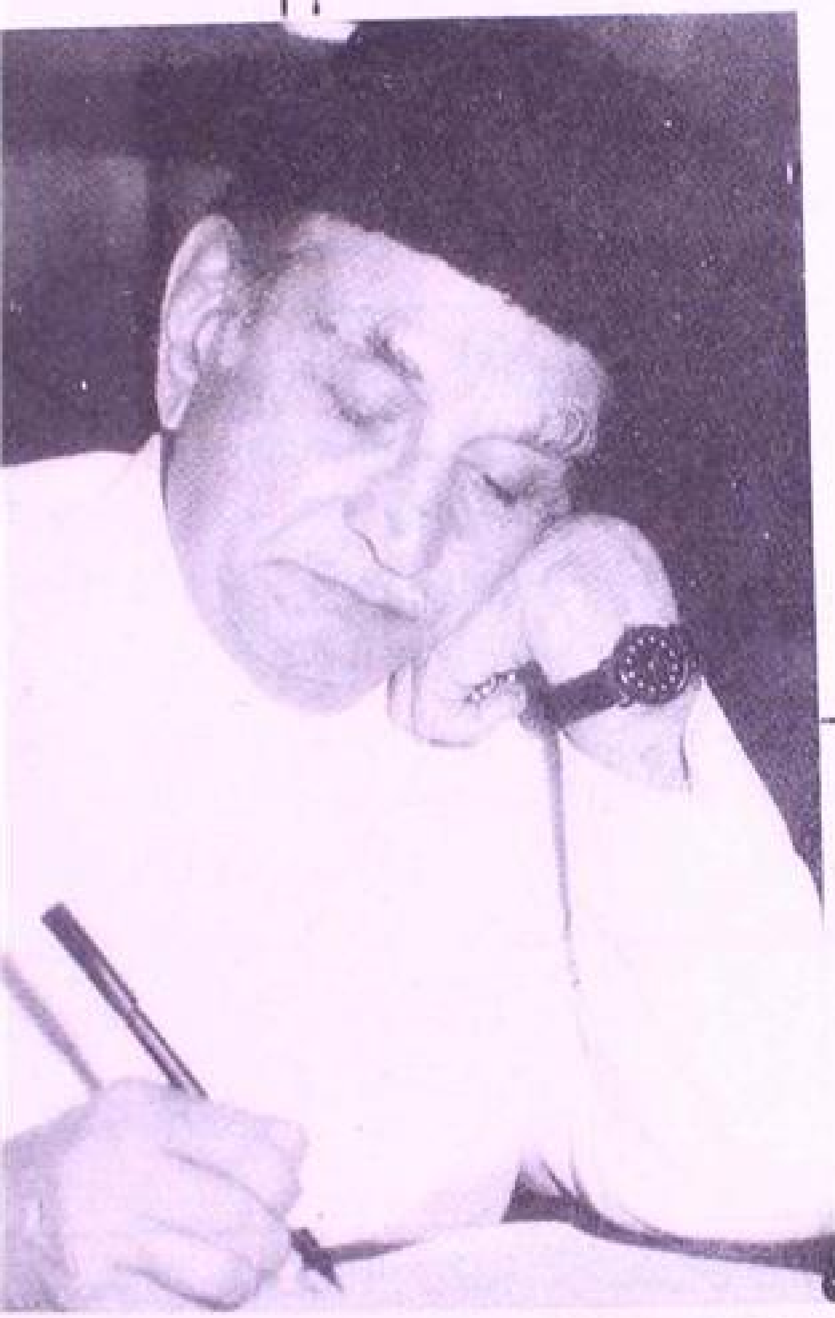
تن کرتے یہی برسوں سے ان کا لباس تھا۔ ہر تقریب میں بھی اسی اجلے لباس
ن کے شرکت کرتے۔ سوٹ پینٹ کوٹ برسوں قبل ترک کر دیا تھا۔ انھیں
بد سلیقگی اور بد نظمی سے چڑ تھی۔ وہ ہر دم فعال و متحرک رہتے اور وقت کا
ا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک کا بھی ایک عبادت تھا جسے وہ
خضوع سے کرتے۔ انھوں ن ہمیشہ ٹائم ٹیبل اور شیڈول کے مطابق اپنے
لات رکھے جس میں آرام کم اور کام زیادہ تھا۔
حکیم محمد سعید کی تین ذہین وہونہار نواسیاں ہیں۔ ان کی ایک نواسی فاطمہ جو
ں کالج میں زیرِ تعلیم ہے۔ اس نے کہا ہمارے نانا ابو بہترین انسان تھے۔ وہ ہم
ں سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ دوستوں کی طرح رہتے
۔ آپس میں ہنسی مذاق، بات چیت، چھیڑ چھاڑ جیسے خوبصورت زندگی کے بھرپور
ے تھے۔ ہم آپس میں ہر خوشی غم اور بات کو شیئر کرتے تھے۔ نانا ابو کو بچوں اور
انوں سے بہت پیار تھا۔ وہ انھیں مستقبل کا معمار تصور کرے اور ان کی تربیت
کوشاں رہتے۔ تمام پاکستان کے بچوں سے وہ دلی محبت کرتے تھے۔ ان کی صحت
م کیلئے اقدامات کرتے تھے۔ ان کے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنا چاہتے تھے جو
انی قوم کو بدتر و ممتاز بنائیں۔ اپنی زندگی کی آخری شام بھی انھوں نے 16/ اکتوبر

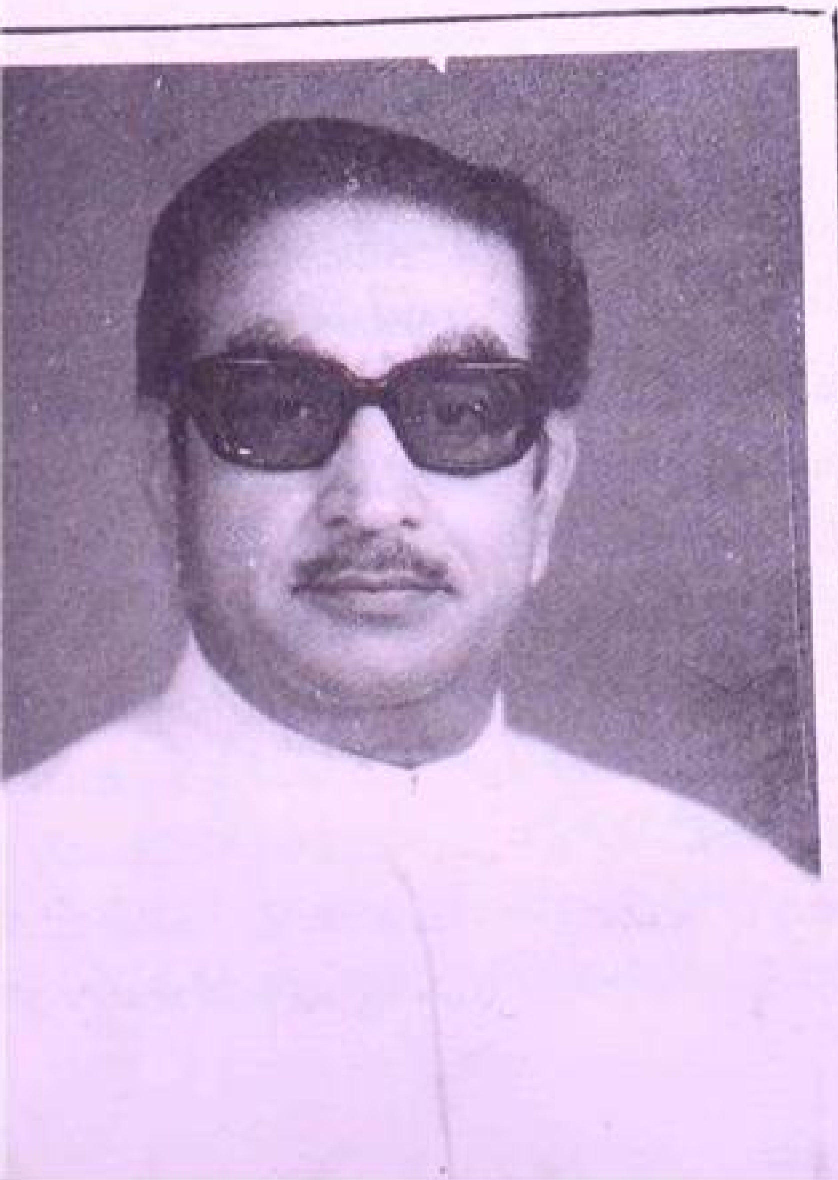
1998ء کو ہمدرد نونہال اسمبلی سے خطاب کیا۔

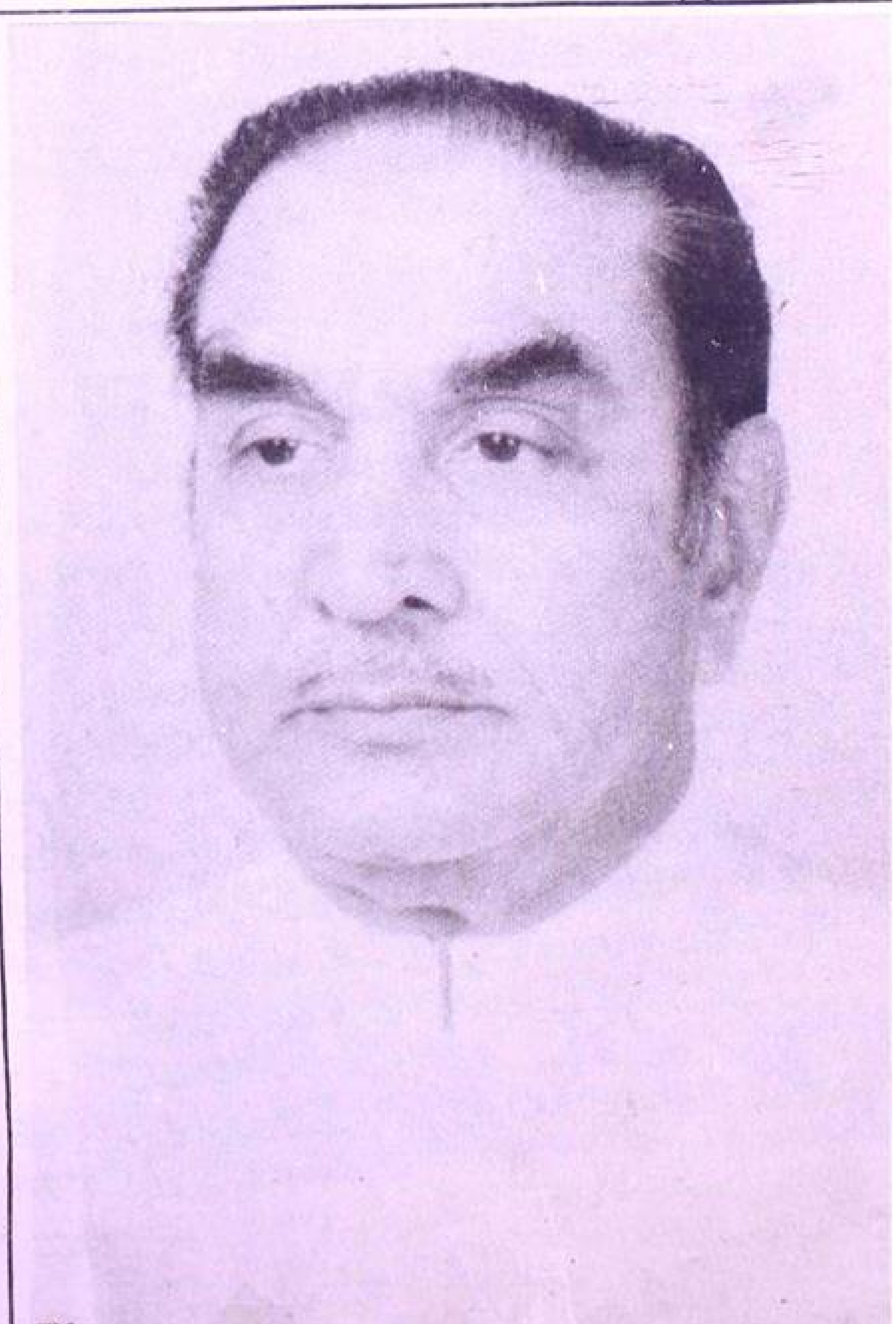
اگلے روز صبح سویرے جب وہ حسب معمول اپنے مطب جا رہے تھے تو ان کا روزہ تھا۔ میں انھیں خدا حافظ کہنے دروازے تک آئی اور کہا شام کو جلدی واپس آیئے گا میں آپ کیلئے کسٹرڈ بناؤں گی۔ انھیں پکوڑے ناپسند تھے لیکن میں انھیں چھیڑنے کی غرض سے کہا کہ پکوڑے بھی بناؤں گی۔ یہ سن کے وہ مسکرانے لگے اور بولے اچھا بنا لینا پکوڑے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شام زندگی میں کبھی نہیں آئے گی اور ان کا انتظام تمام زندگی رہے گا۔ وہ یوں کھو جائیں گے کہ ہم ہمیشہ ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔

اب ہم ان کے کپڑے، کتابیں، قلم، کاغذ، جوتے اور دیگر چیزیں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ کہیں باہر گئے ہیں اور ابھی مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہونگے سب کو آوازیں دیتے ہوئے۔ اور ہم سب ان کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ نانا ابو بچپن میں ہمیں کہانیاں سناتے تھے۔ ان کی کہانیوں میں وطن سے محبت، صداقت، ہمت اور محنت کا درس ہوتا تھا۔ ان کی ہر بات ہر چیز ایک یادگار کا درجہ رکھتی ہے۔ ہم انھیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے۔

ایک شخصیت
مختلف انداز







حکیم محمد سعید کی دوامی یادگار

مدینۃ الحکمۃ

اکبر رحمانی

انسان چلا جاتا ہے لیکن اس کے فلاحی کام اس کی یادگاریں رہتی دنیا تک اس کے نام کو زندہ رکھتی ہے۔ علم و صحت کو فروغ دینے کے لئے مدینۃ الحکمہ قائم کر کے حکیم محمد سعید مرحوم نے دربار دوام میں اپنی جگہ بنالی ہے اور آنے والی نسلوں کیلئے ایک زندہ یادگار چھوڑی ہے۔ ان کے ذہن میں صحرائے سندھ میں مدینۃ الحکمۃ قائم کرنے کا خیال کیسے آیا اس کے متعلق 'خبر نامہ' میں رقمطراز ہیں:

"حرم پاک پر محیط تجلیات کا نظارہ کرنے اور وہاں کی معطر و مطہر فضا سے قلب و روح کو سیر کرنے کے مواقع الحمد اللہ اوائل عمر سے ملتے رہے۔ ایک ایسا ہی مبارک موقع تھا کہ جب میں صحن حرم میں موجود تھا اور اس بیت معمور کے فضائل و برکات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس دوران میں میرے ذہن میں قرآن حکیم کی وہ آیات آئیں جن میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے تعمیر کردہ حرم کعبہ کو بھی نوع انسان کے لئے فیض و منفعت کا وسیلہ بنائے جانے کا ذکر ہے۔ اس عالم میں میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اپنے فضل و کرم سے کسی ایسے کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے جو اس کے بندوں کے لئے فیض رساں اور فیض بخش ثابت ہو۔ دل کی گہرائی سے نکلنے والی اس دعا کا اثر تھا کہ اس جگہ مدینۃ الحکمہ کی تعمیر کا خیال دل میں آیا۔ اس یقین و ایقان کے ساتھ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری دعاؤں کو شرفِ قبول بخشا ہے میں نے باب الاسلام سندھ میں مدینۃ الحکمۃ کو وجود دینے کے لئے منتخب کیا اور پھر باب الاسلام میں بعد از تلاش بسیار نبد مراد خاں کے تاریخی مقام کا انتخاب کیا اور ۲۷ رمضام المبارک کو یوم نزول قرآن کی مبارک ساعتوں میں یہاں ایک قطعہ زمین (350 ایکڑ) حاصل کر لیا۔ میرے ذہن و گمان میں بھی نہ تھا کہ مدینۃ الحکمہ کیلئے جو قطعہ زمین میں نے بہ توفیق الٰہی خریدا ہے اس کو یہ مرتبہ و تقدس بھی حاصل ہے کہ مجاہد اسلام سپہ سالار محمد بن قاسم کے اولین قدوم کو اسی سرزمین نے چوما تھا۔ خرید کردہ قطعہ زمین کے چاروں طرف پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے۔ صحرا میں اس قطعہ زمین پر ایک باغ ہو جو ضمانت اس بات کی کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ قطعہ زمین باغ و بہار ہوگا علم و حکمت کے سوتے پھوٹیں گے۔ پھر خیال آیا کہ اس سرزمین کا ماضی کیا ہے؟ تاریخ کا مطالعہ نہایت دلچسپ ثابت ہوا۔ ایک نکتہ یہ حاصل ہوا کہ سپہ سالار محمد بن قاسم کا داخلہ سندھ براستہ خشکی ہوا تھا۔ گو کہ اس کی افواج سمندر کی راہ بہ مقام دیبل داخل سندھ ہوئیں۔ محمد بن قاسم نے شیراز کی راہ پیدا ہوتے ہوئے جس سرزمین پر اپنے قدم جمائے وہ زمین قطعی طور پر یہی ہے کہ الحمد اللہ میں نے شہر مملکت و حکمت بسانے کے لئے خریدی ہے۔۔۔ 150 علماء و فضلاء نے 15/دسمبر 1983ء کو مدینۃ الحکمۃ کا سنگ اساس فرمایا۔ ہر صاحب علم و حکمت نے ایک ایک اینٹ جمائی اور پھر دست ہائے دعا دراز ہوئے۔ تمام صاحبان علم و حکمت کے نام ہائے گرامی سنگ اساس پر کندہ ہیں۔ لاریب اس انداز سے سنگ اساس شاید دنیا میں پہلی بار نصب کیا گیا ہے۔"

علم و حکمت کے شہر مدینۃ الحکمۃ میں ہمدرد یونیورسٹی اور اس سے متعلق تعلیمی ادارے 'ہمدرد پبلک اسکول اور سنٹرل لائبریری۔ بیت الحکمۃ کی عظیم الشان اور خوبصورت عمارتیں وجود میں آچکی ہیں۔ اسٹیڈیم 'مدینہ مسجد' اسکالر ہاؤسیز اور دیگر تعلیمی و طبی عمارتوں کا کام جاری ہے۔

ہمدرد یونیورسٹی

مدینۃ الحکمہ میں 178 ایکڑ زمین پر ہمدرد یونیورسٹی کیمپس قائم ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک، 17/جون 1985ء کو یونیورسٹی کا سنگ بنیاد اس وقت کے پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے ہاتھوں رکھا گیا تھا لیکن اسے قانونی طور پر باقاعدہ یونیورسٹی بننے کے لئے چھ سال کا عرصہ لگا یعنی 1991ء سے یونیورسٹی نے باقاعدہ کام کرنا شروع کر دیا۔ سات سال کے نہایت قلیل عرصے میں اس نے جس تیزی سے ترقی کی ہے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں ابتدائی سے لے کر اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہے۔

ہمدرد یونیورسٹی کی بنیاد جس تعلیمی فلسفہ پر رکھی گئی ہے اس کے اہم نکات یہ ہیں۔ (۱) اسلامی اخلاقیات کو ذہن نشین کرانا۔ (۲) اخلاقی اقدار پر مبنی تعلیم دے کر طلبہ کی کردار سازی کرنا۔ (۳) جدید علوم و فنون کی تعلیم دے کر انھیں آنے والے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کا اہل بنانا (۴) نادار طلبہ کو میرٹ کی بنیاد پر داخلے دے کر انھیں ترقی کے مواقع فراہم کرنا۔ (۵) اعلیٰ معیارات تعلیم کا قیام جو عالمی معیارات کی کسوٹی پر اترے۔ اس یونیورسٹی کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ آج اس یونیورسٹی میں چار ہزار سے زائد طلبہ و اساتذہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ فریضہ تعلیم و تعلم انجام دے رہے ہیں۔

اس یونیورسٹی میں مندرجہ ذیل شعبے عالمی معیار کی کسوٹی کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

(۱) ہمدرد فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز (HIMS):

یہ ملک کا پہلا بزنس اسکول ہے جو باصلاحیت اور پر عزم طلبہ کو بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ مینجمنٹ کی تعلیم کے حصول کیلئے نت نئے مواقع فراہم کر رہا ہے۔ یہاں B.B.A اور M.B.A کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت اس ادارہ میں ایک ہزار سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ جنھیں بہترین اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ سے حصول تعلیم کے مواقع حاصل ہیں۔ یہ اساتذہ دنیا کی معروف یونیورسٹیوں مثلاً ہارورڈ' اسکفورڈ' کیمبرج' وہارٹن' میگنگل' لندن' کیلی فورنیا' اور یگن اور ہیگ وغیرہ سے ڈگری یافتہ ہیں۔ کلاس رومز ایرکنڈیشنڈ اور جدید کمپیوٹر سے لیس ہیں۔ کمیونیکیشن لیبارٹری اور ایک وسیع لائبریری بھی ہے۔

یہ ادارہ ملک کے نوجوانوں کو ایسی تعلیم وتربیت سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اگلی صدی کی تجارتی صنعتی میدان میں ملکی ضروریات کی تکمیل کر سکیں چنانچہ اس ادارے سے جو 75 طلبہ ڈگریاں لے کر نکلے ہیں ان میں سے 42 ملٹی نیشنل کمپنیوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور 32 ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پا رہے ہیں۔ اس ادارے کی عمارت قریب 10 کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہو چکی ہے۔ تجارتی حلقوں میں اس ادارے نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔

یہ ادارہ نعمت ہال میں واقع ہے۔ یہ ہال حکیم محمد سعید کی بیوی نعمت النساء کی یادگار میں تعمیر کیا گیا ہے۔

(۲) فیکلٹی آف ہیلتھ اینڈ میڈیکل سائنسز:

اس فیکلٹی کے تحت ہمدرد کالج آف میڈیسن اور ہمدرد کالج آف ایسٹرن میڈیسن قائم ہے۔ اول الذکر 5 سالہ کورس کی تکمیل پر ایم بی بی ایس کی ڈگری دیتا ہے۔ کالج میں تجربہ کار' کہنہ مشق اور سینئر میڈیکل اساتذہ کا تقرر کیا گیا ہے اور کالج کی تعلیم وتربیت کا معیار پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل کے تقاضوں کے عین مطابق رکھا گیا ہے۔ خاص طور پر کلینکل ایجوکیشن اور ٹریننگ پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ اس غرض سے ہمدرد یونیورسٹی اسپتال کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو سابقہ تاج میڈیکل کمپلیکس کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ اسپتال تمام جدید آلات وسہولیات سے آراستہ ہے اس میں نرسوں کیلئے ریفریشرز کورسز بھی شروع کئے گئے ہیں۔ یہ کورسز بلامعاوضہ کرائے جا رہے ہیں۔ ہمدرد یونیورسٹی اسپتال میں پہلی منزل سے پانچویں منزل تک اسپیشلسٹ کنسلٹنٹ ڈاکٹرز صاحبان بیٹھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسپتال کے اسپیشلسٹ ٹاکٹرز بھی ہوتے ہیں۔ بلڈنگ کے بیسمنٹ (Basement) میں او پی ڈی اور ایمرجنسی یونٹ ہیں اور 6 منزل سے لیکر 12 منزل تک جنرل وارڈ' اسپیشل وارڈ' آپریشن تھیٹرز' ایکسرے روم' لیباریٹریز' آئی سی یو' سی سی یو' کیفے ٹیریا اور دفاتر ہیں۔ یہ تاج میڈیکل کمپلیکس میں فی الحال 247 بیڈ کا انتظام ہے جسے آئندہ بڑھا کر 340 کیا جانے والا ہے۔ دوسرا اسپتال زین العابدین اسپتال ہے۔ جس میں بیرونی مریضوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہاں فی الحال 100 بیڈ کا انتظام ہے۔ 1998ء میں اسے 160 تک توسیع کا پروگرام ہے۔

ہمدرد کالج آف ایسٹرن میڈیسن' پروفیسر حکیم عبدالحنان کی پرنسپل شپ میں ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہے۔ یہ ہمدرد طبی کالج جو 1958ء میں قائم ہوا تھا' کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ یہ کالج قدیم اور جدید طب کے قابلِ عمل امتزاج کا حامل ہے۔ یہاں نصابی سرگرمیوں کو تازہ دم رکھنے کے لئے غیر نصابی سرگرمیاں بھی جاری رہتی ہیں۔ یہاں مشرقی طب پر تحقیق بھی کی جاتی ہے۔ یہاں سے کامیاب طلبہ کو B.E.M.S کی ڈگری دی جاتی ہے۔

ہمدرد کالج آف میڈیسن 300 اور ہمدرد کالج آف ایسٹرن میڈیسن میں 119 طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ کالج آف ایسٹرن میڈیسن کے تحت کمیونٹی ہیلتھ سینٹر مدینۃ الحکمۃ کے قرب وجوار میں واقع انتالیس دیہات کے باشندوں کو مفت علاج ومعالجہ کی سہولتیں مہیا کر رہا ہے۔ یہ سینٹر عوام میں کافی مقبول ہے۔ صرف اگست ر ستمبر 1997ء میں اس سینٹر نے 8952 مریضوں کا علاج کیا۔ سینٹر میں یونانی اور ایلوپیتھی ادویات سے علاج کے لئے طبیب اور ڈاکٹرز روزانہ صبح 10 بجے تا 12 بجے موجود ہوتے ہیں۔ تمام مریضوں کو بلاقیمت ادویات دی جاتی ہیں۔ اس سینٹر سے علاقے کے عوام اور خصوصاً غریب ونادار مریضوں کو کافی سہارا مل رہا ہے۔ اس کے علاوہ طلبہ وطالبات کی تربیت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

سینٹر فار ہارٹی کلچر:

وزارت زراعت حکومت جرمنی کے تعاون سے کم پانی میں زیادہ کاشت کے لئے ایک سینٹر فار ہارٹی کلچر کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسی طرح اس پروگرام کے تحت زراعت میں استعمال شدہ آب پاشی کے پانی کو دوبارہ قابلِ کاشت بنایا جاتا ہے۔ اس منصوبے سے صحرا کے کسانوں کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ مستقبل میں بھی مدینۃ الحکمۃ کے نواحی دیہات اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ یہاں مختلف قسم کی ولایتی سبزیاں اگانے کے حیرت انگیز کامیاب تجربے کے گئے ہیں۔ بارش کے پانی سے ادویاتی پودوں کی فصل اگانا ایک کارنامہ ہے۔

ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ سوشل سائنسز:

اس ادارے کے تحت B.Ed. , M.Ed. اور تعلیم میں Ph.D. کے کورسز چلائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ان ایجوکیشن ریسرچ اور ملازمت کے دوران اساتذہ کی تربیت کا پروگرام بھی منعقد کرتا ہے۔ تعلیم وتربیت کے مختلف موضوعات پر کانفرنس اور سیمینار بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ابتدائی جماعتوں' ثانوی مدارس' اعلیٰ ثانوی مدارس اور کالجوں کے اساتذہ کے لئے ریفریشر کورسز ہوتے ہیں۔ اس وقت Ph.D. پروگرام 23, M.Ed. میں 36, B.Ed. میں 114 اور پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما میں 10 طلبہ وطالبات زیر تعلیم وتربیت ہیں۔ غرض یہ ادارہ ڈاکٹر محمد قاسم صدیقی کی سربراہی میں

اساتذہ کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔

ہمدرد پبلک اسکول :

مدینۃ الحکمہ میں ہمدرد پبلک اسکول سب سے پہلا قائم ہونے والا تعلیمی ادارہ ہے۔یہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا نہایت باوقار ادارہ ہے۔بلکہ اسے پرائڈ آف پاکستان کہنا چاہئے۔صدر پاکستان محمد رفیق تارڑ نے ہمدرد پبلک اسکول کے مختلف شعبوں کا دورہ کرنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے ہاں ایسے معیاری تعلیمی ادارے قائم ہوں جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظریاتی تربیت کے ساتھ ساتھ جدید عصری تقاضوں کو بھی خاطر خواہ اہمیت دیتے ہوں۔اس اعتبار سے ہمدرد پبلک اسکول ایک قابل تحسین تجربہ ہے۔مجھے اس اسکول کا یہ پہلو بہت پسند آیا کہ یہاں بچوں کو نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف مہارتوں کی پیشہ وارانہ تربیت بھی دی جاتی ہے۔“

ہمدرد پبلک اسکول میں اس وقت مجموعی طور پر ڈیڑھ سو کے قریب ٹیچرز ہیں۔عالمی نقشہ جات سے مزین درسی کمرے ،ویڈیو تعلیم کے کمرے اور صنعتی تربیت کے مراکز ہیں۔یہاں طلبہ کو فوجی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ہمدرد پبلک اسکول میں شام کی کلاسیں شروع کی گئی ہیں۔جن میں قرب وجوار کے دیہاتی بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ہمدرد پبلک اسکول کے طلبہ میٹرک کے امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔گذشتہ سال اس کا نتیجہ سو فیصد تھا۔طلبہ اے ون اور اے گریڈ میں کامیاب ہوئے تھے۔امسال بھی میٹرک کا نتیجہ سو فیصد ہے۔کل 67 طلبہ امتحان میں بیٹھے تھے جن میں سے 32 نے A-1 گریڈ اور 31 نے A گریڈ جبکہ صرف 4 نے B گریڈ حاصل کیا۔

بیت الحکمہ کے قرب وجوار کے دیہاتی بچوں کے لئے شام میں جو کلاسیں ہوتی ہیں ان میں طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔درسی کتابیں بھی انھیں مفت دی جاتی ہیں۔بس سروس فری ہے۔جو مختلف دیہاتوں سے طلبہ کو لانے لے جانے کا کام کرتی ہے۔اس وقت پہلی جماعت کے چھ سیکشن ہیں۔جن میں دو سو طلبہ مفت تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ذریعہ تعلیم اردو اور انگریزی ہے۔انگریزی ،اردو، سائنس ،ناظرہ قرآن ،کھیل کود اور ہنڈی کرافٹ کی تعلیم دی جاتی ہیں۔اہم نصابی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔جیسے قرأت ،نعت خوانی ،تقاریر ،سیر وتفریح ،تعلیمی فلمیں دکھانا وغیرہ۔داخلہ فیس نہیں لی جاتی۔یونیفارم بھی مفت دیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں شناختی کارڈ بھی فراہم کیا جاتا ہے۔طلبہ کا گاہے بہ گاہے طبی معائنہ بھی کیا جاتا ہے۔اسکول کا آغاز اسمبلی سے ہوتا ہے۔پہلے تلاوت قرآن ہوتی ہے۔اس کے بعد اخلاقیات پر مختصر تقریر اور پھر قومی ترانہ گایا جاتا ہے۔اس کے بعد طلبہ اپنے اپنے کلاس روم میں جاتے ہیں۔ہمدرد پبلک اسکول میں جماعت اول سے جماعت دہم تک تعلیم کا انتظام ہے۔کلاسیں دوپہر میں 2 بجے سے 5 بجے تک چلتی ہیں۔صاف ستھری کلاسیں اور تعلیمی ماحول ہے۔صبح کے اوقات میں ذہین اور باصلاحیت بچوں کی علاحدہ کلاسیں ہوتی ہیں۔1997ء سے سائنس اور کامرس کالجوں کا آغاز ہوا۔پری میڈیکل میں 33 اور پری انجینئرنگ میں 31 طلبہ پڑھ رہے ہیں۔

ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی :

گذشتہ دنوں ہمدرد یونیورسٹی نے ایک نہایت جرأت مندانہ اقدام کیا ہے اور وہ ہے ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی کا قیام۔پاکستان میں ایسا اقدام پہلی بار ہوا ہے۔یہ اپنی مثال آپ ہے اس پر تقریباً 10 کروڑ روپے لاگت آئی ہے۔اس کی جدید عمارت عصر حاضر کی ہر ٹیکنک سے آراستہ ہے اس میں تقریباً ایک سو نوجوانوں نے داخلہ لیا ہے۔اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے محرک ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر عبدالقدیر ہیں۔جو ہمدرد یونیورسٹی کے بورڈ آف گورنرز کے رکن بھی ہیں۔یہ انسٹی ٹیوٹ جلد ہی سوفٹ ویئر (Software) تیار کرے گی اور انھیں برآمد کرے گی۔یہ ادارہ ماسٹر آف سائنس اور انڈسٹریل الیکٹرونکس اور کمیونیکیشن میں B.E. کی ڈگریاں دے گا۔

فیکلٹی آف فارمیسی :

کراچی یونیورسٹی کے سابق ڈین فیکلٹی آف فارمیسی ڈاکٹر ایس آئی احمد کی سربراہی میں اس شعبہ کا انتظام کیا گیا ہے۔1998ء میں ڈی فارم کورس شروع کرنے کے انتظامات کئے جارہے ہیں۔

بیت الحکمہ. سنٹرل لائبریری :

مدینۃ الحکمہ کی عظیم الشان لائبریری ہے۔یہاں مختلف موضوعات پر اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں میں لاکھوں کتابوں کا ذخیرہ ہے۔پوری دنیا بھر سے ہزاروں اخبارات ،رسائل وجرائد آتے ہیں۔لائبریری میں تمیں لاکھ تراشہ ہائے اخبارات محفوظ ہیں۔مائکرو فلمیں اور کمپیوٹر سسٹم سے لیس مخطوطات کا ایک علاحدہ شعبہ ہے جس میں قرآن حکیم اور دیگر علوم وفنون کے قدیم ترین نسخے ہیں۔برصغیر ہندوپاک کے ممتاز قلمکاروں کے تحریر کردہ مسودات کثیر تعداد میں محفوظ ہیں۔اکیڈمک ریسرچ کے ڈائریکٹر حکیم نعیم الدین زبیری اور لائبریرین ممتاز الاسلام ہیں۔اب یہاں اسکالر Ph.D. کی تحقیقات کے لئے بھی آتے ہیں۔اسکالروں کی رہائش کے لئے معقول انتظام بھی کیا گیا ہے۔رات 12 بجے تک اس لائبریری سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔بیت الحکمہ اور ہمدرد یونیورسٹی کے اداروں کو انٹرنیٹ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر حکیم محمد سعید تھے اور وائس چانسلر ڈاکٹر ایم ایچ قاضی ہیں۔محترمہ سعدیہ راشد ،ہمدرد فاؤنڈیشن کی نائب صدر ہیں۔ہمدرد فاؤنڈیشن ہر سال غریب ونادار طلبہ کو لاکھوں روپے کے تعلیمی وظائف دیتا ہے۔بچوں کے لئے خوب صورت رسالہ ”ہمدرد نونہال“ ہر ماہ پابندی سے چھپتا ہے۔علاوہ ازیں ”ہمدرد صحت“ اور ”اسلامکس“، ”آواز خلق“ اور ”خبرنامہ“ جیسے رسالے بھی شائع ہوتے ہیں۔

حکیم محمد سعید کی اردو تصانیف

حکیم محمد سعید تحریر اور تقریر کے میدان میں بھی عالمی شہرت کے حامل تھے۔نہایت ذہین اور خلاق – زبان پر انھیں مکمل عبور حاصل تھا۔ان کے سفر ناموں اور بیانیوں میں بھی تخلیقی شان ملتی ہے۔ ان کی تحریروں اور تقریروں کا بنیادی مقصد زندگی اور فن کی تعمیر کردار واخلاق کی تہذیب وتربیت ہوتا تھا۔معیاری مگر عام فہم زبان میں حکمت ودانائی کے نکتے بیان کرنے کا فن انھیں آتا تھا۔یہاں حکیم صاحب کی بعض معروف تصانیف کی تفصیل دی جارہی ہے۔(ڈاکٹر) خاور ہاشمی

نمبر شمار — نام کتاب

1۔ نورستان (ڈیلکس ایڈیشن)
2۔ نورستان (تبلیغی ایڈیشن)
3۔ نورستان (طالب علم ایڈیشن)
4۔ خودی، تعلیمات نبویؐ
5۔ خودی، مفکرین اسلام
6۔ نظریہ وفلسفہ تعلیم اسلامی جلد اول
7۔ نظریہ وفلسفہ تعلیم اسلامی جلد دوم
8۔ تصور ریاست اسلامی
9۔ دانائے سبل
10۔ قرآن مقصد ومنہاج
11۔ شاہراہ زندگی
12۔ عرفانستان
13۔ فکرستان
14۔ سب سے بڑے انسان (چھوٹا سائز۔اردو)
15۔ سب سے بڑے انسان (پاکٹ سائز۔اردو)
16۔ دتولونہ لوئے انسان (پشتو ترجمہ۔سب سے بڑے انسان)
17۔ سب سے بڑے انسان (گجراتی ترجمہ)
18۔ سب سے بڑے انسان (سندھی ترجمہ)
19۔ سب سے بڑے انسان پنجابی ترجمہ)
20۔ مقالات شام ہمدرد، 66-1965ء
21۔ مقالات شام ہمدرد (احترام) 1972ء
22۔ مقالات شام ہمدرد (آؤ محبت کریں) 1985ء
23۔ سائنس اور فنیات
24۔ تعلیم۔مقاصد ومسائل (مجلد)
25۔ افکار اشخاص
26۔ محبت کی باتیں
27۔ اکیسویں صدی کی جانب (جلد اول)
28۔ اکیسویں صدی کی جانب (جلد دوم)
29۔ مسائل وافکار
30۔ ایک مسافر چار ملک
31۔ کوریا کہانی
32۔ سوئزر لینڈ میں میرے چند شب وروز
33۔ شب وروز مع تاثرات سفر دمشق، حلب، جدہ
34۔ ماہ سعید۔انگلستان، جرمنی، پاکستان میں 36 مصروف دنوں کی یادداشتیں
35۔ دیگ رواں
36۔ ماورالبحار
37۔ درون روس۔دیدو شنید
38۔ تجربات طبیب (مجلد)
39۔ قلب اور صحت
40۔ دق وسل۔اسباب علامات اور علاج
41۔ صحت اور درسگاہ
42۔ سائنس اور معاشرہ
43۔ ضبط تولید اور اصلاح نسل
44۔ طب اور سائنس
45۔ کتاب الابدان۔جلد اول
46۔ ماہ وروز۔روزنامچہ سفر روس
47۔ نقوش سیرت (مکمل سیٹ)
48۔ قاعدہ صحت
49۔ چند مشہور طبیب اور سائنس داں

50۔ سنہرے اصول
51۔ نور کے پھول
52۔ کتاب دوستاں
53۔ ایک واقعہ جو مجھے پسند ہے
54۔ آؤ صحت کی فکر کریں
55۔ کہکشاں
56۔ خوشبوئیں محبت اور امن کی
57۔ یہ معمولی نزلہ نہیں ہے۔
58۔ لمحہ لمحہ سوچ کر قدم قدم تول کر
59۔ نونہالوں کے خطوط
60۔ پھول اور کانٹے
61۔ خوب سیرت
62۔ مجھے یہ شخصیت کیوں پسند ہے۔
63۔ انسانی جسم کے عجائبات
64۔ نونہال دینیات۔ حصہ اول
65۔ نونہال دینیات۔ حصہ دوم
66۔ نونہال دینیات۔ حصہ سوم
67۔ نونہال دینیات۔ حصہ چہارم
68۔ نونہال دینیات۔ حصہ پنجم
69۔ نونہال دینیات۔ حصہ ششم
70۔ نونہال دینیات۔ حصہ ہفتم
71۔ نونہال دینیات۔ حصہ ہشتم
72۔ قرینہ حیات
73۔ لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
74۔ بچوں کے حکیم محمد سعید
75۔ نونہالوں کی توقعات
76۔ تلاش امن
77۔ مضبوط نونہال۔ مضبوط پاکستان
78۔ امن
79۔ صحت کا قاعدہ
80۔ ہمدرد پبلک اسکول میں کھیلوں کا ایک یادگار دن
81۔ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان مدینۃ الحکمہ میں
82۔ سپہ سالار اسلامی جمہوریہ پاکستان مدینۃ الحکمہ میں
83۔ مدینۃ الحکمہ میں بے نظیر کی آمد
84۔ صراط مستقیم
85۔ بحر اوقیانوس کے پار
86۔ سعید سیاح فن لینڈ میں
87۔ ڈیلفی سے سونے کی کان تک
88۔ لندن اور کیمبرج
89۔ دہلی میں تین دن
90۔ سعید سیاح چین میں
91۔ سعید سیاح تونس میں
92۔ سعید سیاح قاہرہ میں
93۔ سعید سیاح ترکی میں
94۔ یہ جاپان ہے
95۔ تین دن بغداد میں
96۔ سعید سیاح سری لنکا میں
97۔ سعید سیاح تہران میں
98۔ سعید سیاح شیراز میں
99۔ سعید سیاح ٹورنٹو میں
100۔ سعید سیاح ڈھاکہ میں
101۔ سعید سیاح نیویارک اور واشنگٹن میں
102۔ سعید سیاح عمان میں
103۔ سعید سیاح اردن میں
104۔ سعید سیاح اسکندریہ میں
105۔ سعید سیاح جاپان میں
106۔ سعید سیاح سلطنت عمان میں
107۔ سعید سیاح جرمنی میں
108۔ سعید سیاح قطر میں
109۔ سعید سیاح کویت میں
110۔ ارض قرآن حکیم سعید سیاح کی روز و شب
111۔ سچی کہانی۔۔ جنوری 92ء
112۔ سچی کہانی۔۔ فروری 92ء
113۔ سچی کہانی۔۔ مارچ 92ء
114۔ سچی کہانی۔۔ اپریل 92ء
115۔ سچی کہانی۔۔ مئی 92ء
116۔ سچی کہانی۔۔ جون 92ء
117۔ سچی کہانی۔۔ جولائی 92ء
118۔ سچی کہانی۔۔ اگست 92ء
119۔ سچی کہانی۔۔ ستمبر 92ء
120۔ سچی کہانی۔۔ اکتوبر 92ء
121۔ سچی کہانی۔۔ نومبر 92ء
122۔ سچی کہانی۔۔ دسمبر 92ء
123۔ یہ ترکی ہے۔

شھید انسانیت حکیم محمد سعید

یہ کون چھوڑ کر پئے ماتم چلا گیا
کر کے ہر ایک چشم کو پُر نم چلا گیا

محدود اُس کی ذات نہیں تھی کسی طرح
سب کا رفیق و مونس و ہمدم چلا گیا

اُردو بھی کہہ رہی ہے کہ محسن میرا جو تھا
کیوں مجھ سے ہو کے ہائے وہ برہم چلا گیا

خود لشکرِ ستم بھی ہے اِس غم میں سرنگوں
ایوانِ اتحاد کا پرچم چلا گیا

انسانیت ہے نوحہ کناں آج دہر میں
افسوس فخر و نازشِ آدم چلا گیا

ہمدردِ قوم رہبر مِلّت امامِ اُنس
تہذیبِ پاک و ہند کا سنگم چلا گیا

نباضِ فکر، روحِ مریضانِ آگہی
تسکینِ زخم صاحبِ مرہم چلا گیا

سمجھوں گا میں کہ دل نہیں پتھر ہے بالیقیں
افضلؔ یہ تیرے دل سے اگر غم چلا گیا

افضل منگلوری

نقطہ نظر

اس عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں شہید حکیم محمد سعید کے بعض چنیدہ مضامین شامل اشاعت کئے جارہے ہیں .موضوعات کے تنوع افادیت اور زور قلم کے اعتبار سے یہ مضامین منفرد نوعیت کے حامل ہیں۔

مرتب

مضمون	صفحہ نمبر
شہید پاکستان کا آخری انٹرویو	۸۴
حکیم سعید کا خطاب	۸۶
دیوانہ ہے دیوانہ	۸۹
صحتِ جسم و طہارت فکر	۹۰
خوشگوار زندگی :ایک انمول نعمت	۹۲
ٹیلی وژن اور بچے	۹۴
شہروں میں ماحول کی آلودگی	۹۵
یک مرکزیت	۹۷
دین اور اخلاق کا تعلق	۹۸
حکیم محمد سعید کی زندگی کا آخری انٹرویو	۱۰۰
حکیم سعید کا آخری خط	۱۰۲

شہید پاکستان کا آخری انٹرویو

ملاقات : کرن خلیل

سوال : حکیم صاحب ! پہلے آپ ہمیں اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں کچھ بتایئے ؟

جواب : میری عزیزہ! میں حکیم ہوں اس لئے میرے خاندان بھی حکیموں کا ہے۔ میرے والد محترم جناب حکیم حافظ عبدالمجید صاحب ایک بلند پایہ نبات شناس تھے یعنی جڑی بوٹیوں کے ماہر۔ ان کی شہرت یہی تھی اور ان کی وجہ سے ہمدرد کی شہرت بھی یہی تھی۔ ہمدرد نباتات کا مرکز ہے اور نباتات سے علاج معالجہ اس کا اصولِ علاج ہے۔ یہ علاج ایک فطری علاج ہے۔ اس پر غور و فکر کم ہوا ہے۔ پاکستان میں کوئی قابلِ ذکر تحقیق نہیں ہوئی۔ کوئی لائقِ تعریف ریسرچ نہیں ہوئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پاکستان پر ان لوگوں کا اثر زیادہ ہے جو مغربی علاج (ایلوپیتھی) سے مرعوب رہے ہیں۔ آج بھی ایسا ہی ہے ' مگر اب دنیا طب میں ایک نئے انقلاب کو دیکھ رہی ہے۔ ساری دنیا نباتات (جڑی بوٹیوں) میں شفا تلاش کر رہی ہے۔ تلاش ' تحقیق اور ریسرچ میں دنیا اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ اب پاکستان پیچھے رہ گیا۔

سوال : بچپن کیسے گزرا؟ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے تھے ؟

جواب : میرا بچپن نہایت شان دار گزرا ہے۔ کھیل کے میدانوں میں بھی شان دار اور تعلیم کے میدانوں میں بھی آب دار۔ میں پڑھتا لکھتا بھی خوب تھا اور کھیلتا کودتا بھی خوب تھا۔ بڑے معرکے سر کئے۔ ہر ایک کی عزت کی۔ جس نے ایک نئی بات بتادی اس کو استاد مانا۔ قرآن حکیم ناظرہ پڑھا ' ختم کیا ' پانچ سال سے کم عمر تھی۔ پھر حج کیا ' سات سال عمر تھی۔ قرآن حکیم حفظ کیا ' عمر پونے نو سال تھی۔ پھر اردو ' انگریزی ' عربی ' فارسی پڑھی۔ دل لگا کر ہر زبان پڑھی۔ یہاں تک کہ عمر 14 سال ہو گئی۔ اب طبیہ کالج دہلی میں داخلے کا وقت آیا۔ عمر کم تھی اس لئے داخلے سے انکار ہوا مگر صلح و سفارش سے نہیں ' اپنی قابلیت سے داخلہ مل گیا۔ عربی اور فارسی کام آئی۔ بھئی! 19 سال کا بھی نہ تھا کہ حکیم بن گیا۔ اس کے بعد 1940ء سے اب 1998ء تک رات دن مریضوں کی بے تکان خدمت کر رہا ہوں۔

پڑھائی کے ساتھ ہر کھیل بھی کھیلا۔ اول درجے کا گھڑ سوار تھا۔ موٹر سائیکل موت کے گولے میں دوڑائی۔ فٹ بال میں ایسا بلند مقام پایا کہ ہندوستان کی سب سے بڑی محمڈن اسپورٹنگ یونین تک پہنچ گیا۔ پہاڑوں پر چڑھائی کا بے حد شوق تھا۔ شملہ اور مسوری کے پہاڑوں کو روندتا رہا۔ روز 20-22 میل پہاڑوں پر چڑھتا اترتا تھا اور ہاں دنیا کے سب سے طاقت ور انسان جناب محترم گاما پہلوان سے قریب رہا۔ پہلوان بھی رہا۔ اکھاڑوں میں لڑنت کرتا تھا اور دنگلوں میں کشتیاں بھی لڑتا تھا۔

سوال : آپ کی زندگی کا کوئی دل چسپ اور یادگار واقعہ ؟

جواب : اس سے زیادہ دل چسپ واقعہ کیا ہوگا کہ میں ہر فن مولا تھا! پھر میری زندگی تو واقعات سے پر ہے۔ ایک واقعہ ہو تو بتاؤں۔ واقعات ہی واقعات ہیں۔ کیا یہ بڑا واقعہ نہیں ہے کہ ایک دن میں نے حضرت گاما پہلوان کو چیلنج کر دیا کہ آپ سے کشتی ہو جائے۔ بڑی محبت سے گاما نے فرمایا : "حکیم جی ! کیوں اس بڑھاپے میں مجھے شکست دیتے ہو۔" یہ واقعہ مجھے آج بھی یاد ہے۔ گاما پہلوان ناشتے میں 8-10 سیر دودھ پی لیا کرتے تھے۔ 5-6 سیر گوشت کی یخنی پیتے تھے۔ سخت ورزش کرتے تھے۔ ان کا مدِ مقابل آخر میں زبسکو تھا۔ زبسکو نے مجھے میرے خط کے جواب میں لکھا :

" گاما دنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور انسان ہے۔" لندن کے ایرینا (اکھاڑے) میں گاما جی نے زبسکو کو 10-12 فیٹ کھلونے کی طرح اچھال دیا تھا۔ حالاں کہ زبسکو بھی دنیا کا بڑا مشہور پہلوان اور رستم تھا۔

سوال : جب بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں تو کس طرح اظہار کرتے ہیں ؟

جواب : میں ضرور خوش ہوتا ہوں۔ اس کا اظہار بہت کم قہقہوں میں کرتا ہوں۔ بس ذرا مسکرا لیتا ہوں۔ ہاں دل میں فرحت اور تازگی محسوس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے خوش ہونے کا موقع دیا۔

سوال : کیا کبھی آپ ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں ؟

جواب : ڈپریشن کے صاف صاف معنی یہ ہیں کہ انسان کے سامنے حالات کندھا ڈال دے۔ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے ' ہمت ہار جائے ' شکست قبول کر لے۔ میرے نزدیک ڈپریشن کے یہی معنی ہیں ' مگر میرا مزاج یہ نہیں ہے۔ میں سخت حالات کا مقابلہ کرنا جانتا ہوں اور مقابلہ کرتا ہوں۔ اس لئے ڈپریشن کے نام کی چیز کو میں نہیں مانتا۔

سوال : حکیم صاحب! آپ نے اپنے لباس میں سفید رنگ کی شیروانی کو اپنی شخصیت کا لازمی جزو بنالیا ہے ' اس کی کوئی خاص وجہ ؟

جواب : ہاں ' اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نبی کریم ﷺ کو سفید لباس پسند تھا۔ پھر یہ کہ میں چینی ہوں اور چین کے اکثر شہنشاہ دربار میں سفید لباس زیب تن کرتے تھے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اس لباس کو صاف ستھرا رکھنا مشکل کام ہے۔ مشکل کام انسان کو کرنا چاہئے۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مشکل پسند ہوں۔ اس لئے سفید لباس پسند کرتا ہوں اور اپنے کپڑے خود دھونا جانتا ہوں۔

سوال: آپ کے خیال میں تعلیم کا بنیادی مقصد کیا ہونا چاہئے ؟

جواب: تعلیم کا بنیادی مقصد ایک بلند انسان بنانا ہے۔ انسان کو معاشرے کا ایک ہمدرد شخص بنانا ہے۔ اسے زمین اور آسمانوں میں موجودات کا کھوج لگانے کے لئے تیار کرنا ہے۔ تعلیم کا مقصد انسان کے دل میں محبت واحترام کے جذباتِ عالیہ پیدا کرنا ہے۔ تعلیم کا مقصد انسان کو تعمیرِ جہاں کیلئے تیار کرنا ہے۔

سوال: آپ کی زندگی کا وہ کون سا بہترین اصول ہے جسے آپ اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں ؟

جواب: میں اپنے خاص اصول رکھتا ہوں اور ان اصولوں کا احترام کرتا ہوں۔ میں نے زندگی میں کسی سے انتقام نہیں لیا۔ میں کسی سے نفرت کرنا نہیں جانتا۔ میں محبت کرتا ہوں' احترام کرتا ہوں اور خوش رہتا ہوں۔ جو برا کہتے ہیں ان کو اچھا کہتا ہوں۔ جو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کی راحتوں کا سامان کرتا ہوں۔ کام کرتا ہوں۔ محنت کرتا ہوں۔ وقت ضائع نہیں کرتا' وقت کا احترام کرتا ہوں۔

سوال: آپ دن میں کتنے گھنٹے کام اور کتنا وقت آرام کرتے ہیں ؟

جواب: میں اب رات 10 بجے سو جاتا ہوں اور صبح تین بجے بیدار ہو جاتا ہوں۔ 4 بجے اپنی میز پر آجاتا ہوں۔ پھر رات تک کام کرتا رہتا ہوں۔ پھر مطالعہ کرتا ہوں۔ مطالعہ کرتے کرتے سو جاتا ہوں۔ اکثر دس بجے ہوتے ہیں مگر بعض دن گیارہ بھی بج جاتے ہیں۔ ویسے مناسب ہے انسان چھ گھنٹے سو لیا کرے۔

سوال: اگر فارغ لمحات میسر آجائیں تو کس طرح گزارتے ہیں ؟

جواب: میں اپنے فارغ لمحات' جو مجھے میسر آجاتے ہیں انھیں مطالعے میں صرف کرتا ہوں یا خود اپنا کوئی مضمون تیار کرلیتا ہوں۔ میرے مضامین ڈرپوک اخبارات چھاپنے سے گریز کرتے ہیں۔ زندہ دل صحافی میرے مضامین قبول کرلیتے ہیں۔

سوال: آپ خود ایک آئیڈیل شخصیت ہیں' کیا آپ کی بھی کوئی آئیڈیل شخصیت ہے ؟

جواب: ہاں' میری والدہ اور میرے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید صاحب میری آئیڈیل شخصیت ہیں۔ اب والدۂ محترمہ نہیں ہیں' بھائی جان تو ہیں۔ ان کے نقشِ قدم پر چلتا ہوں۔ میں 79 سال کا۔ بھائی جان 91 سال کے۔ ہم دو بھائیوں کے درمیان آج تک ایک بھی اختلاف نہیں ہوا ہے۔ میں نے ہمیشہ بڑے بھائی کے ہر حکم اور ارشاد کی تعمیل کی ہے۔ کبھی ان کو ناراض نہیں کیا۔ انھوں نے میری پرورش اور تربیت کرکے مجھے انسان بنادیا۔

سوال: آپ کیا سمجھتے ہیں کہ کسی انسان کی کامیابی اور ناکامی میں کس چیز کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے' تدبیر کا یا تقدیر کا ؟

جواب: میں تدبیر سے تقدیر کو بدل دینے کو اہمیت دیتا ہوں۔ جب انسان تدبیر پر قادر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے کہ تفکر کرو' تدبر کرو تو پھر تقدیر بدلی جاسکتی ہے۔

سوال: حکیم صاحب! ویسے تو آپ کے اکثر خواب سچے ہوئے ہیں' لیکن کوئی خواب نیند والا جو سچ ثابت ہوا ہو ؟

جواب: ہاں' میں نے اکثر وبیشتر امراض کے علاج کیلئے اپنے خوابوں میں رہنمائی حاصل کی ہے۔ چوں کہ مریضوں کی خدمت میری اولیت میں شامل ہے اس لئے میں ان کی شفا کیلئے اللہ تعالیٰ سے اٹھتے بیٹھتے دعائیں مانگتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ خوابوں میں علاج کیلئے میری رہنمائی فرمادیتے ہیں لوٹ پٹانگ خواب مجھے دکھائی نہیں دیتے۔ میرا ہر خواب مجھے درس تعبیر دیتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ میں ہر وقت اور ہر لمحہ تعبیر کی فکر میں رہتا ہوں۔

سوال: آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں ؟

جواب: آج کل میں پاکستان کے نونہالوں اور نوجوانوں کی تربیت اور تعلیم کیلئے ایک شہر تعلیم' سائنس و ثقافت بنا رہا ہوں' آباد کر رہا ہوں۔

سوال: آپ کے خیال میں ایک اچھی قوم یا معاشرے کی بہترین صفت کیا ہونی چاہئے ؟

جواب: بہترین معاشرہ وہ ہے جو انسان کا دوست ہو۔ بہترین معاشرہ وہ ہے کہ جو انسان کو ہر دم آمادۂ خدمتِ خلق رکھے۔ بہترین معاشرہ وہ ہے جہاں انسان کو انسان سے راحت پہنچے۔ بہترین معاشرہ وہ ہے کہ جہاں سیاست داں کاذب نہ ہوں۔ بہترین معاشرہ وہ ہے کہ جہاں اہلِ قلم فروخت نہ ہوتے ہوں۔ بہترین معاشرہ وہ ہے کہ جہاں وطن سے محبت ہو' وطن فروشی نہ ہوتی ہو۔ بہترین معاشرہ وہ ہے کہ جہاں علمائے حق کرائے کے مولوی کا محاسبہ کرتے ہوں۔

سوال: کہتے ہیں کتابیں انسان کی دوست ہوتی ہیں' تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ نونہالوں میں کتابی ذوق کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے ؟

جواب: ہاں' کتاب انسان کی بہترین رفیق ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم کتاب کھولو ترقی کا ہر دروازہ تم پر کھل جائے گا۔ کتاب ایسی رفیق ہے جو صدق وصفا کا درس دیتی ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ موسم ؟

جواب: میں سرد و گرم چشیدہ انسان ہوں۔ ہر حال میں اور ہر موسم میں خوش رہنا جانتا ہوں پھر بھی انسان ہوں اور برف کے میدانوں کو پسند کرتا ہوں۔

سوال: آپ کا پسندیدہ رنگ ؟

جواب: سفید۔

سوال: پسندیدہ مقام ؟

جواب: اپنا پیارا وطن' پاکستان۔

سوال: پسندیدہ ڈش ؟

جواب: جو مل جائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے نوش جان کرلیتا ہوں۔ ہاں گائے کا گوشت نہیں کھاتا اس لئے کہ مجھے گائے کا دودھ پسند ہے۔ گائے سے محبت کرتا ہوں۔ میں مرچیں پسند نہیں کرتا اس لئے کہ اس سے مزاج چڑچڑا ہو سکتا ہے۔

سوال: پسندیدہ سواری ؟

جواب: جس کے چار پہیے ہوں اور مجھے وہ منزل مقصود تک پہنچادے۔

سوال: آپ کے نزدیک سائنس کی بہترین ایجاد ؟

جواب: وہ جو انسان کی راحت کا سامان کرے۔

سوال: نونہالوں کے نام کوئی پیغام ؟

جواب: میرے عظیم نونہالو! کام کام کام' محنت محنت محنت' محبت محبت محبت فاتحِ عالم۔

حکیم سعید کا خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کرہ ارض پر حیات کب وجود میں آئی اس کے بارے میں نظریات کا اختلاف ہمیشہ وجہ اختلاف فکر رہا ہے اور موجب تحقیق و دلچسپی۔ توازن حیات کیا رہا، حیات اولین کا عنوان کیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی کوئی حتمی رائے قائم کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بایں ہمہ یہ بات پورے یقین کے ساتھ اور کامل اطمینان کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جب اس کرہ خاکی پر انسان کی نمود ہوئی تو اس انسان کے استقبال کیلئے نباتات موجود تھیں اور وہ آب و ہوا سے نمو پا کر اور لہلہا کر انسان کے وجود کو خوش آمدید اور اہلاً و سہلاً و مرحبا کہہ رہی تھیں! فطرت انتہائی محتاط ہے۔ توازن اس کی شان ہے اور عدل اس کی آن ہے۔ اگر وجود انسانی میں جب یہ صلاحیت ہے کہ وہ مبتلائے مرض ہو سکتا ہے یعنی اس کے اخلاط اربعہ (Four Humours) میں عدم توازن پیدا ہو سکتا ہے اور اس میں مزاج (Temperament) کا عدم اعتدال قائم ہو سکتا ہے تو یہ عین تقاضائے فطرت تھا کہ اس مرض اور اس عدم توازن کو رفع کر کے حالت اعتدال قائم کی جائے۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کیلئے اور ازالہ مرض کیلئے فطرت نے جڑی بوٹیوں کی شکل میں سامان شفا کا انتظام کیا۔ اور انسان نے اپنی خلقی اور فطری صلاحیتوں کی وجہ سے ان نباتات میں تحقیق اور جستجو کی اور مختلف امراض کیلئے مختلف نباتات کا انتخاب کر لیا۔ اور امراض علاج کا یہ فطری سلسلہ ازازل تا ایں دم قائم اور جاری و ساری ہے اور جب تک اس کرہ ارض پر انسان کا وجود ہے اور انسان فطرت سے ہم آہنگ ہے انسان کی پیدائش کی رفتار کے ساتھ نباتات کی روئیدگی اسی رفتار و مقدار کے ساتھ جاری رہے گی۔ فطرت توازن و عدل کے ساتھ برقرارئ حیات اور استیصال سیات کا سامان جاری رکھے گی۔

میرے پیش لفظ دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

- انسان کیلئے اسے امراض سے محفوظ و مامون رکھنے کیلئے اور ازالہ مرض کیلئے فطرت نے اولین نسخہ شفا کے طور پر نباتات کی نمو میں فیاضی کا پرجوش مظاہرہ کیا انسان کی اولین دوا نباتات قرار پائی۔
- انسان نے عالم وجود میں آنے کے بعد ازالہ مرض کیلئے فطرت کے دامن و آغوش میں پناہ تلاش کی اور نباتات، کہ جو اس کے آس پاس بہ کثرت روئیدگی کا مظہر تھیں، میں تحقیق اور تجسس کا آغاز کیا اور اس جستجو اور تحقیقات کے نتیجے میں نباتات کی درجہ بندی کی۔

ہر چند کہ اس انداز فکر پر قیاس آرائی کی تہمت لگائی جاسکتی ہے، مگر فکر کی ہر بلندی اور پرواز بالآخر ہر عقل و خرد کو اسی نتیجے پر لے آئے گی۔ ہم کروڑہا سال ماضی میں جا کر فکر و قیاس کے گھوڑے دوڑانے کی بات کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے متعدد گوشوں میں آج بھی ایسے مظاہر موجود ہیں کہ جہاں ہنوز روشنی تہذیب جدید نے جلوہ نمائی نہیں کی ہے اور انسان وہاں ہنوز آغوشِ فطرت میں ہے اور سکون کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ مجھے دو سال قبل یہ خیال آیا کہ دنیا کے ایسے گوشوں میں جا کر مشاہدہ کرنا چاہئے اور میں نے جزائر فن لینڈ کا انتخاب کیا اور ایک بوٹ لے کر اور ماہرین کی ایک جماعت کے ساتھ، جن میں مغربی جرمنی کے پروفیسر Prof.F.Weiling کو بڑی اہمیت حاصل ہے کوئی دو ہفتے جزائر جزائر جاتا رہا اور میں نے یہ مشاہدہ کیا کہ بہت سے جزائر ایسے ہیں کہ جہاں فطرت کی کلیہ عمل داری ہے اور وہاں انسان خودرو جڑی بوٹیوں سے اپنے درد کا درماں آج بھی کر رہا ہے۔

یہ بات فن لینڈ کی تھی۔ مگر افریشیا اور کہنا چاہئے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں آج بھی اسی فطرت کی عمل داری ہے۔ اس دنیا کے دیہات، اپنی خوش قسمتی کی بنا پر یا بد قسمتی کی بنا پر جدید علاج سے محفوظ یا محروم ہیں اور ان کے ہاں علاج بالنباتات کا سلسلہ جاری ہے۔ میرے وطن میں صورتِ حال یہی ہے۔ ہزار ہا دیہات میں فطرت کے زیر سایہ فرد آدم تلاش و جستجو میں مصروف ہے اور امراض و علاج کا سلسلہ جاری ہے اور جہل و تغافل کو نظر انداز کر کے یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ شہر کے مقابلے میں دیہات کی صحت بہتر ہے۔

زمانہ جدید کے علمائے طب میدان علاج معالجہ میں اپنی موشگافیوں کا لوہا منوانے پر خواہ کتنا ہی اصرار کریں، مگر ان کو بہر حال اور بہر طور پر فطرت اور نباتات کو اپنا استاد تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج جدید دنیائے طب کا ہر انکشاف اور اکتشاف تابع تحقیق نباتات ہے۔ دوائی ایجادات میں نباتات کی شفا بخشی نے ہمیشہ رہنمائی دی ہے اور شاید یہ دعویٰ کبھی باطل نہ ہوگا کہ انسان ساری عقل و خرد کے باوجود اور فطرت سے صریح بغاوت کے باوصف کبھی فطرت کی شاگردی سے نہیں نکل سکے گا۔ اور یہ بات ہمیشہ صحیح رہے گی کہ انسان کو فطرت کے آغوش سے جب بھی نکالنے کی کوشش کی جائے گی اس کا نظام جسمانی آماجگاہ فسادات بن جائے گا۔ کیا

ہم مشاہدہ نہیں کرتے کہ آج بھی فطرت اس کے باغی پر خندہ زن ہے ؟ کیا آج علمائے حق طبی بہ آوازِ بلند اور بیانگ دہل یہ اعلان نہیں کر رہے ہیں کہ انسان نے تالیفی ادویہ سے جسم انسانی کو حوالہ امراض کر دیا ہے ؟ اور فطرت کی سبزیوں سے صرف نظر اور نفرت کر کے اپنی صحت وحیات کو معرضِ خطر میں ڈال دیا ہے ؟

گذشتہ کم از کم ایک سے زیادہ صدی میں فطرت سے فرار اور صنعتی و تجارتی مفادات کے اصرار نے جو صورت حال پیش کی ہے اور انسان اور اس کی صحت و زندگی کو جن مسائل سے دوچار کیا ہے اس کا یہ عین اور فطری تقاضا ہے کہ تمام انسان دوست ماہرین طب فکر و نظر کی تمام طاقتوں کے ساتھ جائزہ حالات کو پوری اہمیت دے رہے ہیں اور ان کے محسوسات و نظریات کی روشنی میں اب تمام دنیا میں نباتات اور علاج نباتاتی پر توجہات مرکوز ہو گئی ہیں۔

وہ تمام ماہرین کہ جو جسم انسانی سے یہ سلوک روا رکھتے ہیں کہ یہ محض ایک گوشت کا لوتھڑا (مضغہ گوشت) اور بس ایک حیاتیاتی وجود ہے ان کا اندازِ فکر یہ ہے کہ آج کے دور میں فطرت کی طرف جانا اور نباتات کو شفائے امراض کیلئے اختیار کرنا رجعت قہقہری ہے اور وہ یہاں کی شدت میں یہاں تک چلے گئے ہیں کہ تاریکی ستم قاتل ہے مگر آج ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو روشنی سے تاریکی میں جانے پر مصر ہیں 'ماہرین کا یہ گروہ ہے کہ جو صنعت و تجارت کے بین الاقوامی اور ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے گروہ کے زیر اثر ہے۔ مگر قابلِ اطمینان یہ ہے کہ یہ گروہ بڑی سرعت کے ساتھ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو رہا ہے اور ماہرین نباتات کی جولانی فکر عروج حاصل کر رہی ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بجا ہو گا اور حق کہ یہ مذاکورِ عالمی جس میں ہم شریک ہیں نباتات اور علاج بالنباتات کے موجودہ عالمی رجحان کا غماز ہے اور مجھے کہنا چاہئے کہ ایک سیدھی راہ پر مثبت اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس موقعہ پر میرے لئے مناسب یہ ہے کہ میں تفصیلات سے صرف نظر کروں اور اس میدان میں مثبت پیش رفت کیلئے اپنے خیالات آپ تک پہنچا کہ تبادلِ خیال کا ماحول پیدا کروں :

• اس بین الاقوامی مذاکرے کو حتمًا یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ ماہرین کہ جو میدان طب میں کار فرما ہیں اس کا اہتمام کریں کہ تالیفی ادویہ اور ان کے غلط استعمالات سے انسانی صحت کیلئے جو سنگین مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کے حقیقی جائزے کا انتظام کیا جائے۔ اور ان جائزوں کو اہل فکر و نظر کے سامنے پیش کیا جائے۔ نیز اس بات کا نوٹس لیا جائے کہ ملٹی نیشنل کارپوریشن محض صنعت و تجارت کی خاطر مضر صحت ادویہ تیار کر کے بالخصوص تیسری دنیا کو میدان زرگری بنا رہی ہیں اس پر قدغن قائم کیا جائے اس عالمی ادارہ صحت .W.H.O کو پوری دیانت کے ساتھ آگے بڑھ کر حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینا چاہئے۔

• اس وقت دنیا کی متعدد ممالک کی لائبریریوں میں نباتات پر لاتعداد کتب موجود ہیں اور علاج بالنباتات پر ناقابلِ تصور ذخیرہ کتب موجود ہیں۔ ان کی ایک جامع فہرست تیار کی جائے اور نہ صرف فہرست تیار کی جائے بلکہ ماہرین کے فکر و جستجو اور تحقیق اور ریسرچ کیلئے ان کتب کی فراہمی کا اہتمام کیا جائے۔ بدیہی طور پر یہ کام عالم عرب و اسلام میں پوری وسعتوں کے ساتھ ہوا ہے اور عرب و مسلم ماہرین قدیم نے حیرت انگیز کام کئے ہیں۔ اس لئے بدیہی طور پر دنیائے عرب و اسلام کو اس میدان میں عالمانہ اور محققانہ پیش رفت کرنی چاہئے۔

• دنیا بھر میں متعدد ممالک میں، اور ان کے دور دراز گوشوں میں علاج بالنباتات کا جو سلسلہ جاری و ساری ہے اس کے احاطے کا سامان کیا جائے۔ ہر ملک میں ماہرین اپنے ملک کے ان گوشوں میں جائیں کہ جہاں لوگ، اور بڑی بوڑھیاں نباتات کے رازِ شفا بخشی سے آگاہ ہیں یہ معلومات اگر فراہم ہو گئیں تو نہ صرف نباتات سے علاج کی راہیں وسیع ہو جائیں گی بلکہ دنیائے طب میں محیر العقول انکشافات ہوں گے کہ جو من حیث المجموع انسانیت کے درد کا درماں بن جائیں گے۔

• نباتات 'عقاقیر کے عنوان پر جتنی کتابیں مطبوعہ موجود ہیں۔ مگر دستیاب نہیں ہیں ان کی طباعت و فراہمی کیلئے انتظامات کئے جائیں اور ان کو موضوع فکر و تحقیق بنایا جائے نہ صرف یہ بلکہ ان کے انگریزی، فرانسیسی وغیرہ زبانوں میں تراجم شائع کئے جائیں تاکہ تحقیق نباتات کا عالمی سطح پر سامان ہو سکے اور وہ کہ جو عربی رفارسی کے علاوہ دوسری زبانیں جانتے ہیں ان کو تحقیقات کے میدان میں کوئی دقت نہ ہو۔

• تمام تحقیقاتی لیبارٹریوں میں تحقیق نباتات کے شعبے پورے اہتمام کے ساتھ قائم کئے جائیں اور تحقیق نباتات کی پر جوش ہمت افزائی کی جائے اور جواں سائنس دانوں کو اس کام پر مستعد و آمادہ کیا جائے۔

نباتات اور علاج بالنباتات پر جرائد و رسائل کی اشاعت کا سامان کیا جائے اور اس موضوع پر اشاعت کتب کی ہمت افزائی کی جائے۔

• تمام طبی درس گاہوں میں، خواہ وہ طب جدید ہی کی کیوں نہ ہوں، نباتات اور علاج بالنباتات کو تعلیم طب کا لازمی جزو بنایا جائے۔

• تمام ممالک عالم بالخصوص ممالک اسلامی کی حکومتیں علاج بالنباتات کو تسلیم کریں اور اب تک نباتات سے جو نفرت اور فرار کی غلط و تاروا فضا ہے اس کو تحلیل کیا جانا چاہئے اور اہانت فطرت کا سلسلہ بند کیا جانا چاہئے۔ حیرت کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نباتات سے علاج کی بنیادیں عرب مسلم علمائے طب نے مضبوط کی ہیں 'مگر سب سے زیادہ رد کا زور انہی ممالک میں ہے جو افسوس ناک ہے اور کسی طرح قابلِ تعریف نہیں ہے۔

اب میں نہایت اختصار کے ساتھ ان چند کتب نباتات کی نشان دہی کروں گا کہ جو اس میدان (علاج بالنباتات) میں وقیع حیثیت کی مالک ہیں اور جن پر تحقیق اور توجہ کا باب ایک بار پھر کھلنا چاہئے :

1۔ابو حنیفہ دینوری (متوفی 282ھ) نباتات پر پہلا عرب مصنف

ہے۔اس کی کتاب چھے جلدوں پر مشتمل ہے' کتاب النبات میں پودوں کے مختلف زبانوں میں رائج ناموں کی تشریح ان کی نباتیاتی خصوصیات اور دیگر اہم کیفیات درج ہیں۔ دینوری نے پودوں کے بارے میں جو معلومات جمع کی ہیں وہ اس کے ذاتی مطالعے اور مشاہدے کے نتائج ہیں۔

اس کتاب کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور چوتھ پر جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے کام کر دیا ہے جسے ہمدرد فاؤنڈیشن شائع کرے گا۔

2۔ابو جعفر محمد بن احمد الفافقی (متوفی 561ھ) اندلس کا یہ طبیب علم نباتات میں اپنے دور کا بہت بڑا عالم ہے اس نے نباتات کے ناموں کی تحقیق اور ان کے دوائی خواص کے بارے میں تمام گذشتہ معلومات جمع کر دی ہیں اور ان پر تحقیقات کا اضافہ بھی کیا ہے۔دینوری کی کتاب النبات کی طرح ابن البیطار نے اس کتاب کے حوالے بھی دیے ہیں۔دوائی نباتات کے ناموں، ان کی شناخت اور دوائی خصوصیات کے بارے میں جو غلطیاں رائج تھیں فافقی نے ان کی تصحیح کی ہے۔

3۔ابوالعباس ابن الرومیہ النباتی (متوفی 638ھ) اس مصنف نے اپنی کتان میں اسپین اور اس کے ساتھ مصر، شام، عراق میں پائے جانے والے نباتات کا مشاہدہ کر کے ان کے بارے میں معلومات جمع کیں یہ معلومات اس نے "تفسیر اسماء الادویہ" کے نام سے ایک تصنیف میں بیان کی ہیں اور نباتات پر تحقیق کے بارے میں اپنے سفر کے حالات پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

4۔ابن البیطار :۔دوائی نباتات پر سب سے بڑا مصنف جس نے اپنے دور تک پائی جانے والی تمام معلومات کا جائزہ لیا، انھیں مرتب کیا، پودوں کی ذاتی طور پر شناخت کی اور ان کی تمام معلومات کو اپنے نباتیاتی انسائیکلوپیڈیا میں جمع کر دیا۔

5۔ البیرونی :۔ابو ریحان البیرونی نے اپنی کتاب الصیدلہ میں نباتات کی تحقیق پر بے مثال کام کیا ہے یہ کتاب انگریزی ترجمے کے ساتھ ہمدرد فاؤنڈیشن نے شائع کی ہے۔

میں نے اس جگہ چند اہم کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ نباتات اور ان کے دوائی اثرات پر مسلمان اطباء نے جو کام کیا ہے وہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ برصغیر کے مسلمان اطباء نے اس پر جو اضافے کئے ہیں وہ اپنی ایک مستقل قدر و قیمت رکھتے ہیں۔اس جگہ ان تمام کاموں کا تعارف کرانا بھی ممکن نہیں ہے۔ نباتات پر کام کرنے والے علماء میں سے ابو بکر احمد بن وحشیہ، ابن القوام، داؤد انطاکی، رازی، اصمعی، ابن سینا، ابن ماجہ، ابن رشد، البغدادی، القزوینی، جلاکی، برصغیر کے اطباء میں حکیم محمد حسین خان، حکیم اعظم خان اور حکیم نجم الغنی، کی تصانیف ہمارا لائق قدر تحقیق سرمایہ ہیں۔اگر ان معلومات پر جو ہمیں اطباء نے مہیا کر دی ہیں کام کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ ہم انسانیت کی ایک عظیم خدمت انجام دیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس موضوع پر مختلف خطوں اور مختلف زبانوں میں جو کام کیا ہے اس کی مفصل فہرست مرتب کی جائے ان میں درج معلومات کو علمی اور تحقیقی جائزے کیلئے مرتب کیا جائے۔ان پر علمی تحقیق کے کام کا منصوبہ بنایا جائے۔



آغاز مدینۃ الحکمت - ایک شہر - ایک منزل

دیوانہ ہے دیوانہ

لق ودق صحرا میں جب ایک ننھا سا پودا اپنا سر افتخار بلند کرتا ہے' تو اس سے بڑی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی جرأت کی داد دینی پڑتی ہے کہ بے آب و گیاہ' چٹیل میدان میں صحرائے لق ودق میں اس نے وجود حاصل کیا اور سینہ زمین چیر کر اپنے وجود کو نمایاں کیا اور سر افتخار بلند کیا۔

اس ننھے صحرائی پودے پر بے اختیار پیار آجاتا ہے!

سندھ بلوچستان (صوبہ ہائے پاکستان) کے اتصال پر ایک لق ودق صحرا اپنی پوری شان صحرائی کے ساتھ موجود ہے۔ بے آب گیاہ ہے پر چند میل کے فاصلے پر دریائے حب ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ زیر زمین سینکڑوں فیٹ جایئے تو آب تلخ دستیاب ہوتا ہے۔ میلوں کوئی درخت ہے نہ کوئی پودا۔ اس صحرائے سندھ بلوچستان تک پہنچنے کے لئے نہ کوئی رستہ ہے اور نہ سڑک۔ رات ہو تو اندھیرا دن ہو تو اجالا۔ یہاں صحرائے لق ودق میں بجلی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

یہاں کوئی آبادی ہے نہ بستی دور دور جایئے تو کوئی ہنستا مسکراتا کھیلتا انسان نظر آجاتا ہے۔ اسی صحرا سے ایک شہری انسان گزرتا ہے' پیاس سے بے حال ہے۔ گرمی سے ہراساں۔ چمکتے سورج کی تپش اس کے جسم کو جھلسائے دیتی ہے۔ صحرا کے مدو جذر چلنے میں مانع ہیں۔ مگر یہ انسان آخر کس چیز کی تلاش میں ہے کہ یہاں سرگرداں! اس انسان کے بارے میں لوگ اس قدر ضرور جانتے ہیں کہ اسے نونہالوں سے الفت ہے۔ نوجوانوں سے عشق ہے۔ یہ انسان بار بار کہتا سنا گیا ہے کہ شہرہائے پاکستان ایک صحرائے لق ودق کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ شہروں کے یہ صحرا تعلیم اور تربیت سے محروم ہیں۔ ان شہروں اور پاکستان کے دیہاتوں میں تربیت اور تعلیم کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔

یہ انسان بیقرار ہو کر سوال کرتا ہے کہ آخر شہر کے بے تعلیم صحراؤں میں' دیہاتوں کے بے تربیت صحراؤں اور سندھ بلوچستان کے صحرائے بے آب و گیاہ میں کیا فرق ہے۔ ایک تعلیم و تربیت سے محروم ہے۔ ایک پانی سے محروم ہے۔ ان دونوں میں کیا کوئی فرق ہے؟

تھک کر یہ صحرا نورد ایک جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ چلچلاتی دھوپ ہے۔ کوئی سایہ نہیں ہے۔ اس پر شاید اللہ کا سایہ ہے۔ وہ جب بیٹھ گیا تو ایسا لگا کہ اسے جیسے قرار آگیا ہو! اس کے دل نے چین محسوس کیا۔ راحت کا احساس ہوا۔

پھر صحرا نورد نے خود سے سوال کیا۔۔۔ کیا رائے ہے؟ ایک شہر تعلیم' سائنس و ثقافت بسانے کے لئے یہ جگہ کیسی ہے؟۔۔ شہر کے لوگ تجھے کہیں گے کہ سٹھیا گیا ہے! شہر کے لوگ تجھے دیوانہ کہیں گے! صحرا نورد نے ایک زوردار آواز میں کہا: ہاں میں دیوانہ ہوں! ہاں میں پاگل ہوں! ہاں میں سٹھیا گیا ہوں! کون مالک ہے اس زمین کا؟ حکومت بلوچستان؟

نہیں اس کا مالک شہر کراچی کا ایک دولت مند سیٹھ ہے! حیرت ہے اس سیٹھ پر اللہ کی کیا پتا تھی کہ اس نے یہ زمین خرید کر ڈال رکھی ہے؟ صحرا نورد نے کہا! سیٹھ جی یہ زمین مجھے چاہئے! سیٹھ جی نے حیران ہو کر سوال کیا۔ تم اس زمین پر کیا کرو گے؟ صحرا نورد کا جواب تھا علم کا ایک شہر بساؤں گا۔ سیٹھ جی نے قہقہہ مارا۔ دیوانوں پر قہقہے مارنا روایت ہے! لو سیٹھ! یہ ایک کروڑ 9 لاکھ روپے' میں نے یہ زمین خرید لی! حیران سیٹھ نے منہ مانگی قیمت لے لی۔ دیوانہ ہے دیوانہ۔۔۔۔ کہتا چل دیا! صحرا نورد کے اپنے بھی اسے دیوانہ ہی کہتے تھے۔ مگر دل میں! لوگ اس واقعہ کو بھول گئے۔ پندرہ برس گزر گئے۔ مگر قدرت کے ایک شاہ کار نے جنم لے لیا تھا۔ حیرت ہے ایک دیوانے پر اس نے صحرا میں ایک شہر علم و حکمت آباد کر دیا!۔۔20 / کلو میٹر طویل سڑک تیار ہو گئی!۔۔ شہر کراچی سے سینکڑوں بجلی کے کھمبے لگ گئے۔۔ صحرا جگ مگ ہو گیا۔۔۔ جب ریور سے پانی کی کنال آگئی! پانی نے صحرا کو سبزہ زار میں تبدیل کر دیا۔ علاقے کی سب سے بڑی لائبریری بغداد کے بیت الحکمہ کے انداز پر تعمیر ہو گئی۔۔ پانچ ہزار نونہالوں کی تعلیم کے لئے ایک سو ایکڑ قطعہ زمین پر اسکول کی عمارت نے سر بلند کر لیا۔

۔۔۔ ہمدرد یونیورسٹی بن گئی۔۔ سینکڑوں بلند مرتبہ اساتذہ ہزاروں طلبہ یہاں علم و حکمت کے جوت جگا رہے ہیں۔ اس وقت صحرا نورد دیوانے نے اپنی ساری مال و دولت مدینۃ الحکمہ پر لگا دی ہے۔ اب خالی جیب ہے۔ مگر حوصلہ جوان ہے! اے دنیا والوں! آ کر دیکھ لو کہ دیوانہ علم کا شہر آباد کر دیتا ہے۔ مگر تم تو دیوانے نہیں ہو! صحرا نورد کی دعا ہے کہ اللہ تم کو بھی میرا ایسا دیوانہ بنادے۔ میرے ہاتھوں میں کاسہ گدائی ہے! نونہالوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے لئے آپ سے بھیک مانگتا ہوں۔۔ ایک کمرہ بنادیں۔۔ ایک کالج بلاک بنادیں۔۔ اچھا ایک اینٹ عطا کر دیں۔۔ تعمیر مسجد میں حصہ لیجئے۔۔ مدینۃ الحکمہ کو علمی اور عالمی شہر بنانے میں میری مدد کر دیں۔ کم از کم دعا تو کر ہی دیں۔

صحتِ جسم و طہارت فکر

قیام صحت اور بقائے تندرستی کا انحصار بہت سی چیزوں پر ہے۔ مثلاً حفظِ صحت کے اصولوں پر عمل کرنا' یعنی تازہ اور صاف ہوا میں سانس لینا اور اپنے رہنے سہنے کی جگہوں میں تازہ ہوا کو بلا روک ٹوک آنے جانے دینا' سورج کی اولین شعاع اپنے جسم پر پڑنے دینا' متوازن و مناسب غذا صحیح وقت پر اطمینان سے کھانا' تازہ اور صاف پانی پینا' بعد عشاء رات کو جلد سونا اور صبح نماز فجر سے قبل بیدار ہونا' بقدر مناسب ورزش کرنا اور اپنے جسم کو پاک صاف رکھنا وغیرہ۔ یہ سب کے سب اصول حفظِ صحت ہیں۔ ان کا پورا پورا خیال رکھنا اس کی قطعی ضمانت ہے کہ آپ بیماریوں اور امراض سے بچے رہیں گے اور دواؤں کے غلط اور غیر ضروری استعمال سے آپ کو نجات حاصل رہے گی۔ بلاشبہ صحت اور تندرستی کا انحصار اسی پر ہے کہ ہر انسان صحت کی حفاظت کے اصول پر عمل کرے۔ ان اصولِ حفظ صحت کے علاوہ بھی ایک حد درجہ اہم چیز ہے جس کا صحت و تندرستی سے بہت گہرا تعلق ہے اور بہت زیادہ ہے' وہ ہے صفائی' پاکی اور طہارت۔ جب ہم سرور کائنات' فخر موجودات اور ہادیِ برحق جناب رسول اللہ ﷺ کی اعلا و ارفع تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو ہم پر یہ بڑی عجیب و غریب حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ جناب نبی آخرالزماں علیہ التحیہ والسلام نے سب سے پہلے انتہائی اہمیت کے ساتھ تندرستی اور صفائی اور صحت و طہارت کا رشتہ قائم فرمایا اور قولِ فیصل کے طور پر تندرستی اور صفائی اور صحت و طہارت کو لازم و ملزوم قرار دے دیا۔ تعلیماتِ رسولِ برحقؐ میں صفائی اور صحت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ درحقیقت جب صفائی و پاکی اور طہارت کا ذکر فرمادیا گیا ہے تو عقل و فہم کو بیدار ہو کر' سمجھنا چاہئے کہ اس سے منشاء مراد جسمانی صفائی بھی ہے اور روحانی و ذہنی صفائی بھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث دونوں انتہائی اہمیت کے ساتھ طہارت جسمانی اور پاکیزگی خیال و فکر پر زور دیتے ہیں۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ انسان غلاظت و کثافت کے انباروں میں جسمانی طور پر صحت مند رہ سکے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی انسان خیالاتِ بد اور افکار فاسدہ کے ساتھ اپنی صحت کو برقرار رکھ سکے۔ ایک انسان جو غسل نہ کرے' اپنے دانت اور ناک کو صاف نہ رکھے' ناخنوں کو نہ تراشے' سر اور داڑھی کے بالوں کو نہ سنوارے وغیرہ' وہ صحت مند اور تندرست نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح انسان اپنے ماحول کو صاف ستھرا نہ رکھے تو اس کی صحت پر ضرور خراب اثر پڑے گا' کیوں کہ گندگی اور غلاظت انسان کے حواس اور قویٰ کو متاثر کرتی ہے اور خراب اثر ڈالتی ہے یہی حال خیالاتِ بد اور افکار فاسدہ کا بھی ہے۔ ایک انسان جذباتِ حسد میں جل بھن رہا ہے یا کینہ و بغض کا شکار ہے یا اپنے دوست یا عزیز کے خلاف مصروف سازش ہے' اور دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانے کے سامان کر رہا ہے' وہ یقیناً برائی کر رہا ہے اور ان فاسد جذبات سے اس کی نہ صرف روحانی اور ذہنی صحت متاثر ہو کر رہتی ہے' بلکہ جسمانی طور پر بھی وہ خستہ حال ہو جاتا ہے' کیوں کہ خیالات ردّی و افکار فاسدہ اسے شرف آدمیت و انسانیت سے گرا دیتے ہیں۔ انسان کے لئے تو اشرف المخلوقات ہونا مقدر ہے' مگر جو انسان اپنے پایہ شرف سے گر جائے وہ صحت مند نہیں ہو سکتا اور تندرست نہیں رہ سکتا۔

تو جب ہم صحت و صفائی کی گفت گو کرتے ہیں تو ہماری مراد واضح طور پر یہ ہوتی ہے کہ انسان جسمانی اور روحانی طور پر صفائی اور پاکیزگی کا اہتمام و احترام کرے' تب ہی اس کی صحت جسمانی و ذہنی برقرار رہ سکتی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالےٰ صفائی کے باب میں عام انسانوں کو نہیں' بلکہ براہ راست جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرماتا ہے۔

سورہ مدثر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَثِیَابَكَ فَطَهِّر

یعنی: "اے پیغمبرؐ! اپنے کپڑے پاک رکھیے"

رسالت مآب کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہ لَا یُحِبُّ الوسخَ وَالشعث

یعنی: اللہ تعالیٰ کو گندا میلا بدن اور اُلجھے غبار آلود بال ناپسند ہیں۔"

خود اپنے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یحب التوابینَ وَیُحِبُّ المطهرینَ۔ (البقرہ: ۲۲۲)

یعنی: "اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو چاہتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔"

کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم کے بارے میں بڑا واضح حکم ہے کہ:



لاَ یَمسُہٗ اِلا المطھرون ۔ (الواقعہ : ۷۹)

یعنی : نہیں ہاتھ لگاتے اسے (یعنی قرآن پاک کو) مگر پاک صاف لوگ۔"

صفائی کے باب میں مصحف آسمانی کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے اور اس میں فہم کے لئے کوئی اشکال موجود نہیں ہے اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں صفائی و طہارت کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ پاکیزگی افکار کے بارے میں قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ سورہ مدثر کی مذکورہ بالا آیت یعنی وَثیابَکَ فطھر سے متصل فرمایا گیا ہے :

وَ الرجز فاھجر (المدثر : ۵)

یعنی : "ناپاکی اور گندگی سے پرہیز کرو۔"

اور اس مفہوم میں ظاہری اور جسمانی گندگی کے ساتھ فکر و خیال کی ناپاکی اور فساد بھی شامل ہے۔ اخلاق سب سے بڑی طاقت ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں اخلاق کو بنیادی اور انتہائی مقام حاصل ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے :

وَ انکَ لَعَلیٰ خُلُق عَظیم ۔ (القلم : ۴)

یعنی : اور یقیناً آپ کی ذات اعلا اخلاق کا نمونہ ہے۔"

اخلاق کے بارے میں حضورؐ کے تین ارشاداتِ گرامی پر اس وقت غور فرمایئے :

اِنَّ مِن خیارِکُم اَحسَنکم اَخلاَ قا۔

یعنی : "تم میں بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں"

مَا مِن شَیءٍ اَثقَلُ فِی المیزَان مِنِ حُسنِ الخُلُقِ

یعنی : "قیامت کے دن تمام نیکیوں میں سب سے زیادہ وزن حسن اخلاق کا ہوگا۔"

اَکملُ المومنینَ اِیمَانا اَحسنُھُم خُلُقا۔

یعنی : "تمام اہل ایمان میں اس شخص کا ایمان کامل ہے جو بلحاظ اخلاق سب سے بہتر ہو۔"

اس تمام گفت گو کے بعد ہر انسان صرف اسی نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ صحت کی برقراری اور تندرست رہنے کے لئے جسم کی اور ماحول کی صفائی اور پاکی قطعی ضروری ہے اور اس کے ساتھ ہی بقائے صحت اور قیام تندرستی کیلئے یہ بھی لازمی ہے کہ انسان اپنے قلب کو بھی پاک صاف رکھے اور اپنے فکر و نظر کو پاک رکھنے اور اخلاق کی بلندیوں کو حاصل کرنے میں کوشاں رہے۔ طہارت کا اعلاتر مفہوم اسی طرح پورا ہو سکتا ہے۔ اب آپ بات کو اس طرح بھی سمجھ لیجئے کہ طہارت کے بغیر انسان صحت مند نہیں رہ سکتا اور اپنی تندرستی کو برقرار نہیں رکھ سکتا اور صحت اور تندرستی کے بغیر کوئی انسان کامیاب اور مسرور زندگی نہیں گزار سکتا۔

خوشگوار زندگی - ایک انمول نعمت

یہ بات بہت غم زدہ ہے اور فکر انگیز لیکن حقیقت ہے کہ معالجین کے پاس جانے والے مریضوں کی بڑی تعداد زمانہء حال میں ذہنی دباؤ اور اعصابی تناؤ کا شکار ہوتی ہے۔ یہ آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس دباؤ اور تناؤ کے وجوہ بے شمار ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کاروبار میں نقصان 'نافرمان اولاد 'قرض کا بوجھ 'ہوشربا اخراجات 'لوگوں کی ایذا رسانیاں' سیاست کا کذب اور ریاست میں عدم صدق اور اضمحلال اخلاق وغیرہ۔ یہ سب مسائل یا ان سے ملتے جلتے مسائل پہلے بھی موجود تھے لیکن اس وقت لوگ اس طرح کے اعصابی دباؤ کا شکار نہیں ہوتے تھے جس طرح آج ہیں۔ شاید کہ لوگ اس وقت اتنے ذکی و حساس نہیں تھے یا شاید ان مسائل کا کوئی نہ کوئی مناسب حل تلاش کر لیتے تھے۔

انسانی زندگی مجموعہء حوادث ہے۔ اس زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آتے ہیں کہ جب ہم مایوسی کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اس وقت ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی اچھا دوست میسر آجائے جو ہمیں بہتر مشورہ دے سکے یا کوئی کتاب مل جائے جو ہمیں مایوسی کی دھند سے باہر نکال سکے۔ انسان کا مایوسیوں کی گرفت سے نکل آنا بے حد ضروری ہے۔ اگر یہ مایوسیاں قائم رہیں تو بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) سے لے کر امراض قلب اور امراض اعصاب تک لاحق ہو جاتے ہیں تو پھر اچھا یہ ہے کہ ہم حالات کو ایک نئے انداز اور زاویے سے دیکھیں۔ ہر دن ہمارے پاس نئی مصروفیت لے کر آتا ہے اور ضرور یہ خوشخبری ہمیں دیتا ہے کہ ابھی اللہ تعالیٰ آپ سے مایوس نہیں ہوا ہے۔ وہ اب بھی آپ سے کچھ کام کرانا چاہتا ہے۔ وہ اب بھی آپ کو ابواب فتح سے گزارنا چاہتا ہے۔ یہی خوشخبری ہمیں ہے کہ جو ہمیں احساس مسرت اور خود اعتمادی عطا کرتی ہے۔ ہمیں یقیناً ان خوشخبریوں کو توجہ سے سننا چاہئے اور ہر نئے دن کے پیغام کو جاننا اور سمجھنا چاہئے۔ آیئے کیوں نہ آج ہی کے دن سے ہم اس کام کا آغاز کر دیں!

کام ...... زندگی سے موت تک۔

بعض لوگ بچپن میں ہی کسی حادثے کا شکار ہو کر جسمانی یا ذہنی معذوری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ اپنے عروج کے دور میں یعنی نوجوانی کے دور میں حادثے یا بیماری کے باعث معذور ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انھیں زندہ رکھتا ہے کیونکہ انھیں ابھی کام کرنا ہے۔ اللہ ہر ذی روح کو اس دنیا میں اس وقت تک زندہ رکھتا ہے کہ جب تک اسے کوئی نہ کوئی کام کرنا ہوتا ہے۔ انسان کی عظمت اور اس کی رفعت یہ ہے کہ وہ کام کو کبھی بوجھ نہ سمجھے۔ باور کرے کہ کام ہی حیات ہے! جب تک حیات ہے اسی وقت تک کام ہے۔ مرے ہوئے لوگ کام نہیں کرتے 'زندہ لوگ ہی ہمیشہ کام کرتے ہیں۔

ذہن جسم کا محافظ ہے۔

ذہن میں جو خیالات جنم لیتے ہیں وہ جسم پر اپنے اثرات نمودار کرتے ہیں۔ بددیانتی' نفرت' حقارت اور جھوٹ ایسے جرائم ہیں کہ جو روح کو بیمار کر دیتے ہیں۔ روح کی بیماری جب بڑھ جاتی ہے تو جسم میں ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے۔ غصہ لعاب دہن کو ایک ایسے کیمیائی زہر میں تبدیل کر دیتا ہے جو جسم کے لئے مضر ہوتا ہے۔ شدید جذباتی کیفیات بھی روح و قلب کو اتنا زیادہ متاثر کرتی ہیں کہ چند گھنٹوں میں موت تک واقع ہو جاتی ہے۔ سائنسی تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوا ہے کہ جرم کرنے والے شخص کو دوران تفتیش اپنا جرم چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے جو پسینا آتا ہے وہ کیمیائی طور پر عام شخص کے پسینے سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ خوف کی حالت دیر تک طاری رہنے کے نتیجے میں متاثرہ شخص کی موت تک واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اپنے ذہن کو شدید جذبات اور برے خیالات کی آماجگاہ نہ بنایئے۔

دل کے محسوسات۔

دنیا میں جتنی بھی خوبصورت ترین چیزیں ہیں انھیں نہ دیکھا جا سکتا ہے نہ انھیں چھوا جا سکتا ہے' انھیں صرف دل کے ذریعہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ چند ہی دن کی تو بات ہے کہ میں نابیناؤں کے ایک اسکول میں عظیم نابینا بچوں سے ملنے گیا تھا۔ اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا! نابیناؤں کے اسکول میں ایک ننھے بچے نے جو انگلیوں میں رنگ لگا کر مصوری کرنا سیکھ رہا تھا' اپنے استاد کے سامنے اپنے ہاتھوں میں رنگ بھرا۔ جب اس کے دونوں ہاتھوں میں رنگ خوب بھر گیا تو وہ اپنے استاد کی جانب مڑا اور کہا "دیکھئے میرے ہاتھوں کو دیکھئے' یہ ایسے لگ رہے ہیں جیسے ان میں ......" اس نے کچھ سوچنے کے لئے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی۔ استاد سوچ رہا تھا کہ وہ کہے گا کہ اس کے ہاتھ ایسے لگ رہے ہیں جیسے ان میں خون بھرا ہوا ہو! لیکن اس کے بجائے نونہال نے کہا۔ "جیسے ان میں پھول بھرے ہوئے ہوں۔"

نابینا بچے کا خوبصورت تخیل در حقیقت نگاہوں کی بدولت نہیں بلکہ دل کی بدولت تھا۔ خوبصورتی در حقیقت "تخیلاتی" شئے ہے۔ آپ پہلے اپنے ذہن میں خوبصورتی کا تصور لائے اور پھر کسی چیز کو دیکھئے ...... وہ آپ کو خوبصورت محسوس ہو گی۔

خوش رہنے کا طریقہ.

خوش رہنے کے لئے کئی مواقع ہیں۔ آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ پنے گھر والوں سے محبت کرتے ہیں اور یہی اللہ کا حکم ہے۔ یہ محبت دنیاوی کامیابی سے زیادہ اہم اور قیمتی ہے۔ آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ اپنا کام یانتداری سے انجام دے رہے ہیں اور دیانتدار شخص کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔ آپ ں لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ کبھی اس کام میں کسی کی مدد یا تائید نہیں کرتے نسے آپ غلط سمجھتے ہیں۔ آپ ہمیشہ صحیح کام کرنے کی حمایت کرتے ہیں اور غلط کام سے اجتناب کرتے ہیں۔ آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ ہمیشہ متوازن ندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اور حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھتے۔ اپنا کچھ قت کام میں صرف کرتے ہیں' کچھ وقت آرام کے لئے اور کچھ وقت خالصتاً اللہ کی بادت کے لئے وقف کرتے ہیں۔ آپ اس لئے بھی خوش رہ سکتے ہیں کہ آپ کا نمیر مطمئن ہے کہ آپ بے لوث خدمت خلق کرتے ہیں اور انسان کی راحتوں کا سامان کرتے ہیں۔

الہامی رہنمائی کاادراک.

کبھی آپ کسی ہسپتال میں جائیں۔ وہاں آپ ایک مخصوص بو ہر جانب پھیلی ہوئی سوس کریں گے۔ ہر جانب افراتفری مچی ہوگی۔ یہ دراصل ایک ایسی جگہ ہے ہاں زندگی اور موت کے وجود کا احساس تقریباً بے معنی ہے۔ یہاں کوئی شخص کسی رے میں لیٹا ہوا زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہے اور کسی کمرے میں ننھی سی جان جنم لے رہی ہے۔ کوئی اس دنیا سے جا رہا ہے اور کوئی اس دنیا میں آرہا ہے۔ کہیں خوشی کے نغمے گائے جارہے ہیں۔ یہ اس دنیا کا دستور ہے۔ اسلامی نظام حیات میں نیاوی موت سے مراد محض فنا ہونا نہیں بلکہ یہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہے۔ زندگی للہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہے جسے موت ختم نہیں کر سکتی۔ یہ جاری رہتی ہے' البتہ میں اس کا ادراک نہیں۔

انسان کو ہمیشہ رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی ایک سمندر ہے اور سمندر ی طرح اس میں کوئی سمت' کوئی رخ نہیں ...... یہ ازل سے ابد تک محیط ہے۔ بہتر ندگی گزارنے میں مدد دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام عالم انسانیت کو سلام کی صورت میں دیا ہے۔ ہمیں اس رہنمائی کا شعوری طور پر بھی ادراک کرنا چاہئے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

نیا دن ...... نیا موقع .

یہ کائنات ہر روز انسان کو نئے دن کو صورت میں نیا سکہ دیتی ہے۔ ہر نیا دن نسان کے لے دولت کے مانند ہے' بیش بہا دولت۔ جب یہ دولت صرف ہو جاتی ہے اور رات آجاتی ہے تو آپ رات گزارنے کے بعد مزید کام کرنے کیلئے نیا سکہ' خود خود حاصل کر لیتے ہیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے آپ کوئی جدوجہد نہیں کرتے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے تاکہ آپ مزید کام انجام دے سکیں۔ اس دنیا میں آپ کو وہ سب کچھ ملتا ہے جو آپ اس کو دیتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں سے نفرت کرتے ہیں تو لوگ آپ سے بھی نفرت کریں گے۔ اگر آپ ان سے بددیانتی کرتے ہیں تو وہ بھی آپ سے بددیانتی کریں گے۔ اگر آپ ان پر اعتماد کرتے ہیں تو وہ بھی آپ پر اعتماد کریں گے۔ ان مواقع کو ضائع نہ کریں اور لوگوں سے محبت سے پیش آئیں۔

کسی کو برا نہ کہیں.

اگر آپ اتفاقاً کسی بچے کو دیکھیں جو راستے میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا پریشان اور بدحواس چلا جارہا ہے تو عین ممکن ہے کہ جب آپ اس سے پریشانی کی وجہ دریافت کریں تو وہ کہے کہ اس سے روپیہ گم ہو گیا ہے۔ روپیہ اس کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ روپے کا گم ہونا اس کے لئے ایسے ہی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ایسی حالت میں آپ اپنی جیب میں سے روپیہ نکال کر اسے دے دیں گے تو اس کے چہرے پر جو خوشی اور مسکراہٹ نمودار ہوگی وہ آپ کا دل خوشیوں سے بھر دے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اسے کسی جرم سے بچالیں جو وہ روپیہ گم ہوجانے کے بعد چوری کی صورت میں کرتا۔ غلطی انسان کا شعار ہے۔ کبھی کسی سے غلطی سرزد ہو جائے تو اس غلطی کی وجہ سے اسے اتنا برا نہ کہیں کہ وہ راہی بن جائے۔ اسے سیدھی راہ دکھائیں کہ یہ بھی نیکی ہے۔ عین ممکن ہے کہ آپ کی یہ احتیاط اس کی زندگی میں انقلاب برپا کردے اور یہ نیکی آپ کے نامہ اعمال میں درج کردی جائے۔

میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں.

ایک دوست اپنی بیوی کے انتقال پر اتنے دلبرداشتہ ہوئے کہ تقریباً ذہنی مریض بن کر رہ گئے۔ ماہرین کی تجویز پر وہ بیرون ملک بھی گھوم پھر آئے لیکن شریک حیات کا ساتھ چھوٹ جانے کا رنج ان کے دل سے محو نہ ہوا۔ بالآخر وہ ایک روز ویرانے کی جانب چل دیئے اور ایک بلند پہاڑ پر خودکشی کے ارادے سے چڑھنے لگے۔ وہ ابھی بلندی پر پہنچے بھی نہ تھے کہ انھوں نے کہیں قریب سے کسی کے گنگنانے کی آواز سنی۔ وہ حیران ہوئے کہ اتنی بلندی پر اس ویران پہاڑ پر یہ آواز کیسے آئی؟ خودکشی کے ارادے نے انھیں موت سے بے خوف کر دیا تھا۔ انھیں نے اس آواز کا منبع تلاش کیا اور بہت جلد انھیں پہاڑ کے ایک درے میں ایک نونہال بیٹھا ہوا نظر آگیا جو کنکروں سے کھیلتے ہوئے بڑے انہماک سے گنگنا رہا تھا۔ نونہال کی اس معصوم سی گنگناہٹ نے ان کے دل سے سارا رنج و غم ختم کر دیا۔ انھیں محسوس ہوا کہ کوئی انھیں ملامت کر رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے تحفے کو ختم کرنے جارہے تھے۔ 'تم خودکشی کرنا چاہتے تھے' حالانکہ اللہ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہر لمحے تمہاری مدد کرتا ہے۔ جہاں تم اکیلے ہو وہاں وہ دوسرا ہے۔ جہاں تم دو ہو وہ وہاں تیسرا ہے۔ جہاں تم تین ہو وہاں وہ چوتھا ہے۔ تم کبھی تنہا نہیں ہو۔ اگر تم اس کا ذکر کروگے تو وہ تمہارا ذکر کرے گا۔ اگر تم اس کی طرف ایک قدم چلوگے تو وہ تمہاری طرف تیز تیز چل کر آئے گا۔

مکافات عمل.

یہ دنیا دار المکافات ہے۔ یہاں ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس دنیا میں کرے گا۔ یہ قانون قدرت ہے اور یہ قانون ہر شخص کے ساتھ ہے۔ یہ کائناتی قانون ہے۔ قدرت کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جھوٹ کبھی پھل پھول نہیں سکتا اور سچ کبھی دب نہیں سکتا۔ اس دنیا میں کھرب ہا کھرب انسان آور جا چکے ہیں۔ بے شمار بادشاہتیں قائم ہوئی ہیں لیکن نیکی کا صلہ ہمیشہ نیکی کی صورت میں ملتا ہے اور ظلم کا انجام ہمیشہ ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

ٹیلی وژن اور بچے

عہد حاضر کے انکشافاتِ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں انکشافات یقینی طور پر انسان کے لئے آرام و آسائش کا سامان کر رہے ہیں اور انسان عصری سائنس اور ٹیکنالوجی کے نتیجے میں حاصل ہونے والی نعمتوں اور سہولتوں سے متمتع ہو رہا ہے اور یہ اس کی جدو جہد و کاوش اور سعی پیہم کا لازمی ثمر ہے۔ بہ ایں ہمہ اس حقیقت سے انکار محال ہے اور مشکل کہ میدان اختراع و ایجاد میں عدم توازن نے اور تفکر و تدبر کے نتیجے میں محیر العقول انکشافات کو ذریعہ خدمت و آسائش بنانے میں خلل بلکہ فرار نے سنگین اخلاقی مسائل کو بھی جنم دیا ہے جن کی شدت ہمہ جہت اور ہمہ گیر نوعیت اختیار کر چکی ہے۔

ٹیلی وژن یقیناً اور صریحاً عصری سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں ایک مثبت پیش رفت کا عنوان ہے اور انسان اپنی اخلاقی توانائیوں سے اور اخلاص کی طاقتوں سے اس اختراع سے فلاحِ انسان و انسانیت اور صلاح معاشرت و معیشت کے بہترین سامان کر سکتا ہے اور اس ایجاد کی عالمی برقی و شعاعی لہروں کے ذریعہ سے انسانی ذہن و فکر کی جلا کا اہتمام کر سکتا ہے اور بلا شبہ اس کرۂ ارض پر موجود بعض اقوام و امم نے ٹیلی وژن کو فلاحی اور اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا عزم بھی کیا ہے اس کے باوجود ایسی متعدد اقوام و ملل ہیں کہ جنھوں نے دامن احتیاط چھوڑا ہے اور اس بے احتیاطی کے نتیجے میں ان اقوام و ملل نے زوالِ اخلاق اور اضمحلال کردار اور بحران فکر و نظر کو دعوت دی ہے۔ دنیا کے ماہرین اور صاحبان قلب و نظر ٹیلی وژن کے ان اثرات کا گہرائی اور گیرائی تکر تشویش کے ساتھ مطالعہ کر رہے ہیں کہ جو بچوں پر مرتب ہو رہے ہیں۔ ہر چند کہ ہنوز ماہرین نے اپنے مطالعے کو کوئی مربوط شکل نہیں دی ہے اور اب تک اس وطن پاک میں کوئی ایسا مطالعہ نہیں ہوا ہے کہ ہم قطعیت کے ساتھ ٹیلی ویژن کے اخلاقی، سماجی اور صحتی اثرات پر کوئی حکم لگا سکیں بہ ایں ہمہ یہ تشویش ذہن و دماغ میں موجود ہے کہ کے بچوں پر ٹیلی ویژن کے اثرات بین طور پر مثبت و صحت مند مرتب نہیں ہو رہے ہیں اس ذیل میں ہمیں ایک امریکی مطالعے سے حالات کا جائزہ لینے میں مدد ملتی ہے۔ امریکا کے چند ماہرین نفسیات نے یہ انکشاف کیا ہے کہ چھوٹے بچوں پر ٹیلی ویژن دیکھنے کے اثرات بڑی شدت سے ہوتے ہیں۔ ماہرین نفسیات نے 276 چھوٹے بچوں کی عادات و اطوار اور نشو و نما کے بارے میں اب تک جائزہ لیا۔ ان بچوں کی عمریں چھ سے لے کر آٹھ سال تک تھیں۔ یہ جائزہ تین سال کے عرصے میں لیا گیا پتا چلا کہ لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیاں ٹیلی ویژن کم دیکھتی ہیں۔ پھر بھی تیسری جماعت کے بچوں میں ٹیلی ویژن دیکھنے اور مار دھاڑ والے پروگرام پسند کرنے کا رجحان زیادہ پایا گیا۔ یہ بچے جب تیسری جماعت سے پانچویں جماعت میں چلے گئے تو ان کی یہ عادت کم ہو گئی۔ بہر حال جب یہ بچے آٹھ اور نو سال کے تھے تو ان میں ٹیلی ویژن دیکھنے کی عادت شدت سے پائی گئی۔ بڑے بچوں کے مقابلہ میں یہ چھوٹے بچے جو کچھ ٹیلی وژن پر دیکھتے ہیں اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ حقیقت اور افسانے کے درمیان امتیاز کر سکیں چوں کہ دیگر جائزوں سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ ٹیلی وژن پر مار دھاڑ دیکھنے کا جارحیت سے گہرا تعلق ہے اس لئے چھوٹے بچوں کے اطوار پر مار دھاڑ دیکھنے کا بے حد خراب اثر پڑ سکتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ بچوں میں جارحیت کا رجحان دس گیارہ برس کی عمر تک بڑھتا رہتا ہے۔

گزشتہ دس برسوں میں جو مشاہدات کئے گئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیلی وژن دیکھنے کی زیادتی کے ساتھ ساتھ بچوں میں جارحانہ رویہ پیدا ہو گیا ہے۔ بچے جب ہاتھاپائی اور لڑائی دنگا دیکھتے ہیں تو وہ اس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح سے وہ بد تمیزی اور بد زبانی بھی سیکھتے ہیں۔ تیرہ برس کی عمر کے بعد بچوں میں یہ رجحان کم دیکھا گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ چھوٹے بچے جارحانہ حرکتوں کے اسباب کا تجزیہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ جب لڑائی جھگڑا دیکھتے ہیں تو ان کو صرف وہی بات یاد رہ جاتی ہے۔ اُن کو یہ پتا نہیں چلتا کہ بعض اوقات آدمی کو اپنی مدافعت کے لئے بھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ٹیلی وژن پر عموماً بچوں کا قبضہ رہتا ہے۔ والدین اپنے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ لہٰذا ادھر ٹیلی وژن شروع ہوا اور اُدھر بچے آکر اس سے چپک گئے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچے جتنا زیادہ ٹیلی وژن دیکھتے ہیں اتنا ہی وہ پڑھنے کے لئے کم وقت دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو بچے بہت زیادہ ٹیلی وژن دیکھتے ہیں وہ کند ذہن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جن بچوں کو کہانیاں پڑھ کر سنائی گئیں

(باقی صفحہ 96 پر)

شہروں میں ماحول کی آلودگی

ہر چند کہ آلودگی ماحول ہر ملک کے بڑے شہر کا مسئلہ بن چکا ہے مگر ترقی پذیر ممالک میں اس نے سنگین مسئلے کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ پاکستان کے شہروں میں ماحول کی آلودگی اور خرابی میں ہوا اور پانی کی کثافت کے مسائل پیش پیش ہیں ہوا ان کی نوعیت یہ ہے کہ خواہ کسی طرح کے ہوں یہ انسان کے ہاتھوں پیدا کردہ ہیں لیکن شہراؤ(URBANISATION) اور صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی وضع میں تنوع پیدا ہو رہا ہے۔ نئے نئے شہروں میں سکونتی نظام بلند وبالا عمارتیں کی تعمیر اور ذرائع نقل و حمل' مثلاً موٹر سائیکل رکشاؤں کا شور' موٹر کاروں کی کثرت' غیر معیاری بسوں کا دھواں وغیرہ اور ٹریفک کے دوسرے مسائل سے نت نئے ماحولی مسائل جنم لے رہے ہیں جو لوگوں کی صحت کے نئے خطرات کا سبب ہیں' اسی پر مستزاد پانی کا نقصان اور میسر پانی کا ناصاف ہونا' ازجی کا اضمحلال' وہ مسائل ہیں کہ جن کی وجہ سے صحتِ انسانی خطرات سے دوچار ہے اور زندگی اجیرن ہو رہی ہے۔

اگرچہ دنیا کے بڑے شہروں میں پینے کے پانی کی کثافت اور آلودگی کا مسئلہ تقریباً ختم ہو چکا ہے' لیکن ہوا میں آلودگی اور ناپاکی کے مسائل بڑھ گئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ایسے بڑے گنجان آباد شہروں میں لوگ تنفس اور پھیپھڑوں کے امراض وغیرہ میں عام طور پر مبتلا ہیں۔ اگر ہم بڑے شہروں کی بات کریں تو ہم برملا یہ کہیں گے کہ یہاں صنعتی چیخ و پکار اور موٹر رکشاؤں کے شور اور ریڈیو سیٹوں کا غیر اخلاقی شور و غل اور لاؤڈ اسپیکروں کا نامعقول استعمال تنہا ایک ایسا سنگین مسئلہ ہے کہ اس نے اس شہروں کی چوتھائی آبادی کے اعصاب کو تباہ کر ڈالا ہے' اور ایسے متعدد حالات نے چوتھائی آبادی کو ذہنی اور دماغی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور عصبی تناؤ نے آدھی سے زیادہ آبادی کو مختلف اعتبار و انداز سے آمادۂ فساد کر رکھا ہے۔ کافی اور سگریٹ کا استعمال' منشیات اور سکون یا نیند کی دواؤں کے غلط اور ناجائز استعمال نے شہری زندگی کو پژمردہ و پامال کر رکھا ہے ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ہوا اور فضا کی کثافت کے مسئلے کو حل کرنا مشکل نہیں ہے' لیکن اس کے لئے پہلے شہری ماحول میں آلودگیوں کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ نیز انتظامیہ اور مقتدرہ کا ضمیر ہونا لازمی ہے۔ ہوا کی آلودگی سے مراد ہوا اور فضا میں غیر قدرتی (انسان ساختہ) اجزا کی ملاوٹ' بہ لحاظ عرصہ و مقدار' بہ لحاظ تاثیر و نوعیت ہے' جو انسانوں' ہر قسم کی دیگر انواع حیات اور درختوں اور پودوں پر مضر اثرات ڈالتے ہیں۔ یہ اجزا ایک یا ایک سے زائد ہو سکتے ہیں اور انسانی اور دیگر انواع حیات نیز درختوں وغیرہ کی بقا' نمو اور صحت کے لئے رکاوٹ اور خطرہ ہوتے ہیں۔ ان کی قدرتی زندگی میں ایک طرح کی منفی مداخلت کرتے ہیں۔ درحقیقت ہوا کی آلودگی کے دو ذرائع ہیں' قدرتی اور آدمی کی پیدا کردہ آلودگی' قدرتی ذرائع میں ریت کی آندھیاں' آتش فشاں کے دہانوں سے نکلنے والی گیس اور شعلے وغیرہ ہیں۔ انسان کی پیدا کردہ ہوا کی آلودگیاں کیمیائی اجزا' ٹریفک کے دھوئیں اور تمباکو نوشی کا نتیجہ ہیں۔

شہروں میں ماحول کی خرابی اور ہوا کی آلودگی کے متعدد وجوہ ہیں مثلاً :

۱۔ عمارتوں اور تعمیرات نیز آبادیوں کا پھیلنا' شہری آبادی میں زبردست اضافہ یا شہراؤ۔

۲۔ درختوں کی کمی' پارکوں کی قلت۔

۳۔ بلند تنصیبات اور فلک بوس عمارتوں کی وجہ سے ہوا کے بہاؤ میں رکاوٹ۔

۴۔ کارخانوں کی پست قامت چمنیاں گیس خارج کرنے والے پائپوں کی کم بلندی۔

۵۔ ہوا میں صنعتی آلودگی مثلاً گیسوں' کیڑے مار دواؤں' کیمیائی اجزا' پٹرول اور سلف ڈائی اوکسائیڈ کے اجزا کی ملاوٹ۔

ہوا میں مختلف مضر صحت اجزا کی ملاوٹ پر قابو پایا جا سکتا ہے' لیکن اس کیلئے سب لوگوں کا تعاون ضروری ہوتا ہے۔ شہر کی ہوا' ہر شہری کے لئے ہے۔ چنانچہ ہر شہری کو اسے صاف اور قدرتی رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بعض منفی رجحانات ہیں' جن کو حسن تدبر سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ منفی رجحانات عموماً بعض صنعتی ضروریات کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہوا بند (SEA LED) عمارتیں جہاں بہت سے لوگ پنکھوں یا ائرکنڈیشنوں کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہ عمارتیں عموماً صنعتی پلانٹ ہوتے ہیں' مثلاً بجلی گھر' کاروں کی فیکٹریاں اور حساس آلات تیار کرنے کے ادارے وغیرہ۔ پھر دفاتر میں یا گھر میں قدرتی ہوا کے گزر کے انتظامات کا نہ ہونا' یہ منفی رجحانات عمارتوں کے اندر اور باہر کی ہوا کو آلودہ کر سکتے ہیں۔ ایسی عمارتیں جن میں ہوا کی نکاس اور گردش کے لئے روشن دان یا ہوادان ہوں درست اور صحت کے لئے موزوں ہیں۔ بند عمارتوں میں یہ سہولت نہیں ہوتی بلکہ ان کو مصنوعی طور پر سرد یا گرم

رکھا جاتا ہے۔ ائرکنڈیشنڈ عمارتیں بعض حالات میں مضر صحت ہیں۔ ایسی بند عمارتوں میں کاربن مونو اوکسائیڈ، کاربن ڈائی اوکسائیڈ نیز نائٹروجن کے اوکسائیڈ کی مقدار نقصان دہ حد تک بڑھ جاتی ہے۔ ان میں اور ایسی عمارتوں میں جہاں کوئی ایک جگہ کھلی نہ ہو امراض کے جراثیم جمع رہتے ہیں اور ان کا اخراج مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ چند دفاتر اور مکانوں میں کم از کم ایک زینہ اور ہوادار راستہ ہونا بہتر ہے۔ پھر بند اور روشن دان سے محروم عمارتوں میں تمباکو نوشی زبردست خطرہ بن جاتی ہے کیوں کہ غلیظ دھوئیں کو باہر نکلنے کا موقع نہیں ملتا۔ جو لوگ سگریٹ نہیں پیتے وہ بھی نقصان کی زد میں آجاتے ہیں۔ ایسی عمارتوں میں سگریٹ نوشی قطعاً منع ہونی چاہئے۔ بند سکونتی عمارتوں میں جراثیم کی پرورش کے ساتھ ساتھ گیس کے چولہوں کے جلنے سے نہایت مضر کاربن اجزا جمع ہوجاتے ہیں۔ اگر عمارتوں میں کھڑکیاں اور روشن دان ہوں تو یہ مضر اجزا آسانی سے خارج ہوجاتے ہیں۔ تمباکو نوشی کی وجہ سے پیدا ہونے والے مضر اجزا خارج کرنے کے لئے بھی عمارتوں میں کھڑکیاں یا روشن دان ضروری ہیں۔ شہری ماحول کے لئے ایک بڑا خطرہ ٹریفک کا شور اور گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں ہوتا ہے اس طرح کہ گاڑیوں میں سے دھواں خارج نہ ہو۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ شہری ہوا میں کثافت اور آلودگی کی بہت بڑی مقدار گاڑیوں کے دھوئیں کی ہوتی ہے۔ یہ دھواں اور گیس کاربن مونو آکسائیڈ کے خطرناک ذرات سے پُر ہوتی ہے جو طرح طرح کے امراض خاص طور پر سانس کے امراض اور سرطان کا باعث ہوتی ہے۔

شہروں میں ماحول کو بہتر بنانے اور ہوا کو آلودگی سے پاک رکھنے کی ایک تدبیر زیادہ درخت وار پارک ہیں۔ سبزہ زار، پودے، کیاریاں، پارک اور درخت ہر قسم کی فضائی آلودگی خاص طور پر کاربن ڈائی اوکسائیڈ سے حفاظت کا بہترین اور آسان ذریعہ ہیں۔

شور و غل ایک نہایت سنگین مسئلہ صحت ہے۔ اگر بڑے شہروں میں موٹر کاروں کے ہارنوں، موٹر سائیکل رکشاؤں کے شور، ریڈیو کے غل اور لاؤڈ اسپیکروں کے ناجائز استعمال پر قدغن قائم نہ کیا گیا تو آبادی کا بڑا حصہ فکری اور ذہنی توازن کھو بیٹھے گا جس کے مظاہر موجود ہیں۔ ہم مشورہ دیں گے کہ بڑے شہروں، کے مسائل کو سمجھنے کے لئے اور ان کا حل تلاش کرنے کے لے موجودہ نظم کو توڑ دینا چاہئے کہ وہ صریحاً ناکام ہوگیا ہے اور ان کی جگہ سمجھ دار اور دیانت دار افراد پر مشتمل مختلف کمیٹیاں قائم کرنی چاہئیں تاکہ وہ انسانوں سے محبت کے جذبات کے ساتھ اور سلامتی ضمیر کے ساتھ مسائل کا حل پیش کریں اور نئی مقدرہ عمل کی راہوں کا سامان کرے۔

بقیہ: ٹیلی وژن اور بچے

ان کی یادداشت ان بچوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر پائی گئی جنھوں نے ٹیلی وژن پر وہی کہانیاں دیکھی تھیں۔

میں ٹیلی وژن کے پروگراموں کی ترتیب و تدوین میں دامن احتیاط پکڑے رہنے کی بڑی اچھی مثالیں موجود ہیں۔ بایں ہمہ یہ رائے قابل غور ہونی چاہئے کہ ہم اس ذریعہ ابلاغ سے تعمیر اذہان اور تعلیم و تبلیغ کا پوری طرح سامان کرنے سے ہنوز عاجز رہے ہیں۔ اس عجز کے بین اسباب میں ایک سبب یہ ہے کہ پاکستان میں اور خود ٹیلی وژن میں وہ موثر ئیت ناقدہ موجود نہیں ہے کہ جو ٹیلی کاسٹ کرنے سے قبل ایک ایک فکر، ایک ایک حرف اور ایک ایک نکتے پر تنقیدی نگاہ ڈال سکے اور پروگرام کو من حیث المجموع صراط مستقیم دے سکے۔

ٹیلی وژن کے باب میں یہ تاثر غلط نہیں ہے کہ یہ نہایت موثر ذریعہ ابلاغ تابع فرمان ہیئت حاکمہ ہے اور ہیئت حاکمہ کے اقتدار کو طول و دوام دینے کے لئے اس کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس نقطہ نظر میں جس قدر شدت ہے اس کا مظاہر فکر و نظر کے دوسرے میدانوں میں نہیں ہو رہا ہے۔ ان تاثرات عوام میں غلو ضرور ہو سکتا ہے مگر اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ ہمارا انداز فکر و نظر یہ ہے کہ اگر ہیئت اقتدار دیانت دار ہے اور تعمیر ملت اور ترقی دوطن اس کے فکر کی منہاج و معراج ہے تو اسے اس ذریعہ ابلاغ کو استعمال کرنے کا حق ضرور حاصل ہے مگر بایں ہمہ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صاحبان فکر و نظر کو ان کے حق استعمال سے محروم کردے اور فکر نظر کی یکسانیت کو منتہائے مقصود بنالیا جائے۔ ٹیلی وژن کے پروگراموں کی ترتیب اور تدوین کیلئے ان بہترین دماغوں کو استعمال کرنا چاہئے کہ جو تعمیر ملک و ملت کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں اور اس ذریعہ ابلاغ کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہیں۔

ٹیلی وژن کو بنیادی طور پر اور اساسی طور پر ذریعہ تعلیم بنانا چاہئے۔ یہ ایک فریضہ ہے اور اس فریضہ اہم کو بہ ہر انداز اور بہر طور ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ٹیلی وژن کو مکتبہ و مدرسہ بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ ٹیلی وژن پروگراموں کو اس فکر و نظر کے ساتھ مرتب و مدون کیا جاسکتا کہ ہر پروگرام خواہ وہ ڈراما ہو کہ افسانہ، غزل ہو کہ نظم سیر ہو کہ سیاحت، غرض ہر پروگرام کو پوری طرح دلچسپ بنانے کے باوجود اس سے تعلیم و تبلیغ کا ضرور سامان ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے۔

ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس موثر ذریعہ ابلاغ پر ناقدانہ نگاہ کرنے اور پروگراموں کا جائزہ لینے کے لئے میں ایک ہیئت ناقدہ کو لازماً موجود ہونا چاہئے تاکہ وہ نہ صرف تنقید کا سامان کرے بلکہ رہنمائی کا بہترین فریضہ بھی سرانجام دے سکے۔ بالخصوص اس کا میدان فکر و عمل بچے ہونے چاہئیں جو سب سے زیادہ ٹیلی وژن سے متاثر ہوتے ہیں۔

یک مرکزیت

اگر ہم تمام دنیا کا لٹریچر اپنے سامنے رکھیں اور مذاہب عالم کے اصول و نظریات کا مطالعہ کریں اور علماء و صلحا کے رُشد و ہدایت کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ جائزہ لیں اور اکابر رجال کے کر و نظر کو پیش نظر رکھیں اور حتماً تعلیمات اسلامی سے روشنی حاصل کرنے کی سعادت حاصل کریں تو ہم بالآخر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان سب نے اتفاق رائے سے اتحاد کی برکات کی طرف ذہن انسانی کی رہنمائی کی ہے۔ اس باب میں جہاں تک ملتِ مسلمہ کا تعلق ہے اور جہاں تک اہل اسلام کا تعلق ہے ان کے لئے قرآنِ حکیم نے قول فیصل دے دیا ہے :

واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً و لاتفرقوا۔

اس قول فیصل کی روشنی میں اللہ کے رسول مقبول ﷺ نے ہمہ وقت اور ہمہ دم اس ہدایت قرآن حکیم پر مسلمانان عالم کو متوجہ رکھا ہے اور اتحاد کی برکات کو ہر پہلو سے واضح کیا ہے اور اتحاد کو فتح و نصرت کا عنوان دیا ہے۔ پھر تاریخ کا ہر دور اس پر گواہ ہے اور شاہد کہ جب تک اتحاد قائم رہا ابواب فتح و نصرت وا ہوتے رہے اور جب اتحاد ٹوٹا کامرانیوں کی راہیں مسدود ہوئی ہیں اور کامیابیوں کا یہ دروازہ بند ہوا ہے اتحاد اور استراق کے مابین یہ فرق ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ یہ فرق و امتیاز قائم رہے گا۔ یہ اصل فطرت ہے اور قوانین فطرت غیر متبدل ہوا کرتے ہیں۔ انسانی طاقت ان نوامیس فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی۔ یک مرکزیت ہمیشہ اتحاد سے عبارت رہی ہے۔ اور اتحاد کا عنوان ہمیشہ مقصد رہا ہے۔ اگر مقصد متعین ہے اور مقصود حیات مشخص ہے اور منتہائے مقصود واضح ہے اور ایمان و اعتقاد غیر متزلزل ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اتحاد کو منتشر و متفرق نہیں کر سکتی۔ ایمان و ایقان کی طاقت ایسی مستحکم ہے کہ افتراق کی بڑی سے بڑی طاقت اس سے زیر ہو جایا کرتی ہے۔ ایمان کا مقدر عظمت و رفعت ہے اور ضعف ایمان کا حاصل ہمیشہ انتشار ہے۔ اگر ہم آج مثال و تمثیل کے طور پر جماعتِ اطبائے پاکستان کو موضوع فکر بنائیں تو اس کی بڑی دردناک تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ہم بڑے دُکھ کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں من حیثیت المجموع یہ جماعتِ حامل فن شریف ٹکریوں میں بٹی ہوئی ہے اور بٹے چلی جا رہی ہے۔ روزانہ ایک نئی جماعت جنم لیتی ہے اور دعوے دار عشق طب ہوتی ہے۔ زبانی اظہار مقصود ہر جماعت کا واحد ہے۔ منزل کی وحدت کا اظہار ہر عاشق کرتا ہے مگر یہ غور کوئی نہیں کر رہا ہے کہ جب یہ 40 ہزار کی جماعت ترقی طب کو مقصود ظاہر کرتی ہے تو یہ 38 سال سے اپنی منزل سے کیوں دور ہے؟

راہوں میں ہر جماعت بھٹک رہی ہے اور منزل اُس کی نگاہوں سے او جھل ہے۔ کہیں اس کا سبب یہ تو نہیں ہے کہ باوجود کہ مقصد واحد و وحید ہے یہ اس ہمہ لامرکزیت نہ ان کی نگاہ راہ بیں کو مکدر کر رکھا ہے؟ شاید مسئلے پر اس انداز سے غور کرنا نتیجہ خیز ہو۔

☆ مقصد کے باب میں ایمان و ایقان اور اعتقاد ضعیف ہے۔

☆ جماعت اطبا کو خود طب کی عظمت و رفعت پر اعتماد باقی نہیں رہا ہے۔

☆ اتحاد و اتفاق کی برکات پر جماعتِ اطبا کو یقین نہیں رہا ہے۔

☆ جماعتِ اطبا ایثار کے اعلا وصف سے صرفِ نظر کر کے ذاتی تشخص پر کمربستہ ہے۔

☆ تشخص ذاتی یقینی طور پر احساس کم تری کی صورت میں جنم لیتا ہے اور اس کا علاج اظہار برتری سمجھا جانے لگتا ہے مگر وہ کبھی سامان شفا نہیں رہا ہے۔

☆ مسابقت کے میدانوں میں کم ہمتی کی بنا پر جب شکست ہوتی ہے تو ردِ عمل کے طور پر فتح مندی کا عنوان اظہار ذات ہو جایا کرتا ہے۔

☆ عدم قناعت نے اطبا کو ہوس زر میں مبتلا کر دیا ہے اور زر مقصود حیات بن گیا ہے۔

☆ علم کی ہوائیں جب جہل کو راس نہ آتی ہوں اور جہل کو علم سے بدل دینے کا جذبہ باصلاحیت مقصود ہو جائے تو ذات کا اظہار لازمی ہو جایا کرتا ہے۔

☆ احترام باہمی کا جب فقدان ہو جایا کرتا ہے تو توہین آدم کو راہ مل جایا کرتی ہے اور انسان دوسرے انسان کو کھا جانے کے مرض میں مبتلا ہو جایا کرتا ہے۔

☆ قیادت کی جب صلاحیت نہ ہو اور دنیائے علم و فن میں انقلابات برپا ہوں تو انسان شکست کھا کر ایک جماعت کو تشکیل دے کر قیادت کے خبط میں مبتلا ہو جایا کرتا ہے۔

☆ شیطانی طاقتیں جب فکرِ انسانی پر قابو یافتہ ہو جایا کرتی ہیں تو وہ خیر کی ہر ادا کو مسمار کر دینے کا راستہ اختیار کر لیتی ہیں اور پھر انسان حسد اور بغض کے ہتھیار استعمال کرنے لگتا ہے اور یہ فراموش کر دیتا ہے کہ وہ اس راہ سے منزل مراد تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

پاکستان میں جماعتِ اطبا کو من حیث المجموع اور پھر مختلف انجمنوں اور ایسوسی ایشنوں کے صدر و قائدین محترم کو اس تجزیے کی میں حالات کا جائزہ لینا چاہئے اگر ایمان سالم

(باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

دین اور اخلاق کا تعلق

دنیا کے تمام مذاہب میں اخلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ دین اور اخلاق کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دین کی تکمیل ممکن ہی نہیں ہے جب تک اخلاق کی بلندی حاصل نہ ہو۔ عام طور پر دین کو صرف عقائد و عبادات سے متعلق سمجھا جاتا ہے لیکن در حقیقت اخلاق بھی اسی میں شامل ہے اور حسنِ اخلاق کا درجہ تمام دینی اعمال میں سر فہرست ہے۔ اس لئے عبادات اس وقت تک بے نتیجہ سمجھی جاتی ہیں جب تک انسان کے معاملات میں ان کی عکاسی نہ ہو اور جن انسانوں سے معاملات پیش آئیں وہ یہ محسوس کریں کہ عبادات نے اُن کے اخلاق میں بلندی پیدا کردی ہے اسی لئے عبادت گزار اگر اسلامی اخلاق پر پورا نہ اترے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کی عبادت میں کوئی خامی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ "میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" ایک دوسری حدیث میں اس سے زیادہ اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ :

"میں تو اس لئے بھیجا گیا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔"

ان واضح اعلانات کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں اللہ کی کتاب لے کر مبعوث ہوئے اور آپؐ نے لوگوں کے اخلاق درست کئے، تاکہ وہ دوسرے انسانوں کے لئے محبت و راحت اور ہمدردی و غم گساری کا نمونہ بن کر رہیں، اور کرہ ارض انسان کے لے امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔

سیرت رسولؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تعلقات کو معیاری حد تک درست کرنے کا کام آپؐ نے اپنے ابتدائی مکی دور ہی میں شروع کردیا تھا۔ نبوت کا ابتدائی دور تھا کہ حضرت ابو ذرؓ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کیلئے مکے بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر اپنے بھائی کو بتایا کہ "میں نے محمدؐ کو دیکھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔" اس شہادت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی تبلیغ کے ساتھ ہی اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی شروع کردی تھی۔

اس دور میں جب مکے کے قریش کے مظالم سے تنگ آکر چند مسلمان آں حضرتؐ کی اجازت کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے تو یہ بات اہل مکہ پر شاق گزری اور انھوں نے حبش کے بادشاہ کے پاس ایک وفد بھیجا، جس نے تحفے و تحائف بھی پیش کئے اور مسلمان مہاجروں کے خلاف طرح طرح کی باتیں بھی اس کے کان میں ڈالیں۔ مقصد یہ تھا کہ حبش کا بادشاہ جو عیسائی تھا مسلمانوں کا مخالف بن جائے اور انھیں اہل مکہ کے حوالے کردے۔ نجاشی نے تفتیش حال کے لئے مسلمانوں کو بلوایا، ان کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے نمائندے کی حیثیت سے جو باتیں بتائیں ان میں یہ فقرے بھی شامل تھے۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیر دستوں کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا، اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خوں ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں۔ پاک دامنوں پر تہمت نہ لگائیں۔"

یہ تمام باتیں اخلاق حسنہ کے بنیادی اصولوں میں شامل تھیں اور اسی لئے انھیں سننے کے بعد نجاشی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت جعفر طیارؓ تو مسلمان ہو چکے تھے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے عقیدت و محبت میں یہ باتیں کہی ہوں گی، لیکن قیصر روم کے دربار میں بالکل اسی طرح کا واقعہ ابو سفیان کے ساتھ پیش آیا، جو اس وقت تک اِسلام کی نعمت سے فیض یاب نہیں ہوئے تھے۔ جب اُن سے آں حضرتؐ کی اصلاحی دعوت کا حال پوچھا گیا تو انھوں نے جو الفاظ کہے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ آں حضرتؐ توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ پاک دامنی اختیار کریں، سچ بولیں اور قرابت کا حق ادا کریں۔

یہ شہادت دشمن کی ہے۔ اس کے پیش نظر پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دین کی تکمیل اخلاق حسنہ کے اپنانے پر منحصر ہے۔ دین نام ہے عقائد، عبادات اور اخلاق حسنہ کا۔ غور کیا جائے تو عقائد و عبادات کا ماحصل یہی ہے کہ انسان بہترین اخلاقی اصولوں کا حامل ہو، تاکہ معاملات میں وہ بہترین نمونہ اور عام انسانوں کے لئے امن و عافیت کا پیغام بر ہو۔

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق ہے اور اُسی نے انسان کو بھی پیدا کیا۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ کرۂ ارض پر انسان آپس میں مل جل کر رہیں' فساد برپا نہ کریں' اللہ واحد کی پرستش کریں اور ایک خاندان کے افراد کی طرح شیر وشکر ہو کر رہیں۔ اسی لئے قرآن کی تعلیمات اتاری گئیں' تاکہ ان کے ذریعہ سے تمام انسان اللہ ہی کی عبادت کریں اور اپنے اخلاق کو ایسا بلند بنائیں کہ وہ ایک دوسرے کیلئے آرام وراحت کا ذریعہ بن جائیں۔ اگر دین کی تعلیمات پر عمل کے بعد اخلاق کی بلندی حاصل نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہوگی کہ دواؤں کے استعمال کے بعد مریض کو شفا حاصل نہیں ہوئی۔

اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار تعلیم جو اکثر افراد پر نہایت شاق گزرتی ہے وہ عفوودرگزر' ضبطِ نفس' تحمل اور برداشت کی ہے' لیکن اسلام نے ان دشوار باتوں کو بھی ایسے موثر انداز میں بتایا ہے کہ وہ فوراً قلب وروح میں جاگزیں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً سورہ انعام میں فرمایا:

"جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو بُرا نہ کہو کہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بے ادبی سے نادانستہ بُرا نہ کہہ بیٹھیں۔"

سورۂ اعراف میں فرمایا:

"معاف کرنے کی عادت ڈالو' نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔"

سورۂ آلِ عمران میں نیکوکاروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اور جو غصے کو دباتے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں"

دین اور اخلاق دونوں لازم وملزوم ہیں' مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں حسن اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ سب جانتے ہیں۔ انھیں تو ایک دوسرے کا بھائی کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ایک بڑی نعمت سے تعبیر کیا' لیکن کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بھی نرمی اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی' یہاں تک کہ حکم دیا کہ اُن کے طعنوں کا بھی بُرا نہ مانو' کیوں کہ دینی معاملے میں بھی غصے سے کوئی حرکت کر بیٹھنا شیطان کا کام ہے۔ اگر ایسا موقع پیش آجائے تو اللہ سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ شیطان کے پھندے سے بچائے اور اس کے غلبے سے محفوظ رکھے۔ رسولؐ اللہ کا ارشادِ گرامی ہے:

"مومن کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔"

ان قرآن تعلیمات وار اس اسوۂ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دین پر عمل کے ذریعہ سے انسان کا اخلاق بلند اور عمدہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم دین کی اس حقیقت کو سمجھیں اور اپنے اخلاق کو بلند اور پسندیدہ بنائیں۔



نابغہ روزگار شخصیت

نباتات پر تحقیقات کیمیائی ایک نہایت اہم ودلچسپ میدان سائنس ہے اور اس میں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی پوری اہمیت اور قیادت کے ساتھ ہمیں ملتے ہیں۔ 1928ء سے اب 1985ء تک وہ پورے تسلسل کے ساتھ اپنی لیبوریٹریوں میں مصروف عمل ہیں اور دنیا بھر میں اہل تحقیق کو رہنمائی دیتے رہے ہیں۔ دنیائے سائنس میں ان کا اعلا مقام متعین ہے اور ان کی تحقیقی پیش رفت مسلّم ہے۔

ہمدرد طب کا عنوان ہے اور تحقیقات طبیہ سے عبارت ہے۔ ہمدرد نے میدان طب میں مثبت کام کر کے اصولِ طب اور نظریہ وفلسفہ طب کے تسلیم ورضا کے لئے میدانوں کو ہموار کردینے کی ناقابل فراموش خدمات سر انجام دی ہیں۔ بہ ایں ہمہ ہمدرد ان تمام ماہرین علم وحکمت کا ثناخواں ہے کہ جو نباتات قدرتی پر تحقیقی کام کر رہے ہیں اور نباتات کو شفائے امراض کے لئے استعمال کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔

ہمدرد کی نگاہ میں یہ ماہرین عظیم ہیں اور رفیع کہ وہ طب کو دائرہ فطرت میں لانے کی انسانی اور اخلاقی کوششوں میں مصروف ہیں۔

ان عالمی ماہرین میں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صفِ اول میں ہیں اور لازمی ہے کہ ان کی اس عظمت ورفعت کا اعتراف کیا جائے۔

ہمدرد کی مجلس فکر وعمل نے جناب محترم حکیم محمد سعید کی قیادت میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ جناب محترم ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں ایک یادگار کتاب شائع کی جائے۔ اب ہمدرد اس اہم خدمت میں مصروف ہے اور دنیا بھر میں جس قدر اہم سائنس داں تحقیقاتِ طبیہ کے میدان میں مصروف ہیں اُن سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ کتاب یادگار بہ عنوان ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کے لئے اپنا بہترین مقالہ عطا فرمائیں۔ ہمدرد کی درخواست پر ماہرین نے تحریری مقالات کی ذمہ داری قبول کرلی ہے اور یہ کتاب بجائے خود ایک تحقیقاتِ طبیہ کا شاہ کار ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

حکیم محمد سعید کی زندگی کا آخری انٹرویو

انٹرویو : منیر چودھری　　　　تحریر : الفت بخاری

حکیم محمد سعید 9/ جنوری کو دہلی بھارت میں پیدا ہوئے۔ آپ کی مادری زبان اردو تھی جبکہ انگریزی، عربی، فارسی، بنگالی، پشتو، سندھی او پنجابی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم دہلی میں حاصل کی۔ اور وہیں سے آیورویدک یونانی طبی کالج سے بی ای ایم ایس کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں عالمی سائنٹفک سوسائٹی سویڈن سے میڈیسینا آلٹرنیٹو (متبادل ادویات) میں ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری لی اور اپنے بھائی حکیم عبدالحمید کے ساتھ دہلی میں ہمدرد مطب چلانے لگے 1939ء سے ماہنامہ ہمدرد صحت شائع کرنے لگے۔ 1947ء میں اپنی تمام جائیداد دہلی میں اپنے بھائی کے سپرد کر کے خالی ہاتھ کراچی چلے آئے۔ کراچی آکر سکول کی ملازمت کرنا چاہتے تھے مگر آپ کی معاشی حالت ابتر ہونے کی وجہ سے پرانے کپڑے اور پھٹے ہوئے جوتے دیکھ کر کوئی ملازمت دینے کیلئے تیار نہ تھا۔ بستی کھدہ میں سکول کے بچوں کو دینی درس دینے لگے۔ سب سے پہلے پارسی جمشید نشروانجی مہتا نے اپنی جگہ دی جہاں آج بھی ہمدرد مطب موجود ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مطب چل نکلا جہاں ملک کے بڑے بڑے سیاستدان، حکیم، ڈاکٹر، انجینئر، شاعر ادیب اور عام محنت کش غریب، کسان، ہاری آپ سے فیض یاب ہونے لگے۔ آپ نے اپنے مطب کیلئے سب سے پہلے بازار سے ساڑھے بارہ روپے ماہوار فرنیچر کرایہ پر لیا جہاں اب اسی جگہ پر قائم لائبریری میں 80 لاکھ روپے کا فرنیچر موجود ہے۔ آپ شروع سے ہی ناشتہ کے بعد دوپہر کا کھانا نہ کھاتے بلکہ شام کے قریب سیر ہو کر کھانا کھاتے اور یہی ان کی صحت مند زندگی کا راز تھا۔ 1953ء میں آپ نے ماہنامہ ہمدرد نونہال، 1957ء میں سہ ماہی ہمدرد میڈیکس، 1958ء میں ایس پی ای ایم مجلہ برائے فروغ طب مشرقی کی ادارت کرتے رہے اسی سال ہمدرد مطب سمیت اپنی تمام جائیداد وقف کر دی۔ 1966ء میں ستارہ امتیاز سے نوازے گئے۔ 1977ء سے 1990ء تک یونیسکو کے جریدے "کوریئر" کے اردو ایڈیشن پیامی کے ایڈیٹر رہے۔ 1978ء میں پندرہ روزہ میڈیکل ٹائمز اور سہ ماہی ہمدرد اسلامکس شائع کیا، 1979ء سے 1982ء تک ضیا دور میں صدر کے مشیر برائے طب بعہدہ وزیر رہے 1981ء میں سرٹیفکیٹ آف میرٹ از استنبول ٹیکنیکل یونیورسٹی ترکی اور صادق دوست ایوارڈ منجانب لالیان بہاولپور بوساطت کمشنر بہاولپور 1982ء میں اسلامک میڈیسن پرائز منجانب کویت فاؤنڈیشن برائے ترویج طب کے اعزازات سے نوازے گئے۔ 1987ء میں اینڈیور خبرنامہ برائے مدینۃ الحکمہ شائع کیا۔ 1989ء میں نووستی پریس ایجنسی روس نے بو علی سینا انعام سے نوازا۔ 1991ء میں پندرہ روزہ اخبار نونہال شائع کیا۔ جولائی 1993ء سے جنوری 1994ء تک سندھ کے قائم مقام گورنر بھی رہے۔ آپ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، انسٹی ٹیوٹ برائے صحت و طبی ریسرچ کراچی، انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اور ویسٹ ایشین اسٹڈیز کراچی، ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد پبلک سکول کے صدر اور مدینۃ الحکمہ کے بانی صدر، ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر، طبیہ کالج کے پرنسپل تھے۔ آپ نے سائنس صحت، تعلیم اور سماجی بہبود کے میدانوں میں خدمات پر بے شمار ایوارڈز حاصل کئے۔ 200 کے قریب کتب تصنیف کیں۔ جوانوں اور بچوں کی دلچسپی کے لئے اپنے سفروں کی یادوں کو ضابطہ تحریر میں لا کر 3 درجن سے زائد کتابیں شائع کیں۔ مختلف موضوعات پر 500 سے زائد مقالے تحریر کئے۔ 100 کے قریب ملکی و غیر ملکی سیمیناروں، کانفرنسوں، ورکشاپوں میں مقالے پڑھے۔ ملکی و غیر ملکی 34 طبی اداروں کے وائس چیئرمین، فیلو یا ممبر بھی تھے جن میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، ناروے، آسٹریلیا، سوئٹزرلینڈ، یونیسکو، کویت، اردن اور بھارت قابل ذکر ہیں۔ آپ نے 24 تعلیمی ادارے قائم کئے آپ کے طبی اداروں میں جدید ترین مشینری موجود ہے جبکہ 2 ہزار سے زائد حکیم، فارماسٹ، کیمسٹ اور ماہر عملہ کام کرتا ہے۔ آپ 50 لاکھ کے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ عوام الناس کو مفت طبی مشورے دے چکے ہیں۔ مدینۃ الحکمت میڈیکل کالج میں پوری دنیا سے طالب علم طبی علوم سے فیض یاب ہونے کے لئے آتے ہیں۔

جب آپ سندھ کے گورنر تھے تو اس وقت آپ کو زندگی کے خطرہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ تین ماہ قبل آپ کو اغوا کرنے کی کوشش کی گئی پچھلے کچھ عرصہ سے قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں۔ اس کی وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ آپ نے کچھ عرصے سے ملک پر قابض حکمران ٹولے کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ آپ سیاستدانوں کے لوٹے ہوئے بلین ڈالروں کو (جو بیرون ملک میں ہیں) پاکستان لانے پر زور دے رہے تھے تاکہ ملک کا قرضہ اتارا جا سکے۔ آپ بچوں کی محفلوں کی جان اور جوانوں کی مجلسوں کی زینت تھے۔ ہمدرد شوریٰ میں آپ نے اجتماعی سوچ کو فروغ دینے کیلئے صحافی، دانشوروں، اہل علم اور مختلف مکتبہ فکر کے لوگ شامل کئے تھے۔ اس شوریٰ کی محفلیں کراچی،

لاہور، پشاور، راولپنڈی اسلام آباد میں مہینے میں ایک بار ضرور بجتی جس میں موجودہ سیاسی نظام کی تبدیلی، غیر منصفانہ اور نامناسب تقسیم زر، غریب تک انصاف کی رسائی اور امیر کے انصاف خریدنے کے موضوعات کے ساتھ ساتھ سی ٹی بی ٹی، کالاباغ ڈیم شریعت کے نفاذ، خارجہ پالیسی، پندرھویں ترمیم، سیاست، معیشت، معاشرت قومی و سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا جاتا۔

آپ نے اپنی زندگی کا آخری خطاب 16 اکتوبر 1998ء بروز جمعہ کو نونہال ہمدرد اسمبلی کیا جس میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سیاستدانوں کے 80 ارب ڈالر، غیر ملکی بینکوں سے واپس لانے پر زور دیا ان کا کہنا تھا کہ اس وقت ملک پر کل 1.2 ارب ڈالر قرضہ ہے اگر یہ دولت پاکستان واپس آجائے تو تمام تر قرضہ بحسن وخوبی ادا ہو سکتا ہے۔

آپ جب آخری مرتبہ لاہور آئے تو مزدور جدوجہد کو خصوصی انٹرویو دیا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ انٹرویو ان کی زندگی کا آخری انٹرویو تھا مگر وعدہ یہ تھا کہ انٹرویو لکھ کر پہلے ان کو دکھایا جائے مگر ان کی زندگی کے اس المناک حادثے (جو کراچی میں 17 اکتوبر علی الصبح 6:45 بجے آرام باغ روڈ پر پیش آیا) جس میں چند شرپسندوں نے آپ کو قریبی ساتھی حکیم عبدالقادر قریشی اور سیکورٹی گارڈ ولی محمد سمیت ہلاک کر دیا جس کے باعث ان کا انٹرویو من وعن (ان کی بیٹی محترمہ سعدیہ راشد، داماد اور نواسیوں سے معذرت کے ساتھ) شائع کر رہے ہیں۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے ان کے ساتھ ہونے والی گفتگو:۔

☆شریعت بل کے بارے میں آپ اور ہمدرد مجلس شوریٰ کا کیا خیال ہے؟

•شریعت تو ہوئی مگر یہ شریعت بل کہاں سے آگیا۔ دیکھیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکمران شریعت کے متعلق مخلص نہیں صرف اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے نئے نئے حیلے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں ورنہ آئین ہمارے پاس موجود ہے اس پر عملدر آمد کی ضرورت ہے اور جو قومیں دستور کا احترام نہیں کرتیں وہ زمانے میں ذلیل وخوار ہو جاتی ہیں۔ ویسے بھی میں ایک بات کہتا چلوں شریعت کے نفاذ سے 90 فیصد ارکان اسمبلی وپارلیمنٹ نااہل ہو جائیں گے ویسے بھی پارلیمنٹ سے شریعت بل پاس نہ ہونے کا خطرہ موجود ہے کرپٹ سیاستدان شریعت نافذ کرنے میں مخلص نہیں اور اگر شریعت نافذ ہوتی ہے تو میں کہوں گا کہ سب سے پہلے مجھ پر اور پھر نواز شریف پر نافذ ہو اس کے بعد ارکان اسمبلی وپارلیمنٹ پھر بیوروکریسی اور آخر میں عوام پر اس کا نفاذ ہونا چاہئے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حکمران ٹولہ اس کے نفاذ سے کم از کم 90 فیصد نااہل (Disqualify) ہو جائیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام کو کرپٹ حکمرانوں سے نجات مل جائے گی۔

☆حکومت بھاری مینڈیٹ کی وجہ سے کیا کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں ہے؟

•بھاری مینڈیٹ کا مطلب من مانیاں کرنا نہیں یہ اچھی بات ہے کہ عوام کی بھاری اکثریت نے حکمرانوں پر اعتماد کیا۔ مگر یہ حکمران اس کا غلط مطلب نکال رہے ہیں مہنگائی، بے روزگاری، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ، ڈکیتی، زنا غرضیکہ ہر برائی عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں وہی جاگیردار، سرمایہ دار ٹولہ حکمران رہا ہے کبھی کسی پارٹی کبھی کسی جماعت کے لیبل پر وہی چہرے بہروپ بدل کر سامنے آتے ہیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے چہروں کی نہیں نظام بدلنے کی ضرورت ہے۔

☆گویا آپ موجودہ سیٹ اپ سے مطمئن نہیں؟

•میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ موجودہ حکومتی سیٹ اپ ہی غلط بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے جس سے مسائل خود بخود پیدا ہو رہے ہیں اور جو کسر رہ جاتی ہے وہ حکمران نکال دیتے ہیں گویا اس سیٹ اپ میں مسائل ہی مسائل ہیں۔ ان مسائل کا حل قومی حکومت ہے۔ جو ٹیکنوکریٹس اور دیگر ماہرین پر ہونی چاہئے جس میں ہر سیاسی جماعت اور ہر شعبہ ہائے زندگی کو مکمل نمائندگی دی جائے تاکہ ملک اور عوام کو درپیش مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔

☆گذشتہ ایٹمی دھماکوں اور سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

•بھارت نے پوری پلاننگ کر کے ایٹمی دھماکے کئے اس کے بعد بنے بنائے منصوبہ کے تحت وہاں کے سیاستدانوں نے پاکستان کو مشتعل کرنے کے لئے بیانات جاری کئے۔ پاکستانی عوام اپنی مرضی سے نہیں ان کی پلاننگ کے مطابق مشتعل ہوئی حکمرانوں کو اکسایا گیا جس پر پاکستان نے بھی ایٹمی قوت کا اظہار کر دیا۔ پاکستانی سیاستدانوں نے غور وفکر کئے بغیر دھماکے کر دیئے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ بعد میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ حکمران بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا حساب برابر کرنے کے چکر میں لگے رہے اب ان دھماکوں کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے تو عوام پریشانی میں مبتلا ہیں تاہم سی ٹی بی ٹی پر پاکستان کو دستخط کر دینے چاہئیں۔

☆امریکہ نے گوادر کی بندرگاہ کا کچھ حصہ لیز پر حاصل کیا ہے اس کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟

•بلوچستان کی یہ بندرگاہ انتہائی اہم نوعیت کی حامل ہے۔ امریکہ کو لیز پر دینے کا مقصد ہے کہ ہم نے اپنے دوست ملک ایران کے سر پر امریکی بٹھا دیئے ہیں۔ حکومت کے یہ فیصلے قطعی طور پر غلط ہیں ہم کسی صورت بھی ہمسایہ ملک سے بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ جبکہ ایران نے پاکستان کا ہر مشکل وقت میں ساتھ دیا ہے حکومت نے گوادر کا شمالی علاقہ امریکہ کو لیز پر صرف امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیا ہے۔ گویا امریکہ سے دوستی بڑھانے کے چکر میں ایران دوستی قربان کر دی ہے۔

☆کراچی کے حالات اور روز روز کی ہڑتالیں کاروبار پر کیا اثرات مرتب کرتی ہیں؟

•کاروباری سرگرمیوں اور امن عامہ کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اب کراچی کو لیجئے اس ملک کا 75 فیصد ریونیو کراچی مہیا کر رہا ہے۔ جہاں ملکی وغیر ملکی سازشی عناصر نے امن عامہ تباہ کر کے رکھ دیا ہے تجارتی سرگرمیاں ٹھنڈی ہو گئی ہیں جس کے نتیجے میں ملکی معیشت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے کراچی پاکستان

حکیم محمد سعید کا آخری خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷ار جمادی الاول ۱۴۱۹ ہجری
۹ر ستمبر ۱۹۹۸ شمسی

عالی جناب بھائی جان محترم،
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے ٹیلی فون پر بات ہو جاتی ہے اس لئے خط لکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی پھر یہ کہ میں ان دنوں اس قدر لکھ رہا ہوں کہ خط لکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ میری تحریروں کا کوئی حدود ہے نہ انتہا رہی ہے۔ مستزاد یہ کہ کام اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ سنبھالتے سنبھالتے بس کہنا چاہئے کہ تھک جاتا ہوں۔ سفروں سے اب جس قدر گھبرا رہا ہوں اور ان پر حد بندی کرنا چاہتا ہوں کسی قدر سفر درپیش ہیں۔ اسلام آباد لاہور سے واپس آیا۔ ترکی جانے والے جہاز میں سوار ہو گیا۔ اب استنبول سے واپس آیا ہوں تو ۱۴ر کو دوحہ جا رہا ہوں دوحہ سے واپس آتے ہی دوسری شام کو لاہور اسی شام لاہور سے پشاور اور پشاور سے کراچی اور پھر نہ جانے کہاں کہاں۔

آپ میرے حق میں دعا فرمائے!

ہمدرد یونیورسٹی کے پھیلاؤ پر قدغین لگا رہا ہوں مگر اس قدر کثرت سے داخلوں کے لئے آ رہے ہیں کہ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ ہمدرد یونیورسٹی اسلام آباد میں ایک مقبول یونیورسٹی ہے۔ راولپنڈی کا ایک بڑا میڈیکل کالج ہمدرد یونیورسٹی کے زیرِ نگرانی آ گیا ہے۔ ہمدرد پبلک اسکول کی تعمیر جاری ہے۔ اب راولپنڈی ر اسلام آباد میں پرائمری سے یونیورسٹی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا۔ میں یہ سب تحفہ تحائف پاکستان کو دیتا چلا جا رہا ہوں۔ اس پاکستان کو جس کی زندگی معرضِ خطر میں ہے اور میری تگ و تاز کا یہ ایک لور بیڑا ہے جہاں سے میں خاموشی سے نہیں گزر سکتا۔ رائے عامہ کے احترام سے غافل نہیں رہ سکتا۔

میری صحت نے ہنوز میرا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ میں بری محنت سے اس صحت کو بنا تا رہتا ہوں۔ مگر ورزش سے غفلت کی بنا پر میرا وزن دس گیارہ کیلو بڑھ گیا ہے۔ اس کا انکشاف مجھ پر استنبول میں ہوا جہاں وزن کرنے کی مشین پر خود کو کھڑا کرنے کا وقت مل گیا تھا۔

اب اور کیا لکھوں! میرا خیال ہے کہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے عاجلہ اور صحت کاملہ عطا فرمائے۔

میں ۹ر جنوری ۲۰۰۰ کو مطب سے ریٹائر ہونے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔ ۹ر جنوری ۱۹۴۰ کو دہلی میں مطب کا آغاز کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ خدمتِ خلق کا اس طرح بھی حق ادا کر دیا ہے میں نے۔

آپ کا بھائی
محمد سعید
۹ر ستمبر ۱۹۹۸ء

کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے حالات پر قابو پانے کے لئے کراچی پولیس تو کیا رینجرز بھی پسپائی اختیار کر رہے ہیں۔

میرے دور میں (جب میں گورنر تھا) تو سندھ امن کا گہوارہ بن گیا تھا ہم نے انتہائی خوش اسلوبی سے انتہائی قلیل مدت میں قتل، اغوا برائے تاوان اور ڈکیتی جیسے سنگین جرائم پر قابو پالیا مگر آج تو کراچی میں اوسط 7 سے 10 افراد روزانہ دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔

☆ حکومت کی معاشی پالیسی، نجکاری، اور عوامی مسائل کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

• موجودہ حکومت کی معاشی پالیسی تو کچھ ہے ہی نہیں، روزگار مہیا کرنے کی بجائے باروزگار افراد کو بے روزگار کیا جا رہا ہے۔ حکومت ہر سرکاری ادارہ نیلام کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ صنعت کاروں کی حکومت ہے اس کے باوجود 7 ہزار انڈسٹری مکمل طور پر بند ہو چکی ہے جس سے لاکھوں کی تعداد میں ہنرمند، محنت کش حکومت کے غلط فیصلوں کی وجہ سے بے روزگار ہو چکے ہیں۔ حکمران بغیر سوچے سمجھے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے منشور پر دستخط کر چکے ہیں، نجکاری کی حالت یہ ہے کہ کراچی کا سودا ہو چکا ہے اور اب باقی ملک کو یہودیوں، امریکہ، برطانیہ اور دیگر ملکوں کے ہاتھ فروخت کیا جا رہا ہے یہ پہلا موقع ہے پاکستان کے دو ہمسایہ ممالک چین اور ایران پاکستان سے ناراض دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ ہر آڑے وقت میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق پاکستان کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔

☆ ان تمام مسائل کا حل کیا ہے؟

• ان تمام مشکلات اور خدشات کو ختم کرنے کے لئے فوری طور پر اور ایک مجلس شوریٰ قائم کی جائے جس سے ایک امیر منتخب کر لیا جائے۔ جو اس ملک کو چلائے، مجلس شوریٰ میں تمام مکتبہ فکر، سیاسی پارٹیاں، مذہبی جماعتوں، اعلیٰ و ادنیٰ طبقوں سے، یہاں تک کہ مزدور، کسان، غریب محنت کشوں، بیوروکریٹس، سابق جج، سول افسران کو شامل کیا جائے ہر سطح کے ممبر کو مجلس میں بات کرنے کا پورا حق ہو کسی کی ڈکٹیٹر شپ نہ ہو۔ اس طرح سب مل بیٹھ کر مسائل کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حکیم محمد سعید کا ایک اہم انٹرویو

یہ دنیا حادثات و واقعات کی آماجگاہ ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب کوئی واقعہ یا کوئی حادثہ رونما نہ ہوتا ہو۔ حادثات و واقعات اتنے تواتر اور کثرت کے ساتھ ہوتے ہیں کہ اب عموماً کوئی بھی حادثہ کسی کو چونکاتا نہیں۔ حادثات کے انبار میں تاہم بعض اوقات ایسی دلدوز اور جانکاہ خبریں آجاتی ہیں جو ہمارے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ ذہن ماؤف ہوجاتا ہے اور رنج و غم اور درد والم کا ایک پہاڑ سا ٹوٹ پڑتا ہے۔ گزشتہ دنوں ایسی ہی ایک خبر ملی جو ادبی، تحقیقی اور طبی حلقوں پر بجلی بن کر گری اور برصغیر ہندو پاک کا علم دوست حلقہ سوگ میں ڈوب گیا۔

اس روز یہ خبر آئی کہ حکیم عبدالحمید کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید کو کراچی میں نامعلوم بندوق برداروں نے گولی مار کر ہلاک کردیا۔ اس خبر کو سن کر ذہن میں سب سے پہلے سوال یہ اٹھا کہ کیا فرشتوں کے بھی دشمن ہوتے ہیں اور کیا ایسے بھی لوگ دنیا میں ہیں جو فرشتوں کا وجود بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ بین الاقوامی شہرت کے حامل اسکالر، طبیب، ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر، ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر، سابق گورنر اور ہندوستان کے ادارہ ہمدرد کے بانی حکیم عبدالحمید کے چھوٹے بھائی اور پاکستان ہمدرد کے بانی اور سراپا شفقت و محبت حکیم محمد سعید کی ذات کچھ ایسی ہی تھی کہ ان کے قتل پر ایک فرشتے کے قتل کا گمان فطری طور پر ہوا۔ نامعلوم دہشت گردوں نے جن کا انسانیت سے دور دور کا بھی علاقہ نہیں حکیم سعید پر اس وقت اندھا دھند فائرنگ کی جب وہ شکار پور کالونی کی جامع مسجد میں نماز فجر ادا کرکے واپس آرہے تھے اور معمول کے مطابق مریضوں کو دیکھنے اپنے مطب میں جارہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا محافظ اور ڈرائیور بھی تھا، ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔ ان کے سینے اور چہرے پر تین گولیاں لگیں قاتلانہ حملہ میں ان کے معاون حکیم عبدالقادر قریشی اور چپراسی ولی محمد بھی ہلاک ہوئے۔ جبکہ معاون حکیم منظور علی، گارڈ معروف خاں اور محمد صادق زخمی ہوگئے۔ حکیم سعید کا ڈرائیور معجزاتی طور پر بچ گیا۔ انہیں انکے ادارے میں بیت الحکمت میں سپرد خاک کیا گیا۔ ایک ہفتہ کے اندر ان کا قاتل فصیح احمد گرفتار کیا گیا لیکن پاکستان کی جانچ ایجنسی کی تحویل میں اسکی پر اسرار حالت میں موت ہوگئی۔ پولیس کا دعوا ہے کہ اس نے زہر کھاکر خودکشی کرلی ہے۔ یہ زہر اس نے اپنے گلے میں پڑے ہوئے تعویذ میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن جناح اسپتال کے ڈاکٹروں کے مطابق اسکے جسم پر زدوکوب کئے جانے کے نشانات تھے۔ بہر حال حکیم سعید کے قتل پر برصغیر ہندو پاک میں تعزیتی جلسے جاری ہیں۔

> حکیم محمد سعید نے ۹۸ء میں م۔ افضل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں اپنے ملک کے حالات سے افسردہ ہو مگر مایوس نہیں ہوں

اخبار نو کے چیف ایڈیٹر اور سابق رکن راجیہ سبھا جناب م افضل نے نومبر ۱۹۸۹ء میں پاکستان کے دورے کے موقع پر حکیم محمد سعید کا ایک تفصیلی انٹرویو کیا تھا جو اس وقت اخبار نو میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو میں حکیم سعید نے بہت سے معاملات پر کھل کر بات چیت کی تھی۔ اس انٹرویو کی اہمیت ان کی موت کے بعد اور بڑھ گئی ہے۔ لہذا اس کی اہمیت کی پیش نظر اس اہم اور قابل ذکر انٹرویو کے اہم اقتباسات کو قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

س: ادارہ ہمدرد ہندوستان میں شروع ہوا تھا۔ جب کہ حکیم عبدالحمید صاحب آپ کے بڑے بھائی وہیں تھے۔ مگر آپ نے پاکستان آنا کیوں پسند کیا۔ اور یہاں جب آپ نے ہمدرد قائم کیا۔ تو کیا آپ کو امید تھی کہ یہاں آپ کی پذیرائی ہوگی؟

ج: ہم دو بھائی ہیں۔ ہماری زندگیاں خدمت کے لئے وقف ہیں۔ اللہ تعالی نے ہمیں توفیق خدمت خلق دی ہے اور توفیق خدمت سے بھی سرشار فرمایا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد یہ مناسب تھا کہ برصغیر کے بڑے حصہ میں بڑا بھائی اور چھوٹے حصہ میں چھوٹا بھائی۔ ہمارے

خدمت کے اصول متعین ہیں راہیں متعین ہیں۔ ہم دونوں بھائی ایک ہی انداز سے سوچتے ہیں اور عمل کے میدان میں ہم دونوں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ خدمت انسان ہمارا مقصود ہے۔ ہر انسان واجب الاحترام ہے۔

س: ہندوستان میں طب یونانی آہستہ آہستہ ختم ہورہی ہے۔ اور ہمدرد ہی نے اسکو وہاں باقی رکھا ہوا ہے۔ وہاں طب یونانی کو بڑی مشکلات درپیش ہیں۔ کیا پاکستان میں بھی طب یونانی کے فروغ میں رکاوٹیں آتی ہیں۔ اگر ہاں تو یہ رکاوٹیں کس قسم کی ہیں؟

ج: یہ بات زیادہ صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان میں طب ختم ہورہی ہے۔ حکومت ہند آیورویدک کی طرف زیادہ متوجہ ہے مگر طب کو اس نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ وہاں ویدک اور طب دونوں کو طب جدید کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ طب کے لئے جدوجہد کا میدان اس لئے محدود ہے کہ کارکنان کی کمی ہے۔ طبی تحقیقات کے لئے ہندوستان میں میدان کھلا ہوا ہے۔ اور طب کے لئے فنڈ کی قید نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ ہندوستان میں طب و طبیب کا احترام ہے۔ پاکستان میں طب کا میدان ہنوز فنی تعصبات کی وجہ سے محدود ہے ذہن جدید پر طب جدید کا اثر ہے اور پھر یہ کہ پاکستان میں طب، دنیا کے بڑے دو اسازوں کے نرغے میں ہے جن کے اثرات طب کے لئے سم قاتل بنے ہوئے ہیں۔

س: پاکستان میں مختلف حکمراں آتے رہے۔ حکومتیں بدلتی رہیں۔ آپکے خیال میں کون سی حکومت یا دور میں آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کون سے دور میں حکومت نے طب یونانی کے فروغ میں زیادہ سے زیادہ تعاون دیا؟

ج: طب کے لئے کوئی دور حکومت سازگار نہیں رہا ہے۔ اونچ نیچ کا فرق رہا ہے مگر فکر بلند طب کو حاصل نہیں ہوئی ہے اور فکر بلند کی تعریف یہ ہے کہ احترام علم کیا جائے۔ تحقیق کو رہنما بنایا جائے۔ عصری سائنس کو معاون رکھا جائے اور سائنسی مزاج کے ساتھ نظریات اور فلسفہ طب کو سمجھا جائے۔

س: آپ اکثر ہندوستان بھی جاتے ہیں۔ وہاں بھی آپ کے خاندان کے لوگ اسی پیشے سے منسلک ہیں یقیناً آپ یہاں اور وہاں کا موازنہ کرتے ہوں گے۔ آپ دونوں ملکوں میں طب یونانی کے مستقبل کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

ج: دنیا میں حالات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ انسان علاج معالجے کے باب میں دائرہ فطرت میں رہنا چاہتا ہے کیمیائی اجزا سے اب عصر جدید کا انسان تنگ آچکا ہے کہ اس نے جسم انسانی کو تار تار کردیا ہے۔ فطرت کی جب بات ہوگی تو لازماً طب کی طرف نگاہیں اٹھیں گی جو زیادہ تر نباتات ادویہ کی تلاش میں ہے۔ اس اعتبار سے طب کا مستقبل روشن ہے۔ وہ ممالک کہ جہاں امدادیں اور قرضے آتے ہیں وہاں طب کے لئے راہیں تنگ رہیں گی مگر جو ممالک معاشیات میں آزاد ہیں وہاں فطری طب کا دخل ہوجائے گا آج بھی مغرب کے ہر ملک میں طب پر تحقیقی کام ہورہا ہے اس اعتبار سے اب طب کو ایک بار پھر عالمی مرتبہ نصیب ہورہا ہے۔

س: میں نے بڑے حکیم صاحب (محترم حکیم عبدالحمید صاحب) کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے وہ بڑے گوشہ نشیں قسم کے انسان ہیں یہ الگ بات ہے کہ لوگ گھسیٹ کر انہیں عوامی محفلوں میں لے آتے ہیں اسکے برعکس آپ عوامی زندگی میں بھی بڑے متحرک ہیں۔ آپ دونوں کی طبیعت میں اتنا غیر معمولی فرق ہونے کا کوئی خاص سبب؟

ج: زندگی کے مقاصد اگر متعین ہوجائیں تو اطوار کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ گوشہ نشینی بھی ایک حسن ہے اور عوامی زندگی بھی ایک طور ہے۔ اگر دائرہ اعتدال میں یہ رہیں تو مقاصد کی تحصیل میں دونوں معاون ہوسکتے ہیں عوامی زندگی گزارنے کے محرکات متعدد ہوسکتے ہیں مگر ایک جذبہ بہرحال ہوتا ہے کہ انسان خود کو مقبول عام بنائے اور داد وصول کرے۔ یہ انسانی کمزوری ہے حکیم عبدالحمید صاحب نے اس کمزوری پر قابو پالیا ہے۔ میں اس کے لئے کوشاں ہوں۔

س: اس وقت ہمدرد پاکستان کا سالانہ بزنس کتنا ہے۔ اور آپ کی کون سی پروڈکٹ زیادہ ایکسپورٹ ہوتی ہیں۔ کیا عرب ممالک کے لئے "ہمدرد" کی دوائیاں ایکسپورٹ کرنے میں کوئی خاص پریشانی یا دقت ہوتی ہے؟

ج: ہمدرد پاکستان کا بزنس الحمد للہ اس قدر ہے کہ اس کے فلاحی کام خوبی سے ہورہے ہیں ہم فلاحی کاموں کی مناسب سے ٹرن اوور میں اضافہ پر بھی حاوی ہیں دنیائے عرب سے بھی ہم قریب ہونے کی

کوشش کرتے ہیں تاکہ وہاں طب کو قبولیت حاصل ہو اور وہ اپنے ورثے سے محبت کریں۔ ہمدرد پاکستان مغرب سے بھی ہم کلام ہے کہ وہ طب کو مقام قبولیت دے۔

س: آپ ایک ماہ میں عموماً کتنے مریض دیکھتے ہیں اور چوں کہ آپ بہت مصروف انسان ہیں اور آپ کے ادارے سے ان گنت حکیم وابستہ ہیں پھر بھی آپ ذاتی طور پر مریضوں کو دیکھنا کیوں پسند کرتے ہیں؟

ج: میں حقیقی اور بنیادی طور پر طبیب ہوں اس فن سے وابستگی میری فطرت ہو چکی ہے میں اس میدان سے خود کو دور نہیں کر سکتا میں پہلے دس ہزار مریضوں کی ماہانہ خدمت کرتا تھا مگر اب یہ تعداد چار پانچ ہزار رہ گئی ہے میں ۳۰ دن میں ۱۵ دن مریضوں کے لئے وقف رکھتا ہوں۔ مگر میری طبعی مصروفیت میرے دوسرے کاموں میں آج بھی حائل نہیں ہے۔ میں دوسرے متعدد میدانوں میں بھی کام کرتا رہتا ہوں میں شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں کو اپنی مرضی کے تابع رکھنے کا اہل ہوں اور وقت کا صحیح استعمال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت دی ہے۔

س: آپ کی علمی مصروفیات کا بھی بڑا ذکر ہے اب تک آپ نے کون کون سی کتابیں لکھیں ہیں اور خاص دلچسپی کا موضوع آپ کے لئے عام طور پر کیا ہوتا ہے؟

ج: میں طب و صحت کے میدان میں تحریر کو اہمیت دیتا ہوں میری متعدد کتابیں ہیں پھر میں عالمی سفر سے بھی دلچسپی رکھتا ہوں جو اکثر و بیشتر بلکہ تمام تر علمی ہوتے ہیں۔ اس لئے میرے سفر نامے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسوقت بھی ریگ رواں اور مادر التجار دو سفر نامے زیر طباعت ہیں۔

س: ایک آخری اور ضروری سوال اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کا جواب بھی دے دیں آپ نے پاکستان کو اپنا وطن بنایا آج چالیس سال کے بعد یہاں جو کچھ ہو رہا ہے خاص طور سے قومیتوں کے جھگڑوں نے جو شدت اختیار کی ہے جو حالات اب پیدا ہو گئے ہیں انہیں دیکھ کر آپ کا ذاتی تاثر کیا ہے کیا اس سب سے آپ کو مایوسی ہوئی ہے؟

ج: میں پیارے وطن کے حالات حاضرہ سے دکھی ضرور ہوں مگر اس میں یقین رکھتا ہوں کہ حالات میں استواری کا سامان ضرور ہوجائے گا میں مختلف پلیٹ فارموں سے انقلاب فکر لانے کی جدوجہد سے لحہ بھر بھی غافل نہیں ہوں میں اہل وطن کو عزت سے زندگی گزارنے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ کل آپ نے (۱۰ اکتوبر ۱۹۸۹ء) ہماری ایک نہایت اہم تقریب میں شرکت سے معذوری ظاہر کردی تھی۔ یہ نونہال وطن کانفرنس تھی جو کل برپا ہوئی پانچ ہزار بچے بڑے اس میں شریک ہوئے پشاور راولپنڈی لاہور اور کراچی کے گیارہ نونہال مقرر شعلہ بیانیوں کا عنوان تھے اور بڑوں کو آزادی کی قدروقیمت کا درس دے رہے تھے آپ وہاں آتے تو ان بچوں کی تقریریں سن کر اندازہ لگاتے۔ میں اس انداز سے تعمیر وطن کر رہا ہوں اور مایوس نہیں ہوں۔

شوبی آفسیٹ پریس

۲۸۱۸ گلی گڑھیا کوچہ چیلان دریا گنج نئی دلی۔ ۱۱۰۰۰۲

فون نمبر ۳۲۸۸۵۷۰

Publications of
Central Council for Research in Unani Medicine

S.No.	Title of Publication	Price (Rs)
	A Handbook of Common Remedies in Unani System of Medicine:	
01	English	19.00
02	Urdu	13.00
03	Hindi	06.00
04	Punjabi	16.00
05	Tamil	08.00
06	Telugu	09.00
07	Kannada	34.00
08	Oriya	34.00
09	Gujarati	44.00
10	Arabic	44.00
11	Bengali	19.00
12	Kitab-al-Jami-li Mufra dat al Adviya wal Aghzia-I (Urdu)	71.00
13	Kitab-al-Jami-li Mufra dat al Adviya wal Aghzia-II (Urdu)	86.00
14	Kitab-al-Jami-li Mufra dat al Adviya wal Aghzia-III (Urdu)	—
15	Amraz-e-Qalb (Urdu)	205.00
16	Amraz-e-Riya (Urdu)	150.00
17	Aaina-e-Sarguzisht (Urdu)	07.00
18	Kitab-al-Umda fil Jarahat-I (Urdu)	57.00
19	Kitab-al-Umda fil Jarahat-II (Urdu)	93.00
20	Kitab-al-Kulyat (Urdu)	71.00
21	Kitab-al-Kulyat (Arabic)	107.00
22	Kitab-al-Mansoori (Urdu)	169.00
23	Kitab-al-Abdal (Urdu)	13.00
24	Kitab-al-Taiseer (Urdu)	50.00
25	Kitab-al-Hawi-I (Urdu)	195.00
26	Kitab-al-Hawi-II (Urdu)	190.00
27	Kitab-al-Hawi-III (Urdu)	180.00
28	Kitab-al-Hawi-IV (Urdu)	143.00

S.No.	Title of Publication	Price (Rs)
29	Kitab-al-Hawi (Urdu) V	—
30	Al-Moalejat-al-Buqratia-I (Urdu)	360.00
31	Al-Moalejat-al-Buqratia- II (Urdu)	270.00
32	Al-Moalejat-al-Buqratia-III (Urdu)	240.00
33	Uyoon-al-Anba fi Tabaqat-al-Atibba-I (Urdu)	131.00
34	Uyoon-al-Anba fi Tabaqat-al-Atibba-II (Urdu)	143.00
35	Risala-e-Judia (Urdu)	26.00
36	Physico-Chemical Standards of Unani Formulations (English) I	43.00
37	Physico-Chemical Standards of Unani Formulations (English) II	50.00
38	Physico-Chemical Standards of Unani Formulations (English) III	107.00
39	Standardisation of Single Drugs of Unani Medicine (English) I	86.00
40	Standardisation of Single Drugs of Unani Medicine (English) II	129.00
41	Standardisation of Single Drugs of Unani Medicine (English) III	188.00
42	Chemistry of Medicinal Plant (English) I	340.00
43	The Concept of Birth Control in Unani Medicine (English)	131.00
44	Contribution to the Unani Medicinal Plants from North Arcot Distt. Tamil Nadu (English)	143.00
45	Medicinal Plants of Gwalior Forest Division (English)	26.00
46	Contribution to the Medicinal Plants of Aligarh (English)	11.00
47	Hakim Ajmal Khan - The Versatile Genius (H.B.) (English)	71.00
48.	Hakim Ajmal Khan - The Versatile Genius (P.B.) (English)	57.00
49	Clinical Study of Zeeq-un-Nafas (English)	05.00
50	Clinical Study of Waja-ul-Mafasil (English)	04.00

BOOKS CAN BE HAD FROM: CENTRAL COUNCIL FOR RESEARCH IN UNANI MEDICINE,

61-65, Institutional Area, Janakpuri, New Delhi - 110 058.

Ph. 5614970-72, 5611982

IF THE BOOKS ARE REQUIRED BY POST:

Please send a bank draft in favour of the Director, CCRUM, payable at New Delhi in advance. M/O, IPO and Cheques are not acceptable. Books are not sent through V.P.P. Postal charges will be borne by the customer on purchase of books costing less than Rs 100/-